بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبدیت کا سفر، ابدیت کے حصول تک

مرتب

[illegible]

بلقیس اکبر

[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدیت کا سفر، ابدیت کے حصّول تک

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

فہرست مضامین

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُورِی	3
2	حق الیقین	6
3	بسم اللہ الرّحمن الرّحیم کی فضیلت	8
4	عہد (حصّہ اوّل)	12
5	ایفائے عہد (حصّہ دوئم)	17
6	اشرف المخلوقات	21
7	ہدایت	28
8	بامقصد زندگی	33
9	عبدیت کا سفر ابدیت کے حصول تک	37
10	ہوس زر و زمین	41
11	خوش نصیب یا بدنصیب	46
12	کامیاب زندگی	49
13	عابد اور معبود کے درمیان رشتہ (عبادت)	54
14	ایمان کا اعلیٰ درجہ (دعا پر اعتماد)	57
15	وصالِ حق کا مقام (صبر و شکر)	61
16	اِنسانیت کی معراج (رات)	66
17	انبیاء کرام علیہ السلام عام انسانوں کی طرح نہیں	70
18	اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ عام انسانوں کی طرح نہیں	74
19	زندگی اور موت برابر	79
20	جھوٹے مدعیان نبوت	83
21	خودشناسی کا زمانہ۔ آگاہی کے ایام (بڑھاپا)	92
22	خودی کیا ہے؟	94
23	اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی	98
24	انسانی فضیلت کا راز	101
25	فیض کیا ہے؟	107
26	فیض رسانی (اصل قربانی)	114
27	فقر کی تعریف اور مال کی مذمت	118

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہُ نُورِی

حدیثِ قدسی ہے: (فرمان الٰہی)　لولاک لما خلقت الافلاک

ترجمہ:-"اے محبوب (خاتم النبیین ﷺ) اگر آپ (خاتم النبیین ﷺ) نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا"۔(عجلونی، کشف الخفاء، 2:214، رقم:2123، آلوسی، تفسیر روح المعانی، 1:51)

جب کائنات کا وجود نہ تھا تب بھی اللہ کی ہستی موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں جانا اور پہچانا جاؤں۔۔۔ پہچان اور تعارف کے لیے ضروری ہے کہ کوئی پہچاننے والا ہو۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی اور منشاء سے تخلیقی پروگرام بنایا۔ تخلیقی عوامل میں تین عوامل کائنات کی بنیاد ہیں:-1۔ ملائکہ　2- جنات　3۔ آدم

1- ملائکہ (فرشتے):-　پھر فرشتوں کے گروہ بنائے:

i- ملائکہ اعلیٰ یا ملاءِ اعلیٰ　ii- ملائکہ سماوی　iii- ملائکہ عنصری

پھر فرشتوں کے ان تین گروہوں کے الگ الگ تین مقامات کا تعین فرمایا:

i- ملاءِ اعلیٰ یا ملائکہ اعلیٰ کا مقام۔۔۔ بیت المعمور یا حضیرۃ القدس ہے۔　ii- ملائکہ سماوی کا مقام۔۔۔ سمٰوٰت۔۔۔ آسمان ہے۔

iii- ملائکہ عنصری کا مقام۔۔۔ زمین ہے۔

ان تینوں گروہوں کو فرائض تو سونپے گئے ہیں لیکن ڈیوٹی پوری کرنے میں کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔

2- جنات:-　اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کروڑوں دنیائیں یا زمین بنائی ہیں۔ ہر زمین پر جنات کا وجود ہے لیکن یہ وجود زمین کی سطح پر نہیں ہے۔ کرۂ زمین کے خلاء میں واقع ہے۔ یہ مخلوق بھی عناصر اربعہ (ہوا، مٹی، پانی، آگ) سے ترتیب دی گئی ہے لیکن اس مخلوق میں آگ کا عنصر غالب ہے۔ اس مخلوق کو نیکی اور بدی کے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے۔

3۔ آدم:-　اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق آدم کا پہلا مقام جنت تھا۔ جنت سے نکلنے کے بعد آدم دنیا میں آ گیا اور جنات کی طرح کروڑوں دنیاؤں میں آباد ہے۔ اس مخلوق کو بھی نیک اور بد اعمال کا اختیار دیا گیا ہے۔ آدم کی تخلیق میں مٹی کا عنصر غالب ہے۔ جس طرح "ابوالبشر آدم" آدمیوں کا باپ ہے اور "ام البشر حوا" آدمیوں کی ماں ہے۔ اس طرح ابوالجن 'طارہ نوس' تمام جنات کے باپ اور 'ام الاجنہ' جنات کے قبیلوں کی ماں ہے۔

بیت المعمور سے اوپر اور بھی مقامات ہیں۔ سب سے اعلیٰ مقام پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ یہ تجلیات مشیت الٰہی ہیں، تخلیق کا ہر پروگرام مشیت کے تابع ہے۔

تجلیات کا نزول:-

تجلیات کیا ہیں؟

یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی روشنیاں ہیں۔ یہ روشنیاں کائنات میں کوئی مخلوق کسی بھی طرح برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ مخلوق میں براہ راست روشنیوں کو قبول کرنے کی صلاحیت اور طاقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان روشنیوں یا تجلیات کی ناقابل برداشت توانائی کو ہلکا کرنے کے لئے مقام محمود کا تعین کیا اور پھر مقام محمود میں اپنے محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو اپنے اور تمام تخلیقات کے درمیان میڈیا بنایا۔

اس بات کو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس طرح بیان کیا:　اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہُ نُورِی

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور تخلیق کیا"۔ (مدارج نبوّت، جلد۔5، صفحہ 2)

مشیت الٰہی کا پورا پروگرام تجلیات کے نزول کی صورت میں نشر ہوتا ہے اور پھر تجلیات کا پہلا نزول حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس پر ہوتا ہے۔

ذات اقدس حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے ذہن سے یہ تخلیقی پروگرام جب نشر ہوتا ہے۔ تو اس میں اتنی لطافت آ جاتی ہے کہ دوسری مخلوق اس کا وزن برداشت کر سکے۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی پرنور ہستی سے نور کی لہریں نکل کر بیت المعمور یا حضیرۃ القدس میں ملاءِ اعلیٰ پر نزول کرتی ہیں۔ ملاءِ اعلیٰ (ملائکہ اعلیٰ) اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان امور کو پسند فرماتے ہیں اور ان امور کو ناپسند فرماتے ہیں۔۔۔ ملاءِ اعلیٰ کا یہ پروگرام لہروں کی صورت میں ملائکہ

سماوی کے ذہنوں پر منکشف ہوتا ہے۔ ملائکہ سماوی اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں۔۔۔ان امور کو پسند اور ان امور کو ناپسند کرتے ہیں۔ملائکہ سماوی کا یہ اعلان ملائکہ عنصری کے ذہنوں پر نزول کرتا ہے۔ ملائکہ عنصری بھی اس اعلان کو دہراتے ہیں۔

ملائکہ عنصری کے اعلان کا دہرانا تصوف یا روحانیت میں انسپائریشن (inspiration) کہلاتا ہے۔یعنی ملائکہ عنصری نوع انسانی اور نوع الجنہ کو انسپائر کرتے ہیں۔۔یعنی ترغیب دیتے ہیں۔۔۔اچھائی اور برائی کے تصور کے ساتھ دونوں قسم کی انواع کو متوجہ کرتے ہیں۔وہ مسلسل اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ نوع انسانی یا نوع اجنہ اچھے اعمال کو اپنائیں اور برے اعمال سے اجتناب کریں۔ وہ بار بار تنبیہ کرتے اور بار بار ترغیب دیتے ہیں کہ ''ذرہ برابر نیکی تولی جاتی ہے اور ذرہ برابر برائی تولی جاتی ہے''۔(سورہ الزلزال، آیت نمبر 8-7)

عنقریب اللہ تعالیٰ ساری زمین کو ایک نہایت سخت ہولناک زلزلے سے ہلا ڈالے گا۔زمین میں جو کچھ ہے زمین اسے اگل دے گی۔(سورہ الزلزال، آیت نمبر 2-1)

جنات اور آدم زاد جو کام کرے گی اس کی اچھائی اور برائی اس پر آشکارہ کردی جائے گی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَدرٰكَ مَا سِجِّينٌ كِتٰبٌ مَّرقُومٌ

ترجمہ:''اور تم کیا سمجھتے ہو کیا ہے سجین؟۔۔۔ایک دفتر ہے لکھا ہوا''۔(سورہ المطففین، آیت نمبر 9-8)

وَمَآ اَدرٰكَ مَا عِلِّيُّونَ كِتٰبٌ مَّرقُومٌ　　ترجمہ:''اور تم کیا سمجھتے ہو کیا ہے علیین؟---ایک دفتر ہے لکھا ہوا''۔(سورہ المطففین، آیت نمبر 20-19)

انسان دنیا میں جو کچھ بھی کرتا ہے، پلک جھپکتا ہے، سانس لیتا ہے، کوئی بات کرتا ہے، کسی کو دکھ دیتا ہے، جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے اس میں سے خلوص دل کے ساتھ خیرات کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، حج کرتا ہے یا وہ اعمال کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے یہ سب کام یہ سب امور ریکارڈ ہو رہے ہیں۔

موجودہ سائنسی دور میں اس کی مثال ویڈیو یا فلم ہے۔یعنی مکلف مخلوق انسان یا مکلف مخلوق جنات جو بھی عمل کرتے ہیں۔اچھا یا برا---اس کی فلم بن رہی ہے اور اس کے بعد جب دونوں مخلوق کے افراد دوسرے عالم میں جائیں گے تو انہیں یہ ویڈیو فلم دکھا دی جائے گی۔اگر یہ فلم اعمال جزا کے ساتھ ہے تو وہ لوگ جن کی یہ فلم ہے بہت خوش ہوں گے۔لیکن اگر یہ فلم اعمال سزا کے ساتھ ہے تو وہ روئیں گے، چلائیں گے اور ان کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق رب العالمین ہے۔وہ تمام مخلوق کے لئے رزق اتارتا ہے۔**رزق سے مراد محض روٹی نہیں ہے بلکہ رزق سے مراد ہر مخلوق کی مختلف طبیعتوں اور ان کی ضرورت، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے تقاضوں کے مطابق وسائل پیدا کرنا ہے۔** اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور مشیت کے تحت وسائل سے مخلوق کو فائدہ پہنچانے کے لیے اپنے خاص محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو تخلیق فرمایا۔ایسی تخلیق جو مخلوق کی ضروریات کا ادراک رکھتی ہے تاکہ وسائل کی تقسیم میں مخلوق محروم نہ رہے۔

اور یہ ذات اقدس نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جن کا نور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سورہ التین، آیت نمبر 5-4 میں فرمایا:-

لَقَد خَلَقنَا الاِنسَانَ فِی اَحسَنِ تَقوِیمٍ　　ترجمہ:''ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا''۔

ثُمَّ رَدَدنٰهُ اَسفَلَ سَافِلِينَ　　ترجمہ:''پھر ہم نے اسے کم ترین درجہ میں بھیج دیا''۔(سورہ التین، آیت نمبر 5-4)

اسفل سافلین کے مادی شعور میں احسن تقویم کی یاددہانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ السلام کا سلسلہ شروع کیا۔جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ قانون تخلیق کے تحت رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی تخلیق پہلی تخلیق ہے۔جیسا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: اَوّلَ مَا خَلَقَ اللہُ نُورِی

یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی آمد کی بشارت دی اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی آمد کے بعد نبوت کا مقصد پورا ہوگیا اور دین کی تکمیل ہوگئی۔۔۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

سورہ المائدہ، آیت نمبر 15 میں ارشاد فرمایا: قَد جَآءَكُم مِّنَ اللہِ نُورٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِينٌ　ترجمہ:''اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب تمہارے پاس آچکی ہے''۔

سورہ جمعہ، آیت نمبر 2 میں فرمایا:-

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الاُمِّيِّنَ رَسُولًا مِّنهُم يَتلُوا عَلَيهِم اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِم وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتٰبَ وَالحِكمَةَ وَاِن كَانُوا مِن قَبلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِينٍ

ترجمہ:''وہی تو ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات کھول کر بتاتے ہیں، ان کا تزکیہ کرتے اور ان کو کتاب و حکمت کا علم سکھاتے ہیں ورنہ اس سے قبل تو یہ کھلی گمراہی میں تھے''۔

سورہ مائدہ، آیت نمبر 3 میں فرمایا:- اَليَومَ اَكمَلتُ لَكُم دِينَكُم وَاَتمَمتُ عَلَيكُم نِعمَتِی وَرَضِيتُ لَكُمُ الاِسلَامَ دِينًا

ترجمہ:'' آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا''۔

اب ہمارے لئے اللہ تعالی کے آخری نبی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی سیرت مبارکہ بہترین رول ماڈل ہے۔آپ کی سیرت طیبہ کی اخلاقی پہلو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔کردار سازی کے ان نبوی فارمولوں سے ہم اچھے مسلمان، اچھے باپ، اچھے رفیق، اچھے شوہر، اچھے بھائی، اچھے اور ہمدرد مالک، وفادار ملازم اور اچھے شہری بن سکتے ہیں۔دنیا میں خیر پر مبنی تمام تصورات ہمیں آپ خاتم النبیین ﷺ کی سیرت مبارکہ میں نظر آتے ہیں۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا منشور ہے۔

''میں تمہارے درمیان دو واعظ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ایک خاموش، دوسرا ناطق (بولنے والا)۔ خاموش واعظ موت ہے اور ناطق واعظ قرآن''۔(مستدرک حاکم)

موت ہر شخص کو آنی ہے اور اس کا ذائقہ ہر شخص نے چکھنا ہے۔ہمیں ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔امراء کو چاہیے کہ گزشتہ امراء کو دیکھیں اور بادشاہوں کو چاہیے کہ وہ گزشتہ بادشاہوں کو دیکھیں کہ کس کا نام باقی رہا ہے؟ ہے کوئی گزرے ہوئے لوگوں کو یاد کرنے والا''؟

یاد رکھیں! ہمیں اللہ تعالی کی طرف سے چار نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔

1- ایمان　　2- درست عقیدہ　　3- اچھی صورت　　4- اچھی سیرت

ان میں سے پہلے تینوں نعمتوں پر انسان کا کوئی اختیار نہیں۔اچھی سیرت انسان کے اختیار میں ہے۔اللہ تعالی نے جب انسانوں کو تین نعمتیں بھرپور طریقے پر عطا کی ہیں تو انسان کو بھی چاہیے کہ چوتھی نعمت کو آراستہ کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

جس شخص کی زبان کا ذائقہ بگڑ جائے اس کو میٹھا پانی بھی کھارا اور کڑوا لگتا ہے۔ہمیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ مضبوط دیواریں، آہنی دروازے، اور مال و دولت کے ذخیرے آفات و مصائب کو دور نہیں کر سکتے۔**انسان اپنی نیکی کی جزا اور اپنے کیے گئے اعمال کی سزا ضرور بھگتے گا اور یہ کہ ہر شخص مکافات عمل کی چکی میں پستا ہے۔**

اللہ تعالی نے ہمیں آنکھوں جیسی نعمت سے نوازا ہے۔اس سے دنیا کی رنگینیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کی صناعی پر بھی غور و فکر کرنا ہے تب صاحب نظر کہلائے گا۔

نظر کے معنی یہ ہیں کہ جس شے پر نظر پڑے اس میں ہمیں اللہ ہی نظر آئے۔صرف ایسی نظر رکھنے والا انسان ہی ہدایت کی ابتدا سے ہدایت کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے۔ایسے لوگ اللہ تعالی کی اطاعت اور اس کی فرمابرداری تحسین و آفرین کے لئے نہیں کرتے -- ان کے پیش نظر صرف اور صرف اللہ تعالی کی رضا ہوتی ہے۔پھر ان کی رسائی بارگاہ ایزدی تک ہو جاتی ہے۔ان لوگوں کے اور اللہ تعالی کے درمیان ایسا رابطہ ہو جاتا ہے کہ ان کی دعائیں قبول بارگاہ ہو جاتی ہیں اور جو لوگ ان صفات کے بغیر دعا کرتے ہیں وہ بے اثر رہتے ہیں۔

اللہ تعالی قرآن پاک سورہ العنکبوت آیت نمبر 69 میں فرماتا ہے:　　وَالَّذِینَ جَاھَدُوا فِینَا لَنَھدِیَنَّھُم سُبُلَنَا وَاِنَّ اللہَ لَمَعَ المُحسِنِینَ

ترجمہ:''جو لوگ ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں بلندی کی راہیں دکھا دیتے ہیں اور اللہ تعالی نیک لوگوں کا ساتھ دیتا ہے''۔

قرآن پاک سورہ الحجرات، آیت نمبر 13 میں اللہ تعالی فرماتا ہے:　　اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللہِ اَتقٰکُم

ترجمہ:''بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے''۔

انسان میں پانچ چیزیں نور یا چمک پیدا کرتی ہیں۔1- بچپن　　2- جوانی　　3- غذا اور ورزش　　4- علم　　5- عبادت و ریاضت

1) **بچپن** کی چمک دو یا تین سال تک رہتی ہے۔　　2) **جوانی** کا نور تیس برس تک رہتا ہے۔

3) **غذا اور ورزش** کا اثر چالیس، پینتالیس سال تک رہتا ہے۔　　4) **علم** کی چمک ساٹھ سال کے بعد شاذونادر ہی باقی رہتی ہے۔

5) **عبادت اور ریاضت**

کائنات میں صرف اور صرف ایک ہی چمک ایک ہی نور ایک ہی تجلی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی رہتی ہے اور وہ ہے نور عبادت اور نور ریاضت۔

جسمانی لذتوں سے تو ہم واقف ہیں کھانا پینا، لباس، گھر، تفریح وغیرہ ناپیدار، سطحی اور کھوکھلی چیزیں جن سے انسان جلد ہی اکتا جاتا ہے۔جبکہ کچھ لذتیں ایسی ہیں جن کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، مسکین کو کھانا کھلانا، نادار لوگوں کی مالی امداد کرنا، ان سے روح کو تسکین ہوتی ہے۔اور یہ تسکین عبادت و ریاضت سے مزید بڑھ جاتی ہے- پھر کیوں نہ ان چیزوں کا ثمرہ دیدار الہی ہو۔عبادت کے ساتھ درود شریف کی کثرت سے رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے۔اور پھر کرم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔اس کے بعد دیدار الہی ہے، اور **تمام مسرتوں اور تمام لذتوں میں بلند ترین لذت دیدار الہی کی ہے--- جس نے رب کو پالیا اس نے سب کچھ ہی پالیا۔**

حق الیقین

نوع انسانی کی ابتدا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے کی۔ لیکن اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کا نور تخلیق فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت اس نور کے جسمانی قالب میں منتقلی کا اولین ذریعہ حضرت آدمؑ بنے۔ اس زمین پر انسانی حیات کی ابتداء حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ سے ہوئی۔ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک انسانی ذہن مسلسل ترقی کرتا آیا ہے۔ ذہنی ترقی کا یہ عمل قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔

زمین پر انسانی ذہن کے ارتقا (ترقی) کے مراحل اور درجوں کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں چار نہایت واضح اور بنیادی مراحل نظر آتے ہیں:

-1 ارتقاء کا (ترقی کا) پہلا مرحلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اسے ہم "حیرتوں" کا دور کہتے ہیں۔

-2 ارتقاء کا دوسرا مرحلہ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اسے ہم "آگہی" کا پہلا دور کہہ سکتے ہیں۔

-3 ارتقاء کا تیسرا مرحلہ حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوتا ہے اس دور کے آغاز کو ہم "تجسس اور ادراک" کا دور اور بعد ازاں "یقین" کے دور سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

-4 انسانی شعور کے ارتقا کا چوتھا دور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے شروع ہوتا ہے۔ جسے "دریافت اور انکشافات" کا دور کہا جاتا ہے۔

پہلے تینوں ادوار میں سے ہر ایک ہزاروں سال پر مشتمل تھا۔ لیکن ہر دور اگلے دور سے پیوستہ یا منسلک تھا۔ یعنی ایک مرحلے کے تکمیل کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوجاتا تھا۔ ارتقاء کے چوتھے دور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دور ذہن کے ارتقاء کے دور کے لحاظ سے کامل ترین دور ہے۔ اس کے بعد کوئی دور نہیں، اگر کچھ ہے تو بس قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ آل عمران، آیت نمبر 164 میں فرمایا:

ترجمہ: ''مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ایک رسول میں نے انہی میں سے بھیجا۔ جو انہیں ان کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے (پاک کرتا ہے) اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ذہنی ارتقاء کے بلند ترین مرحلہ میں معبوث فرما کر قیامت تک کے لئے یہ ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ بنا دیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی کامل کتاب کا نزول ہوا جو اپنے سے پہلے آنے والی تمام کتابوں اور صحائف کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ کتاب اعلان کرتی ہے کہ محمد خاتم النبیین ﷺ پر نبوت تمام ہوگئی ہے۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور اب نوع انسانی کی رشد وہدایت کا فریضہ، آپ خاتم النبیین ﷺ کے علوم کے وارثوں کے ذمہ ہوگا۔

یہ دستور انسانوں میں تو رائج ہے کہ کسی بھی مجلس میں سب سے اہم شخص سب سے آخیر میں آتا ہے۔ ہوسکتا ہے یہی دستور آسمانوں پر بھی رائج ہو۔ اور انسانی معاشرے میں اسی رواج کی پیروی کی جا رہی ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے بعد کائنات کی سب سے عظیم، سب سے اہم، سب سے مقرب، تمام انبیا کرام علیہ السلام سے افضل نبی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو سلسلہ نبوت ورسالت میں سب سے آخیر میں اس دنیا میں بھیجا۔

اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں، کروڑوں بلکہ لامحدود صفات ہیں۔ انسانی ذہن اپنے ترقی کے بلند ترین مقام پر پہنچ کر بھی اللہ تعالیٰ کی صفات سے مکمل آگاہی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کائنات کے تمام علوم مل کر بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ انسان، فرشتے، جنات، زمین پر موجود ہر شے، ستارے، سیارے، آسمان، زماں ومکاں (وقت اور فاصلہ) یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی صفات کا اظہار کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی صفت جلوہ گر ہے۔ کسی میں ایک صفت، کسی میں دو، کسی میں سو، کسی میں ہزاروں اور کسی میں اس سے بھی زیادہ۔ باعث تخلیق کائنات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی یہ شان ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی اتنی صفات جمع ہوگئیں ہیں کہ محدود انسانی ذہن ان کا شمار بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے محمد خاتم النبیین ﷺ کا نور تخلیق کیا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کو تمام انبیا کرام علیہ السلام کے آخیر میں معبوث فرمایا تو اسطرح آپ خاتم النبیین ﷺ کی ایک صفت ''اوّل'' ہوئی اور ایک صفت ''آخیر'' ہوئی۔ تمام انبیاء علیہ السلام اور رسولوں میں ان دو صفات کی حامل ہستی اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے شمار صفاتی نام ہیں۔ تاہم زیادہ معروف ناموں کی تعداد 99 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کئی مقرب انبیا کو اپنے اسماء الحسنیٰ میں سے صفات عطا فرمائیں ہیں۔ جیسے حضرت نوحؑ کو ''شکور''، حضرت ابراہیمؑ کو ''حلیم''، حضرت اسماعیلؑ کو ''صادق الوعد''، حضرت موسیٰؑ کو "کریم اور قوی"، حضرت یوسفؑ کو "حفیظ وعلیم"، حضرت ایوبؑ کو "صبور"، حضرت عیسیٰؑ کو "کریم اللہ" لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو بے شمار اسماء سے فضیلت بخشی۔ روشن نظر محققین

کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنی میں سے 70 ستر ناموں کو اپنے محبوب کے نام سے موسوم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ پر اپنی کتاب قرآن کریم نازل فرمائی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کو معلم اعظم بنا کر بھیجا۔ قرآن پاک کو کتابی شکل میں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کو عملی شکل میں دنیا کی رہبری کے لئے مبعوث فرمایا۔ قرآن کریم اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات کے بعد انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت سے، اس کے ارادوں سے، اس کی مرضی سے آشنا ہوا۔ انسان کو اس زمین پر اور اس کے اردگرد کام کرنے والے طبعی قوانین کے ادراک کا طریقہ سمجھ میں آیا۔ قرآنی تعلیمات فطرت کے راز کھولنے کے لئے شاہ کلید (Master Key) کی حیثیت رکھتی ہے۔ تعلیمات محمدی خاتم النبیین ﷺ سے انسان اس قابل ہوا کہ علوم کے فرق اور ان کی درجہ بندی کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔ اسی فیضان کی بدولت انسان یہ سمجھ سکا کہ روحانی علوم کیا ہیں؟ اور مادی علوم کیا ہیں؟ اور ان علوم کی حدود اور دائرہ کار کیا ہیں؟

آپ خاتم النبیین ﷺ کی بے شمار صفات ہیں جو آپ خاتم النبیین ﷺ کے سوا کسی اور ہستی کو نصیب نہیں ہوئیں۔ واقعہ معراج اِن میں سب سے بڑا واقعہ ہے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کا شق صدر ہوا جو کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے سوا کسی کا نہ ہوا۔

واضح رہے کہ رحمت اللعالمین خاتم النبیین ﷺ کا شق صدر چار مرتبہ ہوا ہے۔ (سینہ چاک 4 مرتبہ کیا گیا)

(1) پہلی مرتبہ: امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کیا کہ "رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے پاس جبرئیل آئے جبکہ آپ خاتم النبیین ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، انہوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو پکڑا، نیچے لٹایا، آپ خاتم النبیین ﷺ کا سینہ چاک کیا اور دل نکال لیا، پھر اس سے ایک لوتھڑا نکالا اور کہا: "یہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے دل میں شیطان کا حصہ تھا، پھر اس (دل) کو سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا، پھر اس کو جوڑا اور اس کی جگہ پر لوٹا دیا، بچے دوڑتے ہوئے آپ خاتم النبیین ﷺ کی والدہ، یعنی آپ کی رضاعی ماں کے پاس آئے اور کہا: "محمد (خاتم النبیین ﷺ) کو قتل کر دیا گیا ہے"۔ (یہ سن کر لوگ دوڑے) تو آپ خاتم النبیین ﷺ کو سامنے سے آتے ہوئے پایا، آپ خاتم النبیین ﷺ کا رنگ بدلا ہوا تھا، حضرت انسؓ بن مالک نے کہا: "میں اس سلائی کا نشان آپ کے سینے پر دیکھا کرتا تھا" (یہ بچپن کا شق صدر ہے۔)"۔ (صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ المصابیح) تو شق صدر چار مرتبہ ہوا۔ پہلی مرتبہ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے یہ اس واسطے تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہیں اور اخلاق حمیدہ پر پرورش پائیں۔

(2) دوسری مرتبہ: دس سال کی عمر میں ہوا، یہ اس لیے تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کامل ترین اوصاف پر جوان ہوں۔ (مسندِ احمد، حاکم، ابنِ عساکر، ابونعیم)

(3) تیسری مرتبہ: غارِ حرا میں ہوا، بعثت کے وقت۔ تاکہ آپ خاتم النبیین ﷺ وحی کے بوجھ کو یعنی اُس نورانی کلام کو جو اللہ تعالیٰ کے اندر سے نکل کر آ رہا ہے برداشت کر سکیں۔ (دلائل بیہقی، دلائل ابونعیم)

(4) چوتھی مرتبہ: شبِ معراج پر جانے سے پہلے ہوا، تاکہ آپ خاتم النبیین ﷺ مناجاتِ الٰہی اور تجلیات الٰہی کو برداشت کر سکیں۔ (صحیح بخاری)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں (سورۃ الشرح۔ آیت 1) میں ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ

ترجمہ: " کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کھول نہیں دیا"؟

یہی وجہ ہے کہ جو اسرار آپ خاتم النبیین ﷺ کے قلب مبارک کو عطا ہوئے وہ مخلوق میں سے کسی اور قلب کو نصیب ہی نہیں ہوئے اور نہ ہی کسی اور کا قلب ان اسرار ربانی کا متحمل ہو سکتا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ اپنے قلب کے متعلق فرماتے تھے۔ ''میری آنکھ سوجاتی ہے مگر میرا دل نہیں سوتا''۔ (صحیح مسلم، جلد 2، حدیث نمبر 1723۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، حدیث نمبر 202)

یہ وہ صفت ربانی ہے جو آپ خاتم النبیین ﷺ کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔ ہر صورت میں یہ ایک فہم اور عقل سے بالاتر کیفیت ہے۔

اُسی ﷺ کے نام سے ہر ابتدا ہے
وہی ہر ابتدا کی انتہا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم کی فضیلت

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم میں اُنیس حروف ہیں۔

۱۔حضرت ابو وائل ؒحضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جوشخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے اُنیس فرشتوں سے نجات دے وہ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم پڑھا کرے"۔(تفسیر کبیر، جلداوّل، ص ۱۵۶)

۲۔حضرت عطاء حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں" جب ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' نازل ہوئی تو بادل مشرق کی طرف دوڑ پڑے ،ہوائیں ٹھہر گئیں، سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں، جانور ہمہ تن گوش ہو گئے، شیطانوں پر آسمان سے پتھر برسنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کی قسم کھائی کہ جس چیز پر یہ پڑھی جائے گی اس میں برکت ڈال دی جائیگی۔ جس (بندے) پر اس کا نام لیا جائے گا اس کو شفاء ہوگی، اس کا پڑھنے والا جنت میں داخل کر دیا جائے گا"۔(ابن کثیر)

۳۔حضرت طاؤسؒ بواسطہ حضرت ابن عباسؓ ہجرت سے 3 سال پہلے پیدا حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ " نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔اس کے اور اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے درمیان اتنا قرب ہے جتنا آنکھ کی سفیدی اور سیاہی کے درمیان ہے" ۔(مستدرک حاکم)

۴۔حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوح وقلم کو پیدا فرمایا تو سب سے پہلے قلم کو حکم دیا کہ لکھ۔قلم لوح پر چلا اور اس پر وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا تھا۔قلم نے لوح پر سب سے پہلے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' تحریر کیا۔ جب تک لوگ اس آیت کی تلاوت کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے امان مقرر فرما دی ہے۔

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' کے حروف:

'ب' سے مراد (باری تعالیٰ) کی طرف اشارہ ہے۔

'س' گناہوں کو ڈھانپنے والے (ستار) کی طرف اشارہ ہے۔

'م' سے مراد عطاؤں کے ساتھ امان کرنے والا (منان) کی طرف اشارہ ہے۔

ایک قول ہے کہ 'ب' سے توبہ کرنے والوں کا رونا (بکا) مراد ہے۔

'س' سے عبادت سے کرنے والوں کا سجدہ اور 'م' سے گناہ گاروں کی معذرت مراد ہے۔

ایک قول کے مطابق:

''اللہ'' مصیبتوں کو دور کرنے والا 'رحمٰن' عطیات دینے والا اور 'رحیم'' گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

'اللہ' عارفین کے لئے 'رحمٰن' عابدین کے لئے اور 'رحیم' مذنبین (گناہ گاروں) کے لئے ہے۔اللہ وہ ہے جس نے ہم کو پیدا کیا وہ بہترین خالق ہے۔رحمٰن وہ ہے جس نے ہم کو رزق دیا بہترین رزاق ہے اور رحیم وہ ہے جو ہمارے گناہ بخشتا ہے اور وہ بہترین بخشنے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے:

"نعمتوں کو پورا کرنے کے اعتبار سے اللہ ہے۔اور جود وکرم کے اعتبار سے رحمٰن ورحیم ہے"۔

(ماؤں کے) پیٹوں سے نکالنے کے باعث اللہ ہے، قبروں سے نکالنے کے اعتبار سے رحمٰن ہے، اور اندھیروں سے نور کی طرف نکالنے کے سبب رحیم ہے۔

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' کا نزول:

یہ سب سے پہلی آیت ہے جو حضرت آدمؑ پر نازل ہوئی تھی۔

حضرت سالم بن ابی جعدانؒ سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا" جب پہلی بار یہ آیت حضرت آدمؑ پر نازل ہوئی تو انہوں نے فرمایا" میری اُمت عذاب سے

محفوظ ہوگئی جب تک وہ اسے پڑھتے رہیں گے۔ پھر اسے اُٹھا لیا گیا"۔

پھر حضرت ابراہیمؑ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ انہوں نے اس کی تلاوت اس وقت فرمائی جب انہیں منجنیق میں بٹھایا گیا۔ اس آیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو جس میں یہ ڈالے گئے تھے سلامتی کے ساتھ سرد فرما دیا۔ اس کے بعد اس آیت کو اُٹھا لیا گیا۔

پھر یہ آیت حضرت موسیٰؑ پہ اتاری گئی۔ اس کی برکت سے وہ فرعون اور اس کے جادوگروں پر، ہامان اور اس کے لشکر پر، قارون اور اس کے پیروکاروں پر غالب آئے۔ اس کے بعد اس آیت کو پھر اُٹھا لیا گیا۔

پھر یہ آیت چوتھی بار حضرت سلیمانؑ پر نازل ہوئی۔ اس وقت ملائکہ نے کہا ''بخدا آج آپؑ کی سلطنت مکمل ہوگئی'' چنانچہ جس چیز پر حضرت سلیمانؑ پڑھتے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' وہ ان کی تابع فرماں ہو جاتی تھی۔

جس روز حضرت سلیمانؑ پر ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' اتاری گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے تمام لوگوں میں منادی کرادو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ''امان'' کی آیت سننا چاہتا ہے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہیکل (محراب داؤد) میں حضرت سلیمانؑ کے پاس آجائے۔ وہ وعظ کہنا چاہتے ہیں چنانچہ ہر شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا شوق رکھتا تھا، ان کی خدمت میں دوڑتا ہوا حاضر ہوا۔ چنانچہ احبار بنی اسرائیل، تمام زاہد و عابد، بنی اسرائیل کے تمام قبائل کے گروہ محراب داؤد علیہ السلام میں داخل ہو گئے۔ کوئی عابد و زاہد باقی نہ رہا پھر حضرت سلیمانؑ نے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' تلاوت فرمائی۔ سب لوگ خوشی سے جھومنے لگے اور سب نے یک زبان ہو کر کہا، ''ہم گواہی دیتے ہیں آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں'' غرض کے اس آیت کی برکت سے حضرت سلیمانؑ روئے زمین کے سلاطین پر غالب رہے"۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد پھر اس آیت کو اٹھا لیا گیا۔

اس کے بعد یہ آیت حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی، وہ بہت خوش ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی "اے عیسیٰؑ! تم جانتے ہو کہ کونسی آیت تم پر نازل کی گئی ہے، یہ آیت ''امان'' ہے اور یہ فرماں باری تعالیٰ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' ہے۔ اس کو تم کھڑے، بیٹھے، لیٹے، آتے جاتے، چڑھتے اور اترتے، ہر حالت میں کثرت سے پڑھا کرو"۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو آیت امان کی خوشخبری سنائی۔ وہ بھی بے حد خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے عیسیٰ (علیہ السلام) جو شخص اس کا ورد رکھے گا وہ قیامت کے دن اس حالت میں اٹھے گا کہ وہ شخص مجھ پر ایمان لانے والا اور میری ربوبیت کا اقرار کرنے والا ہوگا۔ میں اسے دوزخ سے آزاد کر کے جنت میں داخل کردوں گا لہٰذا ''بسم اللہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم'' کو اپنی قرأت اور اپنی نماز میں پڑھا کرو۔ کیونکہ اس کی قرأت کرنے والا منکر نکیر کے سوالات سے بے خوف رہے گا۔ اس پر موت کی سختی اور قبر کا عذاب آسان ہو جائے گا اور میری رحمت اس کے شامل حال رہے گی۔ میں اس کے لئے قبر کشادہ اور تاحد نظر روشن کردوں گا۔ میں اس کو قبر سے اس حالت میں نکالوں گا کہ اس کا رنگ گورا اور نور سے چمکتا ہوگا۔ اس سے نرم حساب لیا جائے گا اور اس کی نیکیوں کو وزنی کردوں گا۔ پُل صراط پر اس کو نور کامل عطا کردوں گا۔ میدان حشر میں ندا کروں گا کہ وہ سعید اور مغفور رہے یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا''۔ حضرت عیسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا، ''اے اللہ اے میرے رب کیا یہ انعام میرے لئے خاص ہے''؟ ارشاد ہوا! "تمہارے بعد احمد مجتبیٰ (خاتم النبیین ﷺ) اور انکی امت کے لئے بھی یہ (انعام) خاص ہے"۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس کی اطلاع اپنے پیروکاروں کو دی، اور ان کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا ''میرے بعد ایک پیغمبر آئیں گے جن کا نام احمد (خاتم النبیین ﷺ) ہوگا۔ اور ان کے اوصاف اور کمالات ایسے ایسے ہیں"۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے تابعین اور پیروکاروں سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانے کا پختہ عہد لیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو آسمان کی طرف اٹھانے لگا تو آپؑ نے اپنے اصحاب (حوارین) سے اس عہد کو تازہ کیا (اس عہد کی تجدید کی)۔ چنانچہ جب تمام حوارین اور آپ کے تمام پیروکار گزر گئے اور ان کے بعد ایسے لوگ آئے، جو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیا اور دین کو بدل دیا۔ دنیا کے ہو کر رہ گئے۔ اس وقت یہ آیت ''امان'' نصاریٰ کے سینوں سے اٹھالی گئی۔ صرف ان چند لوگوں کے دلوں میں باقی رہ گئی، جو انجیل کی پیروی کرنیوالے صاحب اسلام تھے جیسے بحیرا راہب وغیرہ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو مبعوث فرمایا اور مکہ میں سورہ فاتحہ اور ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' اتاری گئی۔ تو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے حکم دیا "اس آیت کو قرآن مجید کی سورتوں، خطوط اور کتابوں کے شروع میں لکھا جائے۔ رب العزت نے اپنی عزت کی قسم کھا کر فرمایا" جو مسلمان صاحب یقین اپنے کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کو پڑھ لے گا میں اس میں ضرور برکت عطا فرماؤں گا"۔ (غنیۃ الطالبین)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، "قیامت کے دن بلاشبہ میری اُمت ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم'' پڑھتی ہوئی آگے بڑھے گی۔ اور میزان میں ان کی نیکیاں وزنی ہو

جائیں گی۔اس وقت دوسری امتیں کہیں گی "اُمت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ترازوں میں کس قدر وزنی اعمال ہیں"-انبیاء اکرام علیہ السلام ان کو جواب دیں گے ''اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے تین ایسے ناموں سے ہوا کرتا تھا کہ اگر ان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور تمام مخلوق کی برائیاں دوسرے پلڑے میں رکھ دی جائیں تب بھی پہلا پلا ہی بھاری رہے گا''۔ (غنیۃ الطالبین)

لفظ اللہ، رحمٰن اور رحیم:

اللہ: اسم اللہ کے معنی اور اس کی تصریح میں علماء کا اختلاف ہے۔

چنانچہ خلیل بن احمدؒ اور علمائے عرب کی ایک جماعت نے کہا کہ ''اللہ'' خدائے بزرگ و برتر کا ایک ایسا نام ہے جس میں کا کوئی شریک نہیں۔اللہ تعالیٰ کی **"ربوبیت"** <u>دلائل و شواہد کے ساتھ ظاہر ہے</u>۔اور بااعتبار کیف اوہام سے وہ پردے میں چھپا ہوا ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ ''**الہ**'' کے معنی ہیں ''**بلند و برتر**''

بعض علماء کا کہنا ہے کہ ''**الہ**'' کے معنی ہیں ''**ایجاد کی قدرت رکھنے والا**'' اور بعض نے اس کے معنی '' سردار '' بیان کئے ہیں۔

رحمٰن اور رحیم:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں "یہ دونوں نام نہایت دقیق ہیں اور ہر ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ دقیق ہے"۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں "دنیا والوں کے لئے رحمٰن اور آخرت والوں کے لئے رحیم"۔

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں "آسمان والوں کے لئے رحمٰن ہے کہ ان کو وہاں جگہ دی اور فرمانبرداری کا شوق عطا فرمایا، مصائب سے بچایا، کھانوں اور لذتوں کو ان سے دور رکھا اور زمین والوں کے لئے ''رحیم'' کہ ان کی طرف رسولوں کو بھیجا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں"۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے کہ نفسوں پر رحم فرماتا ہے اور رحیم ہے کہ دلوں پر رحمت نازل فرماتا ہے۔رحمٰن ہونے کے باعث مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔اور رحیم ہونے کے سبب گناہوں کو معاف کرتا ہے۔وہ راہ حق دکھانے کے اعتبار سے رحمٰن ہے۔اور گناہوں سے محفوظ رکھنے اور نیکی کی توفیق دینے کے باعث رحیم ہے۔وہ رحمٰن ہے کیونکہ وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اگرچہ بڑے بڑے ہوں۔رحیم ہے کیونکہ نیکیوں کو قبول کرتا ہے اگرچہ عیب سے پاک نہ ہوں۔لوگوں کے ذرائع معاش درست رکھنے کے اعتبار سے رحمٰن ہے اور آخرت کے اسباب درست کرنے کے اعتبار سے رحیم ہے۔

''بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم'' کی برکات:

جو شخص زبان سے بسم اللہ کہے دنیا اس کی گواہ بنتی ہے اور جو شخص دل سے بسم اللہ کہے آخرت اس کی گواہ بن جائے گی۔اس لئے کہ جو شخص پوشیدہ طور پر اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا گواہ بن جاتا ہے۔

''بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم'' ایک ایسا کلمہ ہے جس سے زبانوں پر حلاوت آتی ہے۔یہ ایک ایسا کلمہ ہے جس سے غم دور ہوتے ہیں۔یہ وہ کلمہ ہے جس سے تمام نعمتیں حاصل ہوتیں ہیں یہ وہ کلمہ ہے جس سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔یہ وہ کلمہ ہے جو اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔یہ وہ کلمہ ہے جو جلال اور جمال کا جامع ہے۔

''بسم اللہ'' جلال در جلال ہے اور ''الرحمٰن الرحیم'' جمال در جمال ہے۔جس نے اللہ تعالیٰ کے جلال کا مشاہدہ کیا وہ فنا ہو گیا اور جس نے اس کے جمال کا مشاہدہ کیا وہ زندگی پا گیا۔

یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کا جامع ہے۔قدرت نے فرمانبردار لوگوں کی اطاعت کو جمع کیا اور رحمت نے گناہ گاروں کے گناہوں کو مٹا دیا۔

''بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم'' پڑھنے والے کے درجات بلند کئے جاتے ہیں۔قرآن پاک کی ہر سورت کا آغاز ''بسم اللہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم'' سے کیا گیا ہے۔اس آیت کا نزول نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عظیم فتح اور کامرانی کا باعث ہوا۔

''بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم'' کیا ہے؟

ا۔بسم اللہ کا ذکر کرنے والوں کے لئے ذخیرہ، قوی لوگوں کے لئے عزت، کمزوروں کے لئے پناہ، محبت کرنے والوں کے لئے نور، اور شوق رکھنے والوں کے لئے سرور ہے۔

۲۔بسم اللہ روحوں کا آرام ہے عارفوں کا تاج ہے اور حق کا چراغ ہے۔

۳۔بسم اللہ عاشقوں کو بے نیاز کرنے والی ہے۔

۴۔بسم اللہ حق تعالیٰ کا نام ہے وہی جس نے بعض بندوں کو عزت بخشی اور بعض کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ذلیل اور رسوا کیا۔بسم اللہ اس کا نام ہے جس نے جہنم کو اپنے دشمنوں کی انتظار گاہ بنا دیا، اور اپنے محبوبوں سے دیدار کا وعدہ فرمایا۔بسم اللہ اس ذات کا نام ہے جو واحد ہے۔بسم اللہ اس کا نام ہے جو باقی رہنے والا ہے اس کی انتہا نہیں ۔بسم اللہ اس کا نام ہے جو کسی سہارے کے بغیر ہے۔بسم اللہ اس کا نام ہے جس کے (ذکر) سے نماز مکمل ہوتی ہے۔یہ اس کا نام ہے جس کے ساتھ خیالات کو حسن حاصل ہوتا ہے۔یہ اس کا نام ہے جس کی آنکھیں بیدار رہتیں ہیں۔یہ اس کا نام ہے جو لوگوں سے بے نیاز ہے۔یہ اس کا نام ہے جو اندازوں سے ماوراء ہے۔

بسم اللہ اس کا نام ہے جس نے دریا جاری کئے۔یہ اس کا نام ہے جس نے اطاعت شعار بندوں کے لئے شہروں کو آباد کیا۔پھر ان بندوں کو پہاڑوں کی طرح ''اوتاد'' بنایا۔

یہ اوتاد لوگ چالیس برگزیدہ ابدال ہیں یہ اللہ رب العزت کی پاکی بیان کرتے ہیں۔اس کی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتے، اور اس کا ہمسر ہونے کی نفی کرتے ہیں۔یہ ابدال دنیا میں بادشاہ ہیں اور قیامت کے دن سفارش کرنے والے ہوں گے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو جہان کی تدبیر کرنے اور بندوں پر لطف و کرم نے کے لئے پیدا کیا ہے۔

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کے فوائد:

جب ہم ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھتے ہیں تو گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔یہ فائدہ لوگوں کی زبانی سننے پر ہے (یعنی یہ علماء کرام نے ہمیں بتایا ہے) اور ہمارا یہ سننا اس حال میں ہے کہ غمِ دنیا موجود ہے۔لیکن اس وقت یہ سننا کیسا ہوگا جب باری تعالیٰ خود موجود ہوگا ؟۔اب تو ہمارا یہ سننا واسطے کے ساتھ ہے لیکن بغیر واسطے کے سننا کیسا ہوگا ؟۔ہمارا اب سننا تو دھوکے کے گھر میں سننا ہے ہمارا وہ سننا کیسا ہوگا، جب ہم اسے دار الاخرت میں سنیں گے؟ اب تو ہمارا یہ سننا شیطان کے گھر میں ہے لیکن ہمارا وہ سننا کیسا ہوگا ؟۔جب ہم رحمان کے سائے میں ہوں گے۔موجودہ لذت تو صرف خبر کی لذت ہے تو نظر کی لذت کیسی ہوگی ؟۔یہ ہمارے مجاہدے کی لذت ہے تو مشاہدے کی لذت کیسی ہوگی ؟۔یہ بیان کی لذت ہے تو ایمان کی لذت کیسی ہوگی ؟۔یہ مغائبہ (بن دیکھے) کی لذت ہے تو اندازہ کریں کہ حضوری کی لذت کیسی ہوگی ؟۔

کہا گیا ہے کہ شیطان تین مرتبہ اس قدر چلا کر رویا کہ ایسا کبھی نہ رویا:

1- ایک مرتبہ اس وقت جب اس پر لعنت بھیجی گئی اور آسمان سلطنت سے اس کو نکالا گیا۔

2- دوسری مرتبہ اس وقت جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ولادت ہوئی -

3- تیسری مرتبہ اس وقت جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی کیونکہ اس میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' تھی۔

جب بھی کوئی مسلمان اس کو پڑھتا ہے تو جنت اس سے کہتی ہے ''لبیک وسعدیک'' الٰہی اپنے اس بندے کو ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کے صدقے میں جنت میں داخل فرمادے، اور جنت کسی بندے کے حق میں دعا کرے تو اس کا جنت میں جانا ضروری ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت میں جانے والا بنادے۔(آمین)

****

عہد (وعدہ)

(حصہ اوّل)

عہد سے مراد وہ حلف اور پختہ وعدہ ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کبھی تمام افراد کی اَرواح سے اور کبھی صرف انبیائے کرام اور رُسل عظام کی اَرواح سے لیا۔

عہد عالم ارواح میں تین ہوئے تھے:

1-پہلا عہد (وعدہ):

پہلا عہد اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کی روحوں سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید کا لیا، کہ وہ اللہ کو ایک مانیں گے، اللہ کی توحید پر ایمان لائیں گے، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ یعنی اللہ رب العزت نے اپنی توحید کے اقرار اور شرک کی نفی کا عہد اور وعدہ ہر انسانی روح سے لیا۔ اسی کو 'عہدِ اَلَست'' بھی کہتے ہیں۔

پہلا عہد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات، اپنی وحدانیت، اپنی توحید اور اپنی الوہیت کی نسبت کے بارے میں لیا کہ توحید پر ایمان لاؤ گے اور شرک نہیں کرو گے۔ اس کے لیے ارشاد فرمایا:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ O (سورہ الاعراف، آیت نمبر 172)

ترجمہ: ''اور (یاد کیجئے!) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں؟ (تو ہی ہمارا رب ہے،) ہم گواہی دیتے ہیں، تاکہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے۔'' (ترجمہ عرفان القرآن)

یہ عہد صرف انبیاء اور رسولوں سے نہیں تھا بلکہ پوری نسلِ بنی آدم اور تمام کائناتِ اِنسانی کے جملہ اَفراد سے تھا۔ جب انہوں نے اقرار کرلیا تو حدیث میں آتا ہے کہ ملائکہ نے اس کے اوپر گواہی دی اور تمام فرشتوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے گواہ بنایا۔ (طبرانی، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 113:9)

شَهِدْنَا کے کلمہ میں ملائکہ کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت کا اقرار کیا اور گواہ ہوگئے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری زمین وآسمان کو گواہ بنادیا۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 318:7)

تاکہ اپنے وقت پر جب یہ لوگ دُنیا میں پیدا ہوچکے ہوں گے، اور قوموں کی شکل میں موجود ہوں گے تب اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول آئیں گے اور انہیں توحید کی دعوت دیں گے، تو ان میں سے بے شمار لوگ منکر ہوجائیں گے (جیسا کہ ہوتے رہے)۔ کئی ایمان لائیں گے اور کئی روحیں اپنا اقرار بھول جائیں گی۔ وہ کفر وشرک کریں گی، منکر ہوجائیں گی، انبیاء کو رد کریں گی، اُن کی دعوت قبول نہیں کریں گی۔ جب قیامت کے دن وہ اِس اَمر سے منکر ہوں گے تو اُن کے انکار کو رد کرنے کے لیے یہ گواہی دلوائی تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اس کا پتہ ہی نہیں تھا۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 262:2)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "یہ جو گواہی لی گئی، وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اَلَّا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا" کہ "اے انسان! تو میرے ساتھ، میری وحدانیت پر ایمان رکھے گا اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا"۔ (احمد بن حنبل، المسند، 127:1)

(یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت سعید بن جُبیر کے طریق پر مروی ہے۔ یہی مضمون بخاری اور مسلم، دونوں کتبِ حدیث میں وارد ہوا ہے۔)

اسی طرح جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا فرمان اقدس ہے:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی صلب پر اپنا دستِ قدرت پھیرا۔ چنانچہ آپ کی پشت سے ہر وہ روح گر پڑی جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن تک آپ علیہ السلام کی اولاد میں پیدا کرنا تھا۔'' (ترمذی، الجامع الصحیح، اَبواب التفسیر، باب ومن سورہ الاعراف، 5: 267، رقم: 3076- حاکم، المستدرک، 355:2، رقم: 3257)

یعنی قیامت تک جس جس روح اور جس جس وجودِ بشری کو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں پیدا کرنے والا تھا، اُسے صلبِ آدم سے نکالا اور بصورتِ روح متشکل کر کے تمام ارواح سے یہ عہد لیا کہ وہ سارے کے سارے لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: جب اَلَستُ بِرَبِّکُم کا جواب بَلٰی دے چکے اور اقرارِ توحید و اقرارِ ربوبیت کر چکے تو پھر فرشتوں نے اپنی زبان سے کہا: (سورہ الاعراف، آیت نمبر 172)''ہم گواہی دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے''۔(ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 262:2)

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاں اِس مضمون کو بیان کیا وہ ایک ہی مضمون ہے کہ یہ عہدِ توحید تھا اور اس پر ملائکہ کی گواہی تھی۔

ایک حدیث میں ہے کہ اِس کے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: "میں ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو تمہارے اوپر گواہ بناتا ہوں۔تو زمین و آسمان نے اپنی زبانِ حال سے اس پر گواہی دی"۔(احمد بن حنبل، المسند، 135:5)

2-دوسرا عہد(وعدہ):

دوسرا عہد اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیاء اور رسولوں کی روحوں سے لیا۔یہ عہدِ نبوت تھا اور اس امر کا اعلان تھا کہ تمہیں نبوت یا رسالت عطا کی جائے گی اور اپنی رسالت یا نبوت کا فریضہ ادا کرنے کے لیے تم اپنے اپنے وقت پر مبعوث کیے جاؤ گے۔اور تمہارے یہ فرائضِ نبوت اور فرائضِ رسالت ہوں گے اور ہر ایک سے اس چیز کا عہد اور oath لیا کہ وہ اپنے فرائض نبوت ورسالت کا حصہ بجالائیں گے۔

جیسے کسی شخص کو ایک آفس سپرد کیا جاتا ہے۔اس کی appointment پر پہلے declaration اور decision کے طور پر ایک oath-taking ceremony ہوتی ہے، یہ ایک spiritual ceremony تھی، یہ دوسرا میثاق تھا۔

اللہ رب العزت کا امر، عالم ارواح میں جن جن کو نبوت ورسالت کے اعزاز سے بہرہ یاب کرنے کا تھا، ان انبیاء کی ارواح کو جمع کر کے ان سے عہد لیا اور وہ عہد و میثاق بشکل حلف نبوت تھا کہ تمہیں نبوت ورسالت سے سرفراز کروں گا اور تمہاری نبوت ورسالت کے یہ فرائض ہیں جو ادا کرنے ہیں۔

اس میثاق کا ذکر سورۃ احزاب کی آیت نمبر 7 اور 8 میں آتا ہے۔ارشاد فرمایا گیا:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًاO لِّيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًاO (سورہ الاحزاب، آیت نمبر 8-7)

ترجمہ:''اور (اے حبیب! یاد کیجئے) جب ہم نے انبیاء سے اُن (کی تبلیغِ رسالت) کا عہد لیا اور (خصوصاً) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسٰی ابن مریم (علیھم السلام) سے اور ہم نے اُن سے نہایت پختہ عہد لیا-تاکہ (اللہ) سچوں سے اُن کے سچ کے بارے میں دریافت فرمائے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''۔(ترجمہ عرفان القرآن)

ایک قاعدہ یاد رکھ لیں کہ جب بھی قرآن مجید میں لفظ ''اِذ'' آتا ہے اس حرف کا معنی ہوتا ہے ''جب'' مگر جہاں بھی ''اذ'' آئے گا اس کے ساتھ ایک لفظ محذوف ہوتا ہے ''وَاذکُر'' یعنی یہ Hiden ہوتا ہے اس لیے آپ قرآن مجید کا جو ترجمہ بھی اٹھا کے دیکھیں اُس میں لکھا جائے گا ''اور یاد کرو جب'' مگر وہ عبارۃً نہیں آتا معناً ہوتا ہے۔تو گویا جہاں جہاں قرآن مجید میں کلمہ ''اِذ'' کے ساتھ کوئی آیت شروع ہوئی ہے، وہاں اس آیت کے اندر بیان کیا جانے والا واقعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے یوں بیان کیا ہے:

''میرے حبیبِ مکرم یاد کریں وہ وقت جب میں نے یہ کیا، یاد کریں وہ وقت جب میں نے یہ کہا، یاد کریں وہ واقعہ جب یہ بات ہوئی''، تو جب کسی کو یہ کہا جائے کہ یاد کریں وہ وقت یاد کریں وہ واقعہ۔یہ کس کو کہا جاتا ہے؟ جو شخص اُس واقعہ کے وقت موجود ہی نہ تھا! اُس کو کوئی کہہ سکتا ہے یاد کریں وہ وقت؟ وہ کہے گا میں کیا یاد کروں، میں تو تھا ہی نہیں، موجود ہی نہیں تھا، مجھے تو علم ہی نہیں ہے، یاد تو وہ بات کرائی جاتی ہے، جو پہلے سے اُس کے علم میں ہو، اُس کے سامنے رونما ہو چکی ہو، جس کو بات کہی جارہی ہے وہ وہاں موجود ہو یا اُس کے علم میں ہو۔**خواہ جسمانی طور پر موجود ہو، خواہ روحانی طور پر موجود ہو، خواہ علمی طور پہ موجود ہو، یعنی باعتبارِ خبر یا باعتبارِ علم یا باعتبارِ آگاہی موجود ہو۔**

جیسے باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں آدم علیہ السلام کی تخلیق پر بھی ''اِذ'' کہا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً.

ترجمہ: ''اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ اور نائب بنانے والا ہوں''۔(سورہ البقرہ، آیت نمبر 30)

اسی طرح انبیاء کی روحوں سے میثاق لیا جا رہا تھا، تو اس کا ذکر بھی ''اِذْ'' کے ساتھ کیا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ.

ترجمہ: ''اور میرے محبوب یاد کریں جب ہم سب انبیاء سے عہد لے رہے تھے''۔(سورہ الاحزاب، آیت نمبر 7)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تخلیق آدم سے بھی پہلے اور عہدِ انبیاء سے بھی پہلے موجود تھے۔ یہ نحو اور بلاغت کا قاعدہ اور اصول ہے جب ہمزہ استفہام لَمْ یا لَا پر آئے گا تو وہ استفہامِ انکاری بنے گا اور اُس کا فائدہ اور اس کا معنی اور اُس کا مفہوم اور مراد positive اور مثبت ہوتا ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں فرمایا گیا "اَلَمْ تَرَ کَیْفَ" "کیا آپ نے نہیں دیکھا"؟ اردو اور دنیا کی ہر زبان میں بھی یہی طریقہ ہے۔ جب اردو میں آپ کسی کو کہیں: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ تو جب کسی کو یوں کہہ کے مخاطب کیا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے آپ جانتے ہیں آپ نے دیکھا ہے۔ یہ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ولادت سے پہلے کا واقعہ ہے جب ابرہہ کا لشکر کعبہ معظمہ پر حملہ آور ہوا اس وقت آپ خاتم النبیین ﷺ رحم مادر میں ہیں۔ لیکن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو دوران وحی اللہ پاک فرما رہا ہے: "میرے محبوب! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ابرہہ کے ہاتھیوں کے ساتھ کیا حشر کر دیا تھا"؟ اس کا مطلب ہے ''ہاں آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا ہے۔'' معلوم ہوا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ولادت سے پہلے بھی دیکھتے تھے، اسی طرح کائناتِ بشریت کے آغاز سے پہلے بھی ان انبیاء کے میثاق پر گواہ تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کی موجودگی اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا علم اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی خبر سارے زمانوں کے اوپر محیط ہے۔

اب بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اور جب ہم نے تمام انبیاء سے میثاق لیا۔۔۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش جتنے انبیاء علیہم السلام ہوئے اب ان تمام انبیاء سے میثاق لیا۔ اس سے معلوم ہوا ''میثاقِ نبوت'' سب سے لیا، مگر کل انبیاء علیہم السلام میں سب سے اونچے درجے کے اُولوالعزم جو پانچ نبی ہوئے ان کا نام لے کر mention فرمایا کہ ان سے بھی عہد لیا اور جب نام لے کر ذکر کیا تو فرمایا: "وَمِنْکَ" "محبوب آپ سے بھی لیا"۔ "وَمِنْ نُوحٍ" "اور نوح سے بھی لیا"۔ "وابراہیم" "اور ابراہیم سے بھی لیا"، ''وموسیٰ'' "اور موسیٰ سے بھی لیا"۔ "وعیسیٰ بن مریم" "اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی لیا"۔ **اب یہاں کتنی لطیف بات ہے کہ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بعثت تو بعد میں سب انبیائے آخر میں ہوئی مگر جب رب کائنات نے سب کا ملا کر ذکر کیا تو ترتیب بعثت کو بدل کر ترتیب مرتبت قائم کر دی۔ جو رتبے میں سب سے اونچا ہے اُس کا نام پہلے لیا پھر خاص بات یہ ہے کہ رتبہ کی ترتیب بھی سارے پانچوں پر قائم نہیں کی کہ رتبے میں دیکھیں تو ابراہیم علیہ السلام سب سے اولو العزم ہیں۔ مگر حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ذکر کرنے کے بعد پھر ترتیب مراتب نہیں رکھی، پھر ترتیب بعثت لے آئے۔ صرف ایک single نام کی خاطر ترتیب بدل دی، جب حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا نام لے لیا پھر ترتیب وہی برقرار رکھی۔ اللہ رب العزت نے فرمایا محبوب آپ سے عہد لیا اور نوح سے لیا اور ابراہیم سے لیا اور موسیٰ سے لیا اور عیسیٰ سے لیا" وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا "اور ہم نے ان سب انبیاء کرام علیہ السلام سے بڑا پختہ عہد لیا۔**

وہ کس چیز کا عہد تھا؟ اس چیز کا عہد تھا کہ ''یہ تمام انبیاء جب دنیا میں مبعوث ہونگے تو اللہ کے دین کی اقامت کریں گے اور اللہ کے دین کو فروغ دیں گے''، یعنی وہ اللہ کا پیغام توحید لے کر دنیا میں آئیں گے اور نسل بنی آدم اور اپنی اپنی اقوام تک پہنچائیں گے۔ یہ وہ عہد تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے لیا۔ اور عمومی ذکر کے ساتھ پانچ کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ پانچ اولوالعزم سب سے بلند رتبہ انبیاء اور رسل ہیں۔ سورہ میں بھی اسی طرح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے اتفاقاً ایسا نہیں ہوا بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر جگہ یہی التزام کیا ہے اور جب ہر جگہ ایک ہی بات کا اہتمام ہو تو صاف ظاہر ہے اُس کے اندر کوئی ایک باقاعدہ message ہوتا ہے۔ جو یہ ہے کہ اگر انبیاء ورسل کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی برابری گوارہ کرتا تو پھر جو جس جس زمانے میں مبعوث ہوئے اسی ترتیب سے ذکر کرتا۔ مگر سورۃ شوریٰ، آیت نمبر 13 میں بھی فرمایا:

أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ.

ترجمہ: "اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ دین ٹھیک رکھو "- محبوب ہم نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی طرف بھی بھیجا ہے اور جو ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کی طرف بھی بھیجا ہے۔ تا کہ اللہ کے دین کو قائم کیا جائے''۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باری تعالیٰ یہاں نوح علیہ السلام کے ذکر میں جب آپ خاتم النبیین ﷺ کا ذکر لائے تو ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ سب اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بعد کر دیا۔ یہی ترتیب یہاں رکھی

ہے۔اس سے معلوم ہوا آپ خاتم النبیین ﷺ، آخرالانبیاء ہونے کے باوجود ذکر میں اول ہیں۔

سورۃ احزاب کی اس آیت کی تفسیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے سنی وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں سب انبیاء سے پہلا نبی ہوں اپنی خلقت کے اعتبار سے اور آخری نبی ہوں اپنی بعثت کے اعتبار سے''۔(ابن سعد، الطبقات الکبری، 1: 149-دیلمي، مسند الفردوس،3:282،الرقم:4850-دیلمي، مسند الفردوس،4:411،الرقم:7195-بغوی، معالم التنزیل،3:508-قرطبي، الجامع الاحکام القرآن،7:155)

حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا تھا" اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ " کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں"؟ تو سب سے پہلے جس کی زباں سے ''قَالُوْا بَلٰی'' کا کلمہ نکلا وہ تاجدار کائنات حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ تھے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے نورِ محمدی ﷺ کی تعظیم میں ملائکہ کو سجدہ ریز ہونے کے لئے تعظیمی سجدہ کا حکم دیا گیا تو سب سے پہلے سجدہ آدم کے لئے جس کی جبین زمیں پر جھکی وہ جبرئیل امین علیہ السلام تھے جو تمام ملائکہ کے امام ہوگئے اور جس نے قَالُوْا بَلٰی میں سب سے پہلے اپنی زبان کھولی وہ تاجدارِ کائنات اور خاتم الانبیاء ہوئے۔(آلوسی، روح المعانی،9:111)

امام بزار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''کل نسل بنی آدم میں سب سے بلند رتبہ نفوس قدسیہ پانچ ہیں جن میں نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسی (علیہ السلام) اور محمد (خاتم النبیین ﷺ) ہیں اور محمد (خاتم النبیین ﷺ) ان سب سے اعلیٰ رتبے میں ہیں''۔(ھیثمی، مجمع الزوائد،8:255-بزار، المسند،8:255،رقم:2368)

آگے فرمایا کہ یہ تمام انبیاء بھی آدم علیہ السلام کی پشت اور صلب سے روحوں کی طرح نکالے گئے ہیں۔تمام انبیاء کی ارواح بھی اسی طرح روحوں میں متمثل کر کے سامنے لائی گئیں تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے عہد لے اور حضرت آدم علیہ السلام نے انبیاء کی ارواح کو روشن چراغوں کی شکل میں دیکھا ہر نبی کی روح نور کی طرح چمک رہی تھی اور ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبوت و رسالت کا میثاق لیا۔اب ان پر گواہی کس کی لی؟ فرمایا:

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا (سورہ الاحزاب، آیت نمبر 8)

ترجمہ: " تا کہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے اور اس نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے" -

گویا انبیاء کے عہد نبوت پر گواہ ان کی امت کے علماء کو بنایا اور پوری نسل بنی آدم کی عہد توحید پر گواہ ملائکہ کو بنایا۔معلوم ہوا عہد نبوت پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی امت کے صادقین، اولیاء، علماء، صلحاء، متقین، گواہ ہوں گے۔اور پھر جو کفار انکار کر رہے ہوں گے ان کے انکار کو رد کر دیا جائے گا۔

3-تیسرا عہد (وعدہ):

تیسرا عہد بھی صرف انبیاء اور رُسل عُظام سے لیا گیا۔ یہ میثاق ان سے نبوت و رسالت محمدی خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانے کا تھا۔ ہر نبی اور ہر رسول سے عہد اور وعدہ لیا گیا کہ تم پیغمبر آخرالزماں سیدنا محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لاؤ گے، اور ان کے پیغمبرانہ مشن کی مدد کرو گے۔

ارشاد خداوندی ہے: (سورہ آل عمران، آیت نمبر 81)

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ.

ترجمہ:''اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں، پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (خاتم النبیین ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اِقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اِقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں-"

آیت مبارکہ کے الفاظ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتوں کو حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نبوت پر ایمان کے ساتھ مشروط کر دیا اور ان کی رسالتوں کو حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی رسالت پر ایمان اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رسالت کی خدمت کے ساتھ مشروط کر دیا کہ تم سب اس نبی پر ایمان لاؤ گے اور ان کی نصرت و مدد کرو گے۔ **یہاں گواہی اللہ تعالیٰ نے خود دی ہے-**

علامہ ابن تیمیہ روایت کرتے ہیں " ہر نبی اپنے اپنے زمانے میں اپنی امت سے یہ عہد لیتا رہا کہ اگر تم لوگ زندہ ہوئے اور تمہارے زمانے میں نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ ﷺ آ گئے تو پھر میرے کلمے کے پیچھے نہ پڑے رہنا، پھر حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کا امتی ہو جانا۔ اُن پر ایمان لے آنا کہ ہماری نبوتوں کے سارے دھارے نبوت و رسالتِ محمدی خاتم النبیین ﷺ کے سمندر میں ضم ہو جائیں گے "۔(دقائق التفسیر 334:1)

جیسا کہ قرآن مجید نے کہا: (سورہ الاعراف، آیت نمبر 157)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ.

ترجمہ: ’’(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں۔ جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔‘‘

یعنی حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے تذکرے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کی ولادت کا تذکرہ، ولادت کے شہر مکہ کا تذکرہ، آپ خاتم النبیین ﷺ کی ہجرت کا تذکرہ، ہجرت کے شہر مدینہ کا تذکرہ، مدینہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی قبر انور کے ہونے کا تذکرہ، اور مکہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے جوان ہونے کا تذکرہ، اور پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کے اوصاف، کمالات، معجزات، سُنتیں، سیرت، خصائل حمیدہ، اخلاق، طور طریقے، ساری نعتیں، ساری صفتیں، سارے وصف، سارے تذکرے، تورات، انجیل سمیت ہر نبی کی کتاب میں موجود تھے۔ اور تمام انبیاء آپ خاتم النبیین ﷺ کے تذکرے پڑھ پڑھ کے اپنی اُمتوں کو بتاتے تھے۔ یہودیوں تک کو یاد تھے، وہ اپنے بچوں کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی شان کے تذکرے یاد کراتے تھے۔ اور ان کا یہ خیال تھا کہ شاید حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بھی بنی اسرائیل سے آئیں گے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاء بنی اسرائیل سے آ رہے تھے۔

مکہ مکرمہ میں انبیاء علیہم السلام کا قیام:

انبیاء علیہم السلام کا ایک گروہ تو ایسا تھا جو یہ جان کر کہ تاجدارِ کائنات نبی آخر الزمان ﷺ مکہ میں مبعوث ہوں گے سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر کرتے کرتے دیدارِ مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کے شوق میں مکہ مکرمہ آ گیا تھا۔ اُنہوں نے عمریں مکہ میں گزار دی تھیں کہ جب کبھی رب کے محبوب اور اس کے حسن کے طلوع کا وقت آئے گا ہمیں دیدار کا موقع نصیب ہوگا اور ہم ان کا زمانہ پائیں گے۔ اسی طرح تاجدار کائنات خاتم النبیین ﷺ کے انتظار میں سینکڑوں انبیاء نے وادی مکہ میں عمریں گزار دیں۔ اور ان کے مزارات صحن کعبہ میں اور بعضوں کے حطیم کعبہ میں ہیں۔ تین سو یا سات سو انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں کہ ان کی تو وفات بھی مکہ میں ہوئی اور ان کے مزارات کعبہ شریف کے مطاف میں صحن کعبہ کے اندر ہیں۔ وہ اس خیال سے یہاں قیام پذیر ہو گئے تھے کہ ہماری عمر میں ہماری زندگیوں میں اگر تاجدار کائنات خاتم النبیین ﷺ آ گئے تو حضور کی غلامی کا شرف ہو جائے گا۔ اور اگر ہماری زندگی میں مبعوث نہ ہوئے تو دفن ہونے کا اعزاز تو نصیب ہو جائے گا۔ جب زائرین اس کعبے کا طواف کریں گے تو ہم ان کے قدموں کے نیچے ہوں گے۔ یوں ان کے تلوؤں کے بوسے ہوتے رہیں گے۔ ستر کے قریب یا اُس سے زائد انبیاء تو منیٰ میں مدفون ہیں۔ ’’مسجد الخیف‘‘ میں سات سو انبیاء ہیں جہاں تین دن حاجی قیام کرتے ہیں ان کو خبر تھی کہ یہ حج کے راستے اور اس محبوبِ مکرم خاتم النبیین ﷺ کے ٹھکانے ہوں گے۔ عرفات، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ جو آپ خاتم النبیین ﷺ کے راستے تھے ان پر یہ ٹھکانے کرتے گئے۔ انبیاء علیہم السلام کا ایک گروہ تو ادھر ہی آ کے آباد ہو گیا۔ اور کثیر تعداد میں انبیاء علیہم السلام ادھر ہی مبعوث ہوئے اور وہیں ان کے مزارات بنے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایفائے عہد

(حصّہ دوئم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 34)

وَ اَوفُوا بِالعَھدِ اِنَّ العَھدَ کَانَ مَسئُولاً

ترجمہ: '' اور وعدے پورے کرو۔تم سے تمہارے وعدوں کے بارے میں باز پُرس ہوگی''۔

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جس میں عہد کی پاسداری نہیں اس کا کوئی دین نہیں''۔(مسند احمد)

اپنے وعدوں کا پاس کرنے والے لوگ عظیم ہوتے ہیں۔وہ ہر حال میں اپنے وعدوں کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔دوست سے وعدہ دوستی کے قیام کی شرط ہے۔محبوب سے وعدہ محبت سے مشروط ہے اس طرح استاد، شاگرد، پیر مرید کے درمیان وعدے دوطرفہ ہوتے ہیں۔استاد علم دینے کا وعدہ کرتا ہے اور شاگرد ادب کرنے کا۔اگر شاگرد ادب چھوڑ دے تو اس کا علم سے محروم ہونا اس کا ازلی مقدر بن جاتا ہے۔اس میں استاد کا ایفائے عہد دخل ہی نہیں دے سکتا۔**مرید گستاخ ہو جائے تو سارا نظام طریقت ہی ختم ہو جاتا ہے۔پھر پیر کی نظر التفات بھی اُسے فیض نہیں دے سکتی۔کیونکہ فیض صرف اور صرف ادب ومحبت کا نام ہے اور جب انسانوں کا یہ حال ہے تو پھر اللہ کے ساتھ کئے گئے وعدے کی پوچھ کتنی ہوگی؟**

ہم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا-اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو سب سے پہلے بنایا اور پھر سوال کیا کہ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں''؟۔جواب میں ہم سب نے اقرار کیا تھا یعنی ''بے شک کیوں نہیں ہاں تو ہی ہمارا رب ہے''۔ پھر کلمہ طیبہ ایک عہد ہے ایک وعدہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معبود نہیں مانیں گے اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو آخری نبی مانیں گے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی ہر بات کو صدق دل سے قبول کریں گے۔

یہ وعدہ ہمارا ایمان ہے۔زندگی کی مجبوریاں ہمیں اکثر اس وعدے کو پورا کرنے کی مہلت ہی نہیں دیتیں۔**جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے پر استقامت سے قائم رہتے ہیں اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں وہ حالات کی کمی بیشی کے باوجود اپنے وعدے کی حرمت کی حفاظت کرتے ہیں۔یہی لوگ یقین کے چراغ روشن کرتے ہیں۔بیمار دلوں کی شفاء اِن لوگوں کے دم سے ہے۔ان کا سرتن سے جدا کر دیا جائے تب بھی ان کی زبان پر قرآن جاری رہتا ہے۔سلام ہو اِن کی بارگاہ مقدس میں۔**

اللہ تعالیٰ نے بھی انسان سے وعدے کئے ہیں۔نیک اعمال والوں کے لئے جنت کی بشارت ہے اور بداعمال لوگوں کو دوزخ میں لے جا کر کہا جائے گا-

ترجمہ: ''یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا''۔(سورہ یس، آیت نمبر 63)

اللہ تعالیٰ کے وعدے سچ ہیں۔اللہ کے دعوے پورے ہو کر رہتے ہیں۔ہم لوگ شب وروز حصار میں گھرے رہتے ہیں۔ہمیں شیطان، نفس اور دنیا نے پکڑ لیا ہے۔ہم جلد باز اور جھگڑالو ہیں۔ہم اپنی ذات پر تنقید تو برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ہم اللہ کے کل کے وعدے کو اہمیت ہی نہیں دیتے۔ہم تو فوری طور پر اپنے عمل کا نتیجہ چاہتے ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں مہلت دیتا رہتا ہے۔مہلت دیئے گئے انسان کو گناہ گار نہ کہو اس کا معاملہ بڑی عدالت میں زیر غور ہے معلوم نہیں کیا فیصلہ صادر ہو؟ معلوم نہیں انسان کب توبہ کرے؟ اور نوازشات اس کا مقدر بن جائیں۔اس لیے ابھی وقت ہے غنیمت ہے توبہ کے ذریعے اپنی بداعمالیوں سے نجات حاصل کرنے کا وقت ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔مسلمانوں کے لیے عزت اور کشادگی کا وعدہ۔ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اسلام سے محبت اور وابستگی قائم رکھیں۔یقین کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔حالات کا بہتر ہو جانا اللہ کا وعدہ ہے پورا ہوگا۔اسلام نے ہمیں صداقت کا درس دیا ہے۔اسی صداقت کے حوالے سے صداقت کائنات یا صداقت ہستی کی پہچان ممکن ہے۔اگر صادق کا حوالہ نہ ہو تو سچ اور جھوٹ کے الفاظ اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔ہم نے سچے دل سے صادق کی بات کو سچ جان کر زندگی کا شعور حاصل کرنا ہے۔صادق تک رسائی ہی اصل صداقت ہے۔صادق مل گیا تو سب صداقتیں مل گئیں۔صادق کے مخالف راستے میں، کذب ہے، جہل ہے، بلکہ ابوجہل ہے۔

صادق کے فرمان میں وضاحتیں طلب کرنے سے سچ میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں-ہمارا صادق الہام بولتا ہے اور ہم ابہام بولتے ہیں۔قرآن کا کلام سچ ہے حق ہے نبی خاتم النبیین علیہ السلام کا فرمان سچ ہے، حق ہے۔تفسیر ان کی وضاحت ہے ممکن ہے سچ نہ ہو۔الہامی کتاب کی تفسیر تو صاحب الہام ہی لکھ سکتا ہے۔سچ کو سچ ہی رہنے دیا جائے اُسے کوئی اور لباس نہ پہنایا جائے۔بہرحال ہم اپنے وعدوں کو پورا کرنے کا عہد کریں تو دین و دنیا دونوں میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔معاشرے سے برائی ختم ہو جائے گی۔

ایک سرکاری ملازم جس کا وعدہ تنخواہ کے عوض کام کرنے کا ہے وہ اپنی محنت یا خدمت کا معاوضہ رشوت کی شکل میں نہیں لے سکتا۔

تنہائیوں میں کئے گئے وعدے جب پورے نہیں کئے جاتے تو عدالتوں میں ان کی تشہیر ہوتی ہے۔ دنیا کے نہ پورے ہونے والے وعدوں کی تشہیر دنیا کی عدالتوں میں اور اللہ تعالیٰ سے پورا نہ کیا گیا وعدہ کی تشہیر ضرور بڑی عدالت میں ہوگی۔ آج خوب سوچ لیں کہ وعدہ کس حد تک پورا کیا جا رہا ہے؟ دنیا کا قانون وعدہ شکنی کی سزا الگ انداز میں دیتا ہے۔ ازدواجی زندگی کا سکون وعدہ خلافی کی وجہ سے برباد ہوتا ہے۔ اور پھر محبت کے رشتے طلاق کی تلوار سے کاٹ دیئے جاتے ہیں، اور یہ سب وعدوں کا پاس نہ رکھنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

کاروباری زندگی میں وعدہ خلافیاں دنیا کی عدالتوں میں اذیت ناک مراحل طے کرتی ہیں تو دنیا کا قانون دنیا کی عدالت کا اپنا انداز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ خلافی کی الگ انداز میں سزا مقرر کر رکھی ہے۔ مناسب یہ ہی ہے کہ انسان وعدہ کرنے سے پہلے غور کرے اور جو وعدہ کر لیا ہے اسے بہر حال پورا کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ اسلام ہمیں صداقت کا درس دیتا ہے اور سب سے زیادہ صادق الوعدہ ہستی حضور خاتم النبیین ﷺ پرنور کی ہے اور اس ہستی کا ہر وعدہ ہمیشہ پورا ہوا ہے۔ اس نے ہی ہمیں یہ یقین کامل دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچ ہیں اللہ کے وعدے پورے ہو کر رہیں گے۔ سورہ الذاریات، آیت نمبر 5 میں فرمان الٰہی ہے:

اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۙ

ترجمہ: ''یقین مانو کہ تم سے جو وعدے کئے جاتے ہیں (سب) سچے ہیں''۔

عجز و نیاز اُس ذات باری تعالیٰ کے لیے اور درود و سلام حضور پرنور خاتم النبیین ﷺ کی صداقت اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے وعدوں کی صداقت پر انسان کو اپنے عہد پورے کرنے کا حکم ہے۔ یہی بڑے نصیب کی بات ہے ہم اپنے موقف پر قائم رہیں اپنے الفاظ کی عزت کریں اور اپنے عہد پورے کریں۔ اگر ہم حق طلب ہیں تو ضرور راستہ ملے گا۔ حقیقت کے متلاشی مایوس نہیں ہوتے۔ پھر زندگی میں ایک وعدہ جو اکثر یاد ہی نہیں ہوتا موت کا ہے۔

سورہ آل عمران، آیت نمبر 185 میں فرمان الٰہی ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

ترجمہ: ''ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے''۔

ہمیں ایک دن موت سے ملنا ہے اور وہ دن کسی دن بھی آ سکتا ہے اور اس دن تمام وعدے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ ہمیں زندگی سے کئے ہوئے وعدے بھی پورے کرنے ہیں اور موت سے کئے گئے وعدے بھی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کی سزا ضرور بھگتے گا۔

دنیا بھر میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے پولیس کا محکمہ قائم کیا جاتا ہے دنیا میں جرائم کی روک تھام اور مجرموں کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کرنا پولیس کی بنیادی ذمے داری ہوتی ہے۔ قانون اور پولیس کی گرفت سے بھاگ نکلنا ہر مجرم کی کوشش ہوتی ہے۔ لیکن ایک دفعہ مجرم کی نشاندہی ہو جائے تو کم ہی مجرم پولیس اور قانون کی گرفت سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ پولیس سرگرمی سے ان کا تعاقب کر کے آخر کار انہیں گرفتار کر لیتی ہے۔ عجیب بات ہے انسانی قانون کی خلاف ورزی کرنے والے جلد یا بدیر پکڑے جاتے ہیں لیکن پروردگار عالم کے قانون کی نافرمانی کرنے والے بدترین مجرم ساری زندگی بھاگتے رہتے ہیں۔ لیکن انہیں پکڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی قوت حرکت میں نہیں آتی۔ قاتل، بدکار، کرپٹ، راشی، ظالم، فریبی، مشرک اور گناہ گار ساری زندگی آزاد رہتے ہیں۔ وہ خالق اور مخلوق کے حقوق تلف کرتے رہتے ہیں مگر فرشتوں کی فوج انہیں پکڑنے کی زحمت نہیں کرتی۔ یہ صورتحال بظاہر بڑی تعجب انگیز لگتی ہے۔ مگر در حقیقت یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

''اللہ تعالیٰ کا مجرم کہیں بھی جائے اور کہیں بھی بھاگے دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی بھاگ رہا ہوتا ہے'' مفہوم (سورہ الرحمن، آیت نمبر 33)

اس کا ہر اٹھتا قدم اور زندگی کا ہر گزرتا لمحہ اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت یعنی موت سے قریب کر رہا ہوتا ہے۔ یہ موت انسان کو دور کی چیز لگتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حساب میں یہ چند سیکنڈ کی مہلت بھی نہیں ہوتی۔ بس مجرم کی مہلت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھنے کے بجائے کم ہو رہی ہوا اور جو مجرم خود چل کر گرفتار ہونے آ رہا ہو۔ اسے پکڑنے کے لیے تگ و دو کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لئے تعجب اس بات پر نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو نہیں پکڑ رہا۔ حیرت ان پر ہونی چاہئے جو اس سخت اور یقینی پکڑ کے باوجود جرائم کئے جا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدے سے بے خبر او نڈر اپنی پکڑ کی طرف ہی بھاگے جا رہے ہیں۔

یہ دنیا ہمارے لیے ایک آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ دنیا اور اس کی ہر آسائش، مال و دولت، اولاد، عزت خوبصورت عورتیں، خوبصورت گھوڑے، خوبصورت محلات انسان کی آزمائش کے لئے رکھے گئے ہیں۔

ہمیں قرآن پاک سورۃ آل عمران، آیت نمبر 14 میں بتایا ہے کہ:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

ترجمہ: ''لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتوں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندے کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے'' -(یعنی آخرت میں ان کے لیے بے شمار انعامات ہیں۔)

ہماری خواہش نفس گناہ کی طرف سے لے جانے والے عوامل میں سب سے بڑا عامل ہے۔ انسان کی تخلیق جس ڈھنگ پر ہوئی ہے اس میں انسان کے اندر بہت سی جبلتیں رکھ دی گئی ہیں۔ مثلاً کھانے پینے، تحفظ اور جنسی تعلق قائم کرنے کی جبلتیں وغیرہ۔ یہ اور ان جیسی دیگر جبلتوں سے انسان کی ضروریات پیدا ہوتی ہیں۔ جبلتوں کے ساتھ انسان کو ذوق جمال عطا کیا گیا ہے۔ وہ ضرورت سے آگے بڑھ کر لذت، خوبصورتی اور کشش جیسے تصوارات سے نہ صرف واقف ہے بلکہ ان کی طرف لپکتا ہے، یہ ضرورت اور جمالیات جب اپنا ظہور کرتی ہیں تو خواہشات جنم لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں چونکہ انسان کو امتحان کے تحت پیدا کیا ہے۔ اس لیے خواہشات کی تسکین کے لئے اسے کھلی چھوٹ نہیں دی ہے بلکہ کچھ پابندیاں عائد کی ہیں لیکن جب انسان اپنی ضروریات اور خواہشات کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے۔ جس کے بعد حلال وحرام، جائز وناجائز اور صحیح وغلط کی بحث اس کے لئے غیر متعلق ہوجاتی ہے۔ اور رب کی نافرمانی انسانی زندگی کا معمول بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے تمام پاکیزہ اشیاء کا کھانا پینا حلال قرار دیا ہے مگر اکثر انسانی معاشروں میں خنزیر کا گوشت اور شراب معمول کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے تعلق کو انسانوں کے لئے جائز قرار دیا ہے مگر بہت سے انسان اس دائرے سے باہر نکل کر زنا کی وادیوں میں اپنی خواہشات کی تسکین تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زیب وزینت کو جائز قرار دیا ہے مگر آج کے انسانی معاشروں میں زیب وزینت اکثر فحاشی، عریانی اور خواتین کی نمائش کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ یہ اور ان جیسی بے شمار مثالیں یہ بتاتی ہیں کہ ضروریات کی تکمیل اور جمالیات کی تسکین کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے جائز قرار دیا ہے۔ مگر انسانوں کی اکثریت ان چیزوں کے پیچھے چلتے چلتے رب کی نافرمانی کی منزل تک جا پہنچتی ہے۔ وہ اپنی تمام خواہشات کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا راستہ چھوڑ کر شیطان کی پیروی کا طریقہ اختیار کرلیتی ہے۔ وہ شیطان جو اللہ تعالیٰ کا مجرم ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کو یہ چیلنج دیا تھا کہ وہ بہت سے انسانوں کو اپنا شکر گزار نہیں پائے گا، بدقسمتی سے شیطان کے اس چیلنج کو انسان خواہشات کی پیروی میں درست ثابت کردیتے ہیں۔

ایسے میں بندہ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کے معاملے میں ہمیشہ یہ یاد رکھے کہ شیطان خواہش کے دروازے سے اس کے دل میں داخل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ وہ خواہش کے اس دروازے پر تقویٰ اور پرہیزگاری کی چوکی قائم کرے۔ وہ ضمیر کے پہرے دار کو اس چوکی پر نگران مقرر کرے اور مسلسل اپنے وعدے کو یاد کرتا رہے۔ وہ مسلسل یہ جائزہ لیتا رہے کہ کہیں خواہش کے دروازے سے ضروریات اور جمالیات کے ساتھ گناہ اور نافرمانی تو اس کے حرم دل میں داخل نہیں ہورہے؟ کہیں اس کی نگاہ اس کی زبان، اس کا پیٹ اور دیگر اعضائے جسمانی حرام کی آماجگاہ تو نہیں بن رہے؟ کبھی ایسا ہو تو اسے چاہیے کہ فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرے اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ توبہ اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرے۔ وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو غفور ورحیم پائے گا۔ ورنہ اس معاملے میں غفلت کا رویہ دل کو سیاہ کردیتا ہے اور انسان خدا کو چھوڑ کر آخر کار خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنالیتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق

سورۃ النساء، آیت نمبر 30

ترجمہ: ''اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ عنقریب اپنے گناہوں کا انجام جہنم کی آگ کی شکل میں بھگت لے گا''۔

ہم اللہ تعالیٰ سے کئے گئے وعدوں کو بھول جاتے ہیں۔ دین کی طرف بلانے والے لوگوں کی باتوں پر بھی توجہ نہیں دیتے۔

اللہ کی طرف بلانے والے ایک بزرگ نے اردگرد نظر کی اپنی تنہائی کو دیکھا اور پھر اللہ سے کہا ''باری تعالیٰ یہاں کسی کو تیری ضرورت نہیں۔ اس دنیا میں آج کل تو لوگوں کو اپنی مشکلات کے حل کے لئے وظیفے چاہئیں، سیاسی تحریکیں برپا کرنے کے لئے لیڈر چاہئیں۔ قوم پرستانہ جذبات بھڑکا کر غیر مسلموں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لئے مقرر چاہئیں۔ اپنی اولادوں کی کامیابی کے لئے دعائیں اور وظیفے چاہئیں۔ تیری طرف بلانے والے ربانی انسان بنانے والے تیرے وعدے یاد دلانے والے جس طرح پہلے تنہا تھے آج بھی تنہا ہیں۔ باری تعالیٰ آج کل لوگوں کے لیے یہ دنیا اور اس کے مسائل اہم ہیں یہ تیرے وعدوں کو بھول چکے ہیں۔ یہ تو دنیا کے لئے روتے اور ہنستے ہیں۔ شادی بیاہ، تنگدستی وبیماری، اولاد اور روزگار گھر اور خاندان ہی ان لوگوں کی جنت ہے۔ تیری جنت کی طرف آنے والا اس کی تڑپ میں جینے والا تیرے وعدوں

کی پاسداری کرنے وعدے کا پاس کرے، کوئی نہیں جو تیری جنت کے وعدے کے لیے آزمائش پر صبر کرے۔ ہاں تیرے نام کی دھوم مچانے والے تیرے نام سے دینا کمانے والے بہت ہیں اور ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ مالک کیا اسی فصل کے لئے تو نے یہ کھیتی اُ گائی تھی؟'' پکارنے والا جب پکار چکا۔تو اس نے آنکھیں کھولیں ارد گرد نظر کی اور دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دنیا میں کھڑا ہے۔''ہیں یہ کیا؟ یہ وہ محفل ہے جہاں کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے۔کتاب زندگی کے ہر ورق اور صفحہ ہستی کی ہر سطح پر خدائے ذوالجلال کی حمد لکھی جارہی ہے۔وقت کے ہر ہر لمحہ میں رب کائنات کی کبریائی کی صدا بلند ہورہی ہے۔اس محفل کا رنگ دیکھ کر اللہ سے گلہ کرنے والا اپنی تنہائی کا غم بھول گیا۔اسے معلوم تھا کہ یہی وہ محفل ہے جو کل فردوس کی ابدی بادشاہی میں بدل جائے گی۔مگر اُس روز اس بادشاہی میں صرف وہی داخل ہوگا۔ جو آج اس محفل میں شامل ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ اگر لوگ نہیں آتے تو کیا ہوا۔ میں نے تو اس راز کو پالیا ہے نا۔ میں تو جینے کے لئے اس محفل کا انتخاب کرلیتا ہوں اس نے قدم اٹھائے اور پھر تیزی سے انسانوں کی دنیا سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی محفل میں داخل ہوگیا۔اس بات سے بے پرواہ کہ کون اس کے پیچھے آرہا ہے اور کون نہیں، مگر وہ اس سے بے خبر رہا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ بہت سے لوگ اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اس دنیا میں بے شمار لوگ ایفائے عہد کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ ہماری زندگی میں بار بار اندھیرے آتے ہیں یہ اندھیرے بے روزگاری، غربت، غم وصدمات وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہو کر انسان کو مایوسی کے غار میں دھکیل دیتے ہیں۔قوموں کی زندگی میں جنگ، قحط، خانہ جنگی، معاشی بدحالی، امن وامان کی خرابی اور سیاسی خلفشار مایوسی کے علاوہ اور کیا دیتے ہیں۔مگر فرد کا معاملہ ہو یا قوم کا، حقیقت یہی ہے کہ یہ اندھیرے غار کے نہیں سرنگ کے اندھیرے ہیں اور وہ سرنگ جس کے دوسرے سرے پر روشنی ہوتی ہے۔**تاہم یہ روشنی صرف اور صرف انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو حوصلہ مندی کا ثبوت دیتے ہیں اور جو اپنے رب کے تمام وعدوں کو سچا جانتے ہیں اور جو جانتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب سے وفاداری کا وعدہ کیا تھا۔** پھر ایسے لوگ ہر مشکل اور ہر اندھیرے میں اپنے لہو سے چراغ جلا کر اپنے راستے کو روشن کرلیتے ہیں اور جو یہ کرتے ہیں اللہ کے وعدے ان کے منتظر ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی دنیا میں کامیابی انہی کا مقدر ہوتی ہے۔بار بار گر کر اٹھنا، مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ پر نظر رکھنا اس کی رحمت اور اس کے وعدوں پر پورا یقین ہونا، اس کے سنبھل کر پلٹنے اور سنبھل کر اٹھنے کا یہ رویہ، یہ عادت، لوٹ آنے کا یہ راستہ، توبہ کا یہ طریقہ، جنتیوں کا طریقہ ہے۔یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جنہوں نے اپنی خواہش، لذت، مفاد اور ضرورت کی مکمل تسکین کے لئے قیامت کے دن تک انتظار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کے وعدوں پر پورا یقین رکھتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ختم نہ ہونے والی دنیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے مزوں میں آباد کردیا جائے گا۔

****

اشرف المخلوقات

قرآن پاک سورہ الاحزاب، آیت نمبر 72 میں فرمان الٰہی ہے:

اِنَّا عَرَضنَا الاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الاَرضِ وَ الجِبَالِ فَاَبَینَ اَن یَّحمِلنَہَا وَ اَشفَقنَ مِنہَا وَ حَمَلَہَا الاِنسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُومًا جَھُولًا

ترجمہ: "ہم نے پیش کی اپنی امانت آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر۔ انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر ہم اس بار امانت کو اٹھائیں گے تو ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بے شک یہ ظالم اور جاہل ہے۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ پھر ظالم اور جاہل کیسے ہے؟

ہر شے اپنے اندر دو وصف رکھتی ہے:

ایک ظاہری وصف اور دوسرا باطنی وصف

مثلاً پانی ظاہری طور پر رقیق اور سیال مادے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی باطنی قوت سٹیم ہے جو بڑی سے بڑی مشین کو معمولی جھٹکے کے ساتھ حرکت میں لے آتی ہے۔

کسی بھی درخت کا کوئی بیج باطنی طور پر اپنے اندر بہت بڑا درخت رکھے ہوئے ہے۔

کوئی بھی پھل اور اس کے اندر خوشبو اور ذائقہ یعنی کائنات میں کوئی وجود اس وصف سے خالی نہیں ہے۔ یعنی ہر موجودہ شے دو اوصاف سے مرکب ہے۔

<u>کوئی انسان جب اپنی ذہنی فکر اور کوششوں سے کسی نئی چیز کو عالم وجود میں لے آتا ہے تو اس کی پہلی اور آخری خواہش یہ ہوتی ہے کہ یہ چیز اس کے تعارف کا سبب بن جائے۔</u> یہ وصف انسان کو اللہ تعالی سے ملا ہے۔

حدیث قدسی:

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ "میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کی تخلیق اس لیے کی کہ میں جانا اور پہچانا جاؤں"۔ (عجلونی، کشف الخفاء، 2: 173، الرقم: 2016)

اس فرمان خداوندی کے تحت ہر چیز کو وجود میں لانے والی ہستی کا منشاء اور مقصد یہ ہے کہ کائنات میں جس قدر مصنوعات ہیں وہ اس کے تعارف کا ذریعہ قرار پائیں۔

<u>رسالت کا اقرار اور قرآن پاک کی تعلیمات ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ انسان اگر اپنے باطنی وصف کے علم کو حاصل کرے تو وہ موجودات کو وجود میں لانے والی ہستی کو پہچان سکتا ہے۔ جب تک انسان اس مقصد کو پورا نہیں کرتا بے شک وہ خسارے اور نقصان میں ہے۔</u>

اب ہم انسان کے باطنی وصف کی تشریح کر کے یہ دیکھتے ہیں کہ باطنی وصف سے کیا مراد ہے؟ اور ہم باطنی وصف کا علم کس طرح اور کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

کسی بھی حقیقت کو پوری طرح اس وقت سمجھا جا سکتا ہے جبکہ اس کی اصل سے واقفیت ہو۔ اور اصل سے واقفیت اس وقت ممکن ہوتی ہے جب ہم اس کی جزئیات کا پورا پورا علم رکھتے ہوں۔

ہم انسان اور اس کے باطنی وصف کی بات کر رہے ہیں۔ ذہن کا یہ تجسس فطری ہے کہ انسان کیا ہے؟ دنیا میں آنے سے پہلے کہاں تھا؟ یہاں پہنچنے تک اسے کن کن منازل سے گزرنا پڑا؟ اور پھر ایک وقت معینہ کے بعد کسی دوسری منزل کی طرف لوٹ جانے پر کیوں مجبور ہے؟

نہ خود پیدائش پر اس کی مرضی کا انحصار تھا اور نہ ہی موت پر کسی قسم کی دسترس رکھتا ہے۔ آخر وہ کونسا نظام ہے جس کی گرفت اتنی مضبوط اور مستحکم ہے کہ کائنات کی ہر شے مقید اور محکوم نظر آتی ہے؟

اس کا حل قرآن پاک کی تعلیم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "کن" یعنی اُس ہستی نے فرمایا "کن" یعنی عالم وجود میں آجا جیسا کہ ہمارے ارادے میں ہے۔" فیکون" پس وہ کائنات وجود ہوگئی۔ اُس کے سوچے سمجھے پروگرام اور منشاء کے مطابق۔ مگر وہ اُس کے ہمارے پروگرام سے بے خبر تھی اور اُس پر حیرانی کا عالم طاری تھا۔ جب اُس نے چاہا کہ اس (کائنات) کی حیرانی ختم ہو جائے تو اُس نے فرمایا "اَلَستُ بِرَبِّکُم" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تمام نے کہا "بَلٰی" کیوں نہیں بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔

عالم موجودات میں جس نے ربانیت اور وحدانیت کا عہد کر کے اپنے مخلوق ہونے کا اعتراف کیا تھا۔ وہی اصل انسان اور انسان کا باطنی وصف ہے یعنی روح۔
اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انسان ازل میں ہی منشاء الٰہی پورا کرنے کا اقرار اور عہد کر چکا ہے اور یہ کہ توحید کا تصور ازل ہی میں انسان کو دے دیا گیا تھا۔ پھر یہ دیکھنے کے لیے کہ انسان اپنے اس عہد کو کہاں تک پورا کرتا ہے اسے مختلف منازل سے گزر کر باطنی وصف کے ساتھ ایک اور ظاہری وصف (جسم) دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا اور ساتھ ہی بے شمار وسائل (مخلوقات) بطور نشانی پھیلا دیے تا کہ انسان اپنے تفکر کے ذریعے اس بات کو سمجھ سکے کہ جب اس کے استعمال کی کوئی چیز (وسائل) اس قانون سے باہر نہیں ہے کہ ہر شے دو اوصاف سے مرکب ہے تو پورا انسان اس قانون سے مستثنیٰ کیسے ہو سکتا ہے؟

اے ہمارے رب----

ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے	سورج کے اجالوں سے، فضاؤں سے، خلا سے
چاند اور ستاروں کی چمک اور ضیاء سے	جنگل کی خاموشی اور پہاڑوں کی انا سے
پر ہول سمندر سے، پراسرار گھٹا سے	بجلی کے چمکنے سے، کڑکنے کی صدا سے
مٹی کے خزانوں سے، اناجوں سے، غذا سے	برسات سے، طوفان سے، پانی سے، ہوا سے

جس طرح درخت کا کوئی بیج اپنے اندر ایک درخت رکھے ہوئے ہے اس طرح انسان کا یہ مادی جسم اپنے اندر موجود باطنی صلاحیتوں کا تابع ہے۔ جنہیں ہم روح کی صفات سے تعبیر کرتے ہیں۔ روح کی حرکت ہی دراصل انسانی حرکات و سکنات کا سبب بنتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ حرکت معطل ہو جائے تو انسان کی کوئی بھی حرکت عمل میں نہیں آئے گی۔
عام مشاہدہ یہ ہے کہ جسم ایک وقت معینہ کے بعد معطل اور بے کار ہو جاتا ہے حالانکہ جسمانی طور پر اس میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس کے ناک کان ویسے ہی ہوتے ہیں۔ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والا ہر فرد جسم کے اس تعطل کو موت کا نام دیتا ہے۔ یعنی یہ کہ جسم کو حرکت دینے والی شے نے جسم سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا ہے یہی وہ باطنی رخ یا انسان کا وہ باطنی وصف ہے جس کو ہم روح کہتے ہیں۔
ان حقائق کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ پیدائش کے بعد انسان کا تعلق تین نظاموں سے ہے:

1- پہلا نظام وہ ہے جہاں اس نے خالق حقیقی کو دیکھ کر اس کی منشاء کو پورا کرنے کا عہد کیا تھا۔
2- دوسرا نظام وہ ہے جس کو ہم عالم ناسوت، دارالعمل یا پھر امتحان گاہ کہتے ہیں۔
3- تیسرا نظام وہ ہے جہاں انسان کو امتحان کی کامیابی یا ناکامی سے باخبر کیا جائے گا۔

جب ہم اپنی زمین، سورج، چاند، کہکشائی نظام اور کائنات کی ساخت پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ سارا نظام ایک قاعدے، اور قانون کے تحت کام کر رہا ہے۔ زمین اپنی مخصوص رفتار سے محوری اور طولانی گردش کر رہی ہے، پانی کا بہنا، بخارات بن کر اڑنا، شدید ٹکراؤ سے اس کے مالیکیولز کا ٹوٹنا اور بجلی کا پیدا ہونا اور ماحول کو منور کرنا، حرارت کا وجود میں آنا یہ سب ایک مقررہ قاعدے اور ضابطے کے تحت ہیں۔
اسی طرح حیوانات، نباتات کی پیدائش اور افزائش اور انسانی دنیا میں پیدائش اور نشوونما کا نظام ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ وہ پیدا ہو کر بڑھتا ہے اور لڑکپن اور جوانی کے زمانوں سے گزر کر بڑھاپے کے دور میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔
غور طلب بات یہ ہے کہ کوئی نہیں چاہتا کہ وہ بوڑھا ہو لیکن بوڑھا ہونے پر مجبور ہے، کوئی موت نہیں چاہتا لیکن ایسی کوئی مثال نہیں کہ آدمی نے موت سے نجات پائی ہو۔
ان تمام باتوں پر گہرے غور و بحث کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس قدر منظم اور مربوط نظام کو چلانے والی کوئی ہستی ہے۔ کوئی اسے بھگوان کہتا ہے، کوئی اسے God کہتا ہے، کسی مذہبی صحیفے میں اسے یزدان کے نام سے پکارا گیا ہے۔ ایل اور ایلیا کے ناموں سے بھی یہ ہستی متعارف ہے۔
نام کچھ بھی ہو بہر حال ہم یہ ماننے اور یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ ایک طاقتور ہستی ہمیں سنبھالے ہوئے ہے اور ساری کائنات پر اسی کی حکمرانی ہے۔ خالق کائنات نے یہ کائنات حق پر پیدا کی ہے۔ ہر شے کو کسی نہ کسی پروگرام کے تحت تخلیق کیا ہے۔ بلا مقصد یا کھیل کے طور پر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انسان کیا ہے؟

عام طور پر انسان کا وجود گوشت پوست اور ہڈیوں سے مرکب جسم ہے۔ جبکہ تمام پیغمبروں نے اور برگزیدہ ہستیوں نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اصل انسان گوشت پوست کا جسم نہیں ہے بلکہ اصل انسان وہ ہے جو اس گوشت پوست کے جسم کے اندر ہے اور وہ ہی اس گوشت پوست کے جسم کو متحرک رکھتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس اصل انسان کو روح کا نام دیا گیا۔ ہے یعنی گوشت پوست کا جسم اصل انسان کا لباس ہے اور اصل انسان روح ہے۔ مادی جسم گوشت پوست کا جسم صرف ایک لباس کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن پاک سورہ الدھر، آیت نمبر 2-1 میں فرمان الٰہی ہیں:

ترجمہ: "یقیناً گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔"

قرآن پاک سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 85 میں اللہ تعالیٰ نے حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) سے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے"۔

امر کی تعریف سورۃ یاسین کی آخری آیات میں اس طرح ہے:

ترجمہ: "اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا (کن) اور وہ ہو جاتی ہے (فیکون)"۔

ان آیات سے فارمولا یہ بنا کے آدمی جسمانی اعتبار سے نا قابل تذکرہ شے ہے۔ اس کے اندر روح ڈال دی گئی تو اسے حواس مل گئے۔ روح اللہ کا امر ہے اور اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو اور وہ ہو جاتی ہے۔

موجودہ سائنس کی دنیا کہکشائی اور شمسی نظاموں سے روشناس ہو چکی ہے۔ کہکشائی اور شمسی زمانوں کی روشنی سے ہماری زمین کا کیا تعلق ہے؟ اور یہ انسان، حیوانات، نباتات اور جمادیات پر کیا اثر کرتی ہے؟ یعنی یہ (لہر) نور یا روشنی کیا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "God said light and there was light" (یعنی اللہ نے کہا روشنی اور روشنی وجود میں آ گئی)

قرآن پاک سورہ نور، آیت نمبر 35 میں فرمان الٰہی ہے:

اللہ نور السموات والارض

ترجمہ: "اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ (لہر) روشنی اور زمین و آسمان کی بساط براہ راست اللہ کی ذات سے (اللہ کے نور سے) قائم ہے۔

اس کا واضح مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ سب دراصل اللہ کے نور (لہر) کا مظاہرہ ہے۔ اس لہر یا نور کو مذہب نے روح کا نام دیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کی حیثیت دوسری مخلوقات کے درمیان کیا ہے؟ اور اگر یہ تمام مخلوقات سے افضل ہے تو کیوں؟

قرآن پاک سورہ الاحزاب، آیت نمبر 72 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: "ہم نے پیش کی اپنی امانت آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر۔ انہوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر ہم نے اس بار امانت کو اٹھا لیا تو ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ انسان نے اس کو اٹھا لیا بے شک یہ ظالم اور جاہل ہے"۔

قرآن پاک کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ تخلیق کائنات کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے سامنے اپنی امانت اور اپنی خصوصی نعمت کو پیش کیا۔ سب نے معذرت کی کہ وہ اس بار امانت کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن انسان اس امانت کا امین بننے پر رضامند ہو گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی نعمت کو قبول کر لیا۔ یہی امانت اسے تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کو ظالم اور جاہل قرار دے رہے ہیں۔ کیا اس نعمت کو قبول کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا یا جہالت تھا؟

آسمانوں، زمین اور پہاڑ کی گفتگو ہمارا ذہن اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ انسان کی طرح آسمانوں، زمین اور زمین کے اندر تمام ذرات، زمین کے تمام تخلیقات

اور پہاڑ شعور رکھتے ہیں۔

جس طرح آدمی کے اندر عقل وشعور کام کرتا ہے اسی طرح یہ تمام چیزیں بھی عقل وشعور رکھتیں ہیں۔ پہاڑوں، آسمانوں اور زمین نے تفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس بار امانت کے متحمل نہیں ہوسکتے -اس طرح وہ ظلم وجہالت کے دائرے سے باہر نکل گئے-

یہ ظلم اور جہالت ہے کیا؟

ایسی زندگی جس میں بصیرت شامل نہ ہو وہ ظلم اور جہالت سے تعبیر کی جاتی ہے-

انسان مٹی سے بنایا گیا ہے انسان نے اللہ تعالی کی اس امانت کو قبول کرلیا- انسان کو اللہ تعالی کی یہ امانت حاصل ہے۔ اگر انسانی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انسان مٹی کے ذرات سے کم عقل اور کوتاہ نظر ہے۔ مٹی کو دیکھیے ایک ہی پانی زمین کی کوکھ میں جذب ہونے کے بعد اتنی تخلیقات میں جلوہ گر ہوتا ہے کہ ان کا کوئی شمار نہیں ۔لگتا ہے زمین کے بطن میں بے شمار سانچے نصب ہیں جس سانچے میں پانی ٹھہر جاتا ہے وہاں نیا روپ اختیار کرلیتا ہے۔ کہیں کیلا بن جاتا ہے، کہیں سیب، کہیں انگور، کہیں پھول-

انسان اور زمین کا تجزیہ کیا جائے تو ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین انسان سے زیادہ باصلاحیت ہے-لیکن اس کے باوجود اللہ تعالی کے ارشاد کے مطابق انسان اشرف المخلوقات ہے-

بصیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم تلاش کریں کہ اشرف المخلوقات ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور انسان ظالم اور جاہل کیسے ہے؟

پیدائش، بھوک، پیاس، خواہشات، شعور چاہے جسمانی ہوں یا جنسی- انسان ان چیزوں میں دوسری مخلوقات کے برابر ہے۔

البتہ مظاہراتی زندگی سے ہٹ کر اس درجے پر فائز ہے جو آسمانوں، پہاڑوں اور زمین کو حاصل نہیں- یعنی وہ اللہ تعالی کا امین ہے۔ **کوئی انسان اگر اس امانت سے واقفیت رکھتا ہے تو وہ اشرف المخلوقات ہے۔ بصورت دیگر آدم زاد اور دوسری مخلوقات میں کوئی فرق نہیں۔**

انسان میں سمجھ، عقل، فہم، تدبر اور تفکر کرنے کی صلاحیت ہے- **اللہ تعالی کی خصوصی نعمت حاصل ہونے کے باوجود اس نعمت سے بے خبر رہنا یا بے خبر ہونا سراسر ظلم اور جہل ہے۔ اس جہل سے کیسے نکلیں؟**

اللہ تعالی کے عطا کردہ اس خصوصی انعام سے مستفید ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمیں اپنی ذات کا عرفان حاصل ہو۔ تصوف میں اس علم کو خود آگاہی کا نام دیا گیا ہے۔ خود آگاہی کے بعد انسان کے اوپر علوم کے جو دروازے کھل جاتے ہیں- ان سے گزر کر اللہ تعالی کے ساتھ بندے کا رشتہ مستحکم ہوجاتا ہے۔ اور پھر وہ اس امانت سے واقف ہوجاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس کو ودیعت فرمائی ہے۔ **اللہ تعالی کی پیش کردہ اس امانت سے واقف ہونا ہی انسان کو اشرف المخلوقات کے رتبے پر فائز کرتا ہے۔ اور اگر وہ اس امانت سے واقف نہیں ہے تو بیشک وہ ظالم اور جاہل ہے۔**

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس امانت سے جس کو بار امانت کہا جاتا کا مطلب کیا ہے؟

امانت سے مراد:

امانت سے مراد صلاحیت، سکت، ذہنی استعداد، روح کی طاقت اور قوت پرواز ہے۔ ایسی قوت پرواز کہ جب انسان اس قوت پرواز سے واقف ہوجاتا ہے تو آسمانوں سے گزر کر عرش سے بھی اوپر نکل جاتا ہے۔

انسان نے بلا سوچے سمجھے وہ صلاحیت تو قبول کرلی لیکن کبھی سوچا ہی نہیں کہ کائنات میں وہ اللہ تعالی کی واحد مخلوق ہے جو اس کی امین ہے۔ مگر اس امین مخلوق کی حالت یہ ہے کہ وہ فانی دنیا کی کیچڑ میں تولت پت ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کا ذہن کبھی اس امانت کی طرف نہیں جاتا۔ انسان سونا، چاندی اور بیوی بچوں کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ **جب کہ اس کی زندگی کی اصل تو وہ امانت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی اور کائنات میں کسی دوسری مخلوق کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔**

ہماری اس دنیا کی طرح بے شمار دنیا کے عالم ہیں۔ ان تمام عالم میں بھی انسان ہی امین ہے۔ انسان کی فضیلت کا شرف اس بنا پر نہیں ہے کہ انسان کے اندر تھوڑی سی عقل زیادہ ہے بلکہ **انسان کا شرف یہ ہے کہ اس کے اندر ایسی صلاحیت موجود ہے کہ وہ زمین وآسمان کے کناروں سے باہر نکل کر اللہ تعالی کے حضور سجدہ کرسکتا ہے۔**

انسان کے گوشت پوست کی حیثیت اس وقت تک ہے جب تک اس کے اندر روح موجود ہے۔ روح کا دوسرا نام نور ہے۔ روح کو نور کے علاوہ دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔

آدمی کے محدود طرز فکر(صرف دنیا کی فکر)، دنیا کی محبت، حرص، لالچ اور سونے چاندی کے سکوں کے عشق نے اس نور کے اوپر غلاف ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالی نے تو اس کے لئے سب کچھ تیار کر کے اسے دے دیا لیکن آدمی نے اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے گہرے اندھیرے کی چادر اوڑھ کر خود کو کثافت سے بھر لیا ہے۔

اے انسان---

تو کوئی انجان سا پتھر بھی نہیں ہے   تو کوئی فرشتہ یا پیمبر بھی نہیں ہے

تو علم کا چشمہ یا سمندر بھی نہیں ہے   پر رب کی نگاہوں میں تو کمتر بھی نہیں ہے

جو کچھ بھی ہے تو اپنی حدوں کو پہچان   رحمان کی پکڑ سے تو باہر بھی نہیں ہے

دنیا نہ بسا دل میں کہ دنیا کی حقیقت   مچھر کے کسی پر کے برابر بھی نہیں ہے

انسان کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنی ذات اور اس وصف کا عرفان حاصل کرے (تلاش کرے) جس نے اللہ تعالی کے روبرو اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اللہ تعالی کی منشا کو پورا کر کے اللہ تعالی کا عرفان حاصل کرے گا۔ رسالت و نبوت اس تعلیم کو تصوف یا طریقت کا نام دے کر ہمارے سامنے ان الفاظ میں پیش کرتی ہے "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا پس تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا"۔ (بحار الانوار، ج2، ص32)

یعنی اس مقصد حقیقی کو وہی پا سکتا ہے جو اپنی ذات کے باطنی رخ یا روح کا عرفان رکھتا ہو۔ جو اللہ تعالی کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو یاد رکھے۔ اسی یاددہانی کی تکمیل کے لئے اللہ تعالی نے ہر زمانے میں انبیاء اور رسولوں کو صحائف اور کتابوں کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ **<u>بارگاہ الٰہی میں تعمیل حکم کی قدر کی جاتی ہے اور تعمیل حکم ہی اصل عبادت ہے۔</u>**

حضرت منصور فرماتے تھے کہ "فقر کے معنی یہ ہیں کہ فقیر ماسویٰ اللہ سے بے نیاز ہو جائے اور مخلوق سے قطعاً کوئی تعلق نہ رکھے"۔ (یعنی دنیا میں رہ اور دنیا میں نہ رہ) ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے سوال کیا "حضرت یہ فرمائیے کہ دعا افضل ہے یا عبادت؟" فرمایا "ان دونوں کا ہی کوئی مقام نہیں۔ عبادت اور دعا کا ہاتھ دامن مراد سے آگے نہیں بڑھتا اور راہ حق (سلوک کی راہ) میں سفر کرنے والے کے لیے یہ شرک ہے۔ اللہ تعالی کو اس لیے یاد کرنا کہ اس میں اللہ تعالی کی ذات کے علاوہ کوئی اور مقصد ہو تو سلوک کے مذہب میں یہ کفر ہے"۔ (راہ حق کے سفر میں)

حضرت منصور حلاج "عاشق الٰہی" تھے۔ ہر وقت سوز و فراق میں مست و بے قرار رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس ان کی مجلس میں تشریف لائے اور حضرت جنید بغدادیؒ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا "منصور تم بہت جلد قتل کر دیئے جاؤ گے"۔ جواب میں حضرت منصور حلاجؒ نے کہا "ہاں میں اس وقت اور اس دن قتل کیا جاؤں گا جس دن آپؒ اپنی مسند سے اتر کر اہل ظاہر کا لباس پہن لیں گے"۔

چنانچہ جب منصور حلاجؒ نے "اناالحق" (یعنی میں ہی اللہ ہوں) کا نعرہ لگایا تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ تمام علماء ظاہر نے قتل کے فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ وقت نے حضرت جنید بغدادیؒ سے اس بات پر اصرار کیا کہ آپ کو ہر حال میں فتویٰ پر دستخط کرنا ہوں گے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے خانقاہ کی سکونت ترک کر کے علمائے حق (صوفیوں) کا لباس اتار دیا اور مدرسہ میں جا کر علماء ظاہر کا لباس پہن لیا اور فتوی پر لکھ دیا "ہم لوگ ظاہر پر حکم کرتے ہیں" اور حضرت منصور حلاجؒ سولی پر چڑھا دیئے گئے۔

اس طرز فکر کے بندوں کے لئے اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حدیث قدسی:

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے فرمایا: ''جو شخص میرے کسی پسندیدہ شخص سے دشمنی رکھے تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے، اور میرا بندہ جن جن عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے وہ عبادت مجھے بہت محبوب ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے عطا کر دیتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دے دیتا ہوں، میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے کرنے میں مجھے کبھی

اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کسی مومن کی جان قبض کرتے وقت تردد ہوتا ہے وہ موت کو ناگوار جانتا ہے اور میں اس کی ایذا کو ناگوار جانتا ہوں، حالانکہ وہ (موت) تو اسے ضرور آنی ہے"۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 6502-مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر 2266)

حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے:

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَه‘ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّه"

ترجمہ:"جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا پس تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا"۔(بحارالانوار، ج2،ص32)

<u>اپنا عرفان رکھنے والا شخص ہی خالق کائنات کا عرفان حاصل کرسکتا ہے اور وہی اشرف المخلوقات کہلائے جانے کا مستحق ہے-ورنہ انسان جاہل اور ظالم ہے کہ اس نے بار امانت کو تو اٹھالیا لیکن اس کی قدر نہ کی۔</u>

اس کی قدر کیسے کی جائے؟

انسان کا اصل رخ یہ ہے کہ وہ اللہ کے قریب ہے لیکن وہ ہمیشہ نقلی رخ (دنیا) کو اہمیت دیتا ہے۔اصل رخ (روح) کو اس نے کبھی اہمیت نہیں دی۔

روحانیت ہمارے اوپر یہ دروازہ کھولتی ہے کے <u>ہر آدمی اپنے باطنی وجود میں اللہ کا دوست ہے۔ ہر انسان کا باطن روح ہے اور روح اللہ کی دوست ہے۔</u>

جب سے انسان نے اپنے باطن سے نظریں چرائی ہیں اللہ کا دشمن بن گیا ہے اور یہ دشمنی ہی بے سکونی ہے، پریشانی اور اضطراب ہے۔ یہ کیسا ظلم ہے؟ یہ کیسا ستم ہے؟ یہ کس قسم کی ناشکری اور کفران نعمت ہے کہ ہر آدمی کے اندر سکون کی نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان نہروں کی طرف نہیں دیکھتا، جب بھی دیکھتا ہے باہر دیکھتا ہے۔اس دنیا کو دیکھتا ہے پھر کہتا ہے کہ بہت پریشان ہوں اور پریشانی سے بچنا بھی چاہتا ہے۔ یہ کیسی حماقت ہے کہ رب ہمارے اندر ہے اور ہمارا ذہن اس طرف نہیں جاتا-ہم کہتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں جبکہ تمام تر دعائیں ہم اس ظاہری دنیا کی کامیابی کے لئے ہی مانگتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے اپنے قریب نور کا ایک ہیولہ نظر آیا۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ یہ ایک فرشتہ ہے-فرشتے نے اس شخص سے کہا" تم مانگو تمہیں اللہ تعالی سے کیا کچھ چاہیے؟ میں تمہارا پیغام اللہ تعالی کو پہنچا دوں گا"۔اس شخص نے جواب دیا" مجھے دنیا کی فلاں چیز چاہیے، مجھے فلاں چیز چاہیے، مجھے فلاں چیز چاہیے"۔ابھی وہ شخص اپنی دنیا کی خواہشات کی فہرست بتا ہی رہا تھا کہ فرشتے نے اسے ٹوک دیا اور کہا" بس بس میں سمجھ گیا کہ تمہیں اللہ تعالی سے کیا چاہیے"؟؟ اس شخص نے کہا" میں نے تو ابھی اپنی تمام خواہشات کو بتایا ہی نہیں پھر تمہیں کیسے پتا چل گیا"؟؟ فرشتے نے جواب دیا" مجھے پتہ چل گیا ہے میں اللہ عزوجل کے پاس جاؤں گا اور کہوں گا کہ اس شخص کو تیری ذات کے سوا دنیا کی ہر چیز چاہیے"۔

<u>اس لئے اگر ہم صرف دنیا کے خواہش مند ہیں اور اپنے اندر کے انسان کو (یعنی روح) دیکھنے کی توجہ نہیں دیتے تو پھر ہم حیوان ہیں، ظالم اور جاہل ہیں۔</u> <u>پیغمبروں</u> نے ہمیں اس بات کا شعور دیا ہے کہ ہم اپنی عقل وفکر کو استعمال کر کے اپنے آپ کو حیوانات سے کسی طرح ممتاز کر سکتے ہیں۔اس کا طریقہ کار ہمیں رسول پاک خاتم النبیین (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غار حرا کی زندگی سے سمجھا دیا ہے۔ ہمیں عمل سے بتا دیا-آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں زندگی گزار کر دکھا گئے اور بتا گئے کہ یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے-ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے پیغمبر حضرت محمد خاتم النبیین (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نقش قدم پر چل کر ایسا طریقہ اختیار کریں۔جس سے ہمارے اندر یہ بات مشاہدہ بن جائے کہ انسان کی صلاحیتیں محدود نہیں ہیں۔یعنی کوئی انسان اگر چاہے تو ٹائم اور سپیس کی گرفت سے آزاد ہوسکتا ہے اور اپنے رب کا عرفان حاصل کرسکتا ہے۔

<u>شریعت میں</u> اس کا بنیادی طریقہ یہ ہے کہ ہر طرف سے توجہ ہٹا کر پوری یکسوئی سے ایک مرکز پر خود کو متوجہ کر لیا جائے بس یہی CONCENTRATION آدمی کو اصل انسان سے متعارف کرا دیتی ہے۔**<u>تصوف میں</u>** اس کا نام مراقبہ ہے۔اس کو سمجھنے کے لئے نظر کے قانون کو بیان کرنا ضروری ہے۔اور وہ یہ کہ:

<u>نظر کا قانون کیا ہے؟</u>

بظاہر یہ ایک مشکل سا جملہ لگتا ہے لیکن یہ کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہے بس سمجھنے کی ضرورت ہے۔

آدمی دوطرح دیکھتا ہے:

1- ایک براہ راست 2- دوسرا بالواسطہ

(1) براہ راست دیکھنا یہ ہے کہ ہماری نظر کسی چیز کے مادی خول سے ٹکرائے بغیر اس کی حقیقت کا مشاہدہ کرے۔

(2) بالواسطہ دیکھنا یہ ہے کہ ہماری نظر کسی چیز کے مادی خول سے ٹکرا کر رک جائے اور ہم اس کا مشاہدہ کرلیں۔

غیب کی دنیا کا مشاہدہ کرنے کے لئے براہ راست نظر کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

ہر انسان پیدائش سے موت تک دو کیفیات میں سفر کرتا ہے ایک کیفیت کا نام بیداری ہے اور دوسری کیفیت کا نام نیند یا خواب ہے۔

CONCENTRATION میں انسان پر وہ حالتیں طاری ہوجاتی ہیں جن میں وہ سوجاتا ہے یا خواب دیکھتا ہے۔یعنی وہ ٹائم اور سپیس کی گرفت سے آزاد ہوجاتا ہے۔ **قرآن پاک کی اصطلاح "صلوٰۃ قائم کرو" ہمیں اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ ہم نماز میں ذہنی مرکزیت حاصل کر کے اصل انسان سے واقف ہو جائیں"۔ صلوۃ" کے ساتھ قائم کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں ذہنی مرکزیت (CONCENTRATION) اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوجائے۔اس کے برعکس اگر نماز میں ذہنی مرکزیت قائم نہ ہو (تو تصوف کی اصطلاح میں) وہ نماز نہیں ہے۔**

قرآن پاک سورہ ماعون، آیت نمبر 5-4 میں فرمان الہی ہے:

ترجمہ: "ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں"۔

ایک اور جگہ قرآن پاک سورہ مومنون، آیت نمبر 1 میں فرمان الہی ہے:

ترجمہ:۔ "فلاح پائی ان مومنون نے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں"۔

قیام ،صلوۃ اور نماز میں خشوع اور خضوع حاصل کرنے کے لئے (Concentration) ضروری ہے اور اس مقصد کی پریکٹس (Concentration) کے لیے مراقبہ بہترین چیز ہے۔جب کوئی انسان concentration یا مراقبہ سے گہرائی میں اتر جاتا ہے تو اس گہرائی میں اسے نیا باطنی وجود نظر آتا ہے۔پھر اللہ تعالی کی ذات کا احساس ہوتا ہے- اللہ تعالی فرماتا ہے:

ترجمہ: "جہاں تم ایک ہو وہاں میں دوسرا ہوں اور جہاں تم دو ہو وہاں میں تیسرا ہو"۔

یعنی اللہ تعالی ہر چیز پر عیاں ہے۔ اللہ تعالی تو انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔اللہ تو انسان کے اندر ہے کیوں کہ انسان کے اندر روح ہے۔

قرآن پاک سورہ الدھر، آیت نمبر 2-1 میں فرمان الہی ہے:

ترجمہ: "یقیناً گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔"

قرآن پاک سورہ الاحزاب، آیت نمبر 72 میں فرمان الہی ہے:

ترجمہ: "ہم نے پیش کی اپنی امانت آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر۔انہوں نے انکار کردیا اور کہا کہ اگر ہم اس بار امانت کو اٹھائیں گے تو ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بے شک یہ ظالم اور جاہل ہے۔"

اب ہمیں باخوبی اندازہ ہوجانا چاہیئے کہ کس نے رب کی ذات کا عرفان حاصل کرلیا (یہ عرفان حاصل کرنے کی صلاحیت اللہ نے ہر انسان کو دی ہے) اور کون دنیا کی زندگی میں کھو کر ظالم اور جاہل رہ گیا؟؟؟

اے خاک کے پتلے تجھے ادراک نہیں ہے
کچھ اور بھی ہے تجھ میں فقط خاک نہیں ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہدایت

اللہ تعالی کے خزانوں میں سب سے قیمتی چیز ہدایت ہے-

ہدایت کے معنی: لغت میں ہدایت کے معنی دلالت کرنا اور رہنمائی کرنا ہے-

ہدایت کے قسمیں: ہدایت کی دو قسمیں ہیں- ۱) راستہ دکھانا ۲) منزل مقصود تک پہنچانا--- یعنی تشریعی اور تکوینی ہدایت

آسان لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ:- ہدایت کے معنی کسی شخص کو مہربانی کے ساتھ راہنمائی کرتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچانا ہے-

حقیقی ہدایت: ہدایت کرنا حقیقی معنی میں صرف اور صرف اللہ تعالی کا فعل ہے۔ جس کے تین درجات ہیں-

پہلا درجہ: یہ درجہ ہدایت کا عام ہے جو کائنات کی تمام مخلوقات کی تمام اقسام، جمادیات، نباتات، حیوانات وغیرہ کو حاصل ہے۔

اس ہدایت کا ذکر قرآن پاک سورہ طہ، آیت نمبر 50 میں ہے: قَالَ رَبُّنَا الَّذِی اَعطٰی کُلَّ شَیءٍ خَلقَهٗ ثُمَّ هَدٰی

ترجمہ: "(حضرت موسیؑ) نے فرمایا: ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو خلقت عطا کی اور پھر اس خلقت کو مناسب ہدایت دی" -سورج، چاند، ستارے، جانور وغیرہ-

دوسرا درجہ: ہدایت کا یہ درجہ پہلے درجے کے مقابلے میں خاص ہے- یعنی یہ صرف ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ذوی العقول (پورا فہم اور عقل والی مخلوق) عقل اور شعور والی ہیں یعنی انسان اور جن -- یہ ہدایت انبیاء کرام علیہ السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے ہر انسان کو پہنچتی ہے پھر کوئی تو اس ہدایت کو قبول کر کے مومن (اللہ کی ماننے والا) ہوجاتا ہے اور کوئی انکار کر کے منکر یعنی کافر ہوجاتا ہے۔ جو اللہ کو مان کر اللہ کی ماننے لگتے ہیں وہ صحائف یا اس وقت موجود الہامی کتابوں کو سمجھ کر اللہ کے احکامات پر عمل کرتے اور نبیوں کی پیروی کرتے ہیں-

تیسرا درجہ: یہ دوسرے درجے سے بھی زیادہ خاص ہے جو صرف مومنین متقین کے ساتھ مخصوص ہے اس ہدایت کا دوسرا نام توفیق ہے--- یعنی ایسے اسباب وحالات پیدا کردینا کہ قرانی ہدایات کا قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہوجائے۔ اور انکی خلاف ورزی دشوار ہوجائے۔

اس درجے کی وسعت غیر محدود اور درجات غیر متناہی ہیں۔ یہی درجہ انسان کی ترقی کا میدان ہے--

قران پاک کی متعدد آیات میں اس زیادتی کا ذکر ہے مثلاً

قرآن پاک، سورہ محمد، آیت نمبر 17 میں فرمان الہی ہے: وَ الَّذِینَ اهتَدَوا زَادَهُم هُدًی وَّ اٰتٰهُم تَقوٰهُم

ترجمہ: "اور جن لوگوں نے ہدایت پالی ہے (دوسرے درجے کی ہدایت- مسلمان ہو گئے ہیں)، اللہ ان کی ہدایت کو اور زیادہ فرما دیتا ہے اور انہیں ان کے مقامِ تقوٰی سے سرفراز فرماتا ہے"-

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہدایت تقوی سے پہلے کی چیز ہے- ہدایت ملی، مسلمان ہوئے- ارکان اسلام پر ایمان لائے (رسولوں کی وساطت سے) مومن ہو گئے- ان چیزوں پر عمل کرنے سے تیسرا درجہ حاصل ہوا اور اس تیسرے درجے کی کوئی انتہا نہیں-

قرآن پاک، سورہ العنکبوت، آیت نمبر 69 میں فرمان الہی ہے: وَ الَّذِینَ جَاهَدُوا فِینَا لَنَهدِیَنَّهُم سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ المُحسِنِینَ

ترجمہ: "اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد (اور مجاہدہ) کرتے ہیں تو ہم یقیناً انہیں اپنی (طرف سَیر اور وصول کی) راہیں دکھا دیتے ہیں، اور بیشک اللہ صاحبانِ احسان کو اپنی معیّت سے نوازتا ہے"-

یہی وہ میدان ہے جہاں بڑے بڑے رسول اور ولی اللہ آخیری وقت تک ہدایت اور توفیق کی زیادتی کے طالب نظر آتے ہیں۔

ہدایت کی اس تشریح سے ثابت ہوگیا کہ ہدایت ایسی چیز ہے جو سب کو حاصل ہے اور اس کے مزید درجات عالیہ حاصل کرنے سے کسی بڑے سے بڑے انسان کو بھی استغناء حاصل نہیں۔۔ اسی لئے سورہ فاتحہ کی دعا ہدایت قرار دی گئی ہے۔

ہدایت کی اس تشریح سے فہم قران میں بہت سے فوائد حاصل ہو گئے ہیں۔

1- **اول فائدہ :** اول یہ کہ قران میں کہیں تو ہدایت کو ہر مومن و کافر بلکہ تمام مخلوقات کے لئے عام فرمایا گیا ہے۔ اور کہیں اس کو محض متقین کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اب اس میں ناواقف شخص کو تعارض کا شبہ ہو سکتا ہے۔

ہدایت کی اس تشریح کو سمجھنے سے یہ الجھن خود بخود دور ہو جاتی ہے کہ پہلا درجہ میں سب شامل ہیں اور دوسرا درجہ مخصوص ہے۔

2- **دوسرا فائدہ :** دوسرا فائدہ یہ کہ قرآن میں ایک طرف تو جگہ جگہ یہ ارشاد ہے کہ اللہ ظالمین یا فاسقین کو ہدایت نہیں فرماتے اور دوسری طرف یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت فرماتے ہیں۔

اس کا جواب بھی ہدایت کے درجات کی تشریح سے واضح ہو گیا کہ ہدایت عامہ سب کو حاصل ہے۔۔ اور یہ کہ ہدایت کا تیسرا درجہ ظالمین اور فاسقین کو نصیب نہیں ہوتا۔

3- **تیسرا فائدہ :** یہ ہے کہ ہدایت کے تینوں درجات میں سے پہلا اور تیسرا درجہ یعنی <u>ہدایت عامہ</u> اور <u>ہدایت متقین</u> بلا واسطہ اللہ کا فعل ہے۔۔ اس میں کسی نبی یا رسول کا دخل نہیں۔ نبیوں کا کام ہدایت کے دوسرے درجے سے متعلق ہے یعنی انسانوں اور جنات کو آسمانی کتابوں کے ذریعے پیغام پہنچانا اور اللہ کا پیغام عام کرنا۔ قران پاک میں جہاں کہیں بھی انبیاء کرام علیہ السلام کو ہادی قرار دیا گیا ہے وہ اس دوسرے درجے کے اعتبار سے ہے۔

قرآن پاک، سورہ القصص، آیت نمبر 56 میں فرمان الٰہی ہے:　　اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ

ترجمہ: "آپ (خاتم النبیین ﷺ) جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہ ہی خوب آگاہ ہے"۔

تو اس سے ہدایت کا تیسرا درجہ مراد ہے یعنی توفیق دینا آپ (خاتم النبیین ﷺ) کا کام نہیں ہے۔

اب دیکھیے:

1- <u>ہدایت عامہ</u> میں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو ہدایت دی۔ ہر مخلوق اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق اطاعت پر راضی ہو گئی۔

2- <u>دوسری ہدایت</u> انسان اور جنات کو کی گئی اور اس کے لئے باری تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ، کتابوں اور صحائف کا ایک سلسلہ قائم کیا تاکہ یہ ہدایت سب تک پہنچ جائے۔ روز محشر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے تو کچھ معلوم ہی نہ تھا مجھے تو کچھ پتہ ہی نہ چلا۔ دوسری ہدایت میں انبیاء کرامؑ نے توحید اور رسالت کے بارے میں لوگوں کو آگاہی دی۔ واحد معبود کے بارے میں بتایا، انبیاء کرامؑ اور ملائکہ، صحائف اور کتب، مرنے کے بعد جی اٹھنے نیز اچھی اور بری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

اب لوگ مسلمان ہو گئے اور تمام چیزوں کو جان گئے جو انبیاء کرامؑ نے انہیں بتائیں۔

تیسرے مرحلے میں متقین کی ہدایت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور اس مرحلے میں درجات عطا کئے جاتے ہیں اور ایک مومن اپنی زندگی کے آخری سانس تک اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور زیادہ سے زیادہ نیکی کمانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو صحائف اور کتب کے ذریعے ہدایت کی راہ سے آگاہ کر دیا اور انبیاء کرامؑ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے رسالت کے اس فریضے کو ادا کیا۔ ہم آخری امت ہیں اور ہمارے نبی (خاتم النبیین ﷺ) خاتم الانبیاء ہیں۔ ہمارے پاس اللہ کی آخری کتاب راہ ہدایت کی صورت میں موجود ہے۔ اس میں سورۃ فاتحہ ہمارے پاس دعائے ہدایت ہے۔ **نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) ہمارے لئے نعمت عظمیٰ ہیں۔ ان کی لائی ہوئی کتاب ہمارے لئے نعمت عظمیٰ ہے۔** ویسے تو دنیا کی ہر چیز خود ہمارا وجود ہمارے اعضائے بدن ہمارے لئے کسی نعمت سے کم نہیں۔

لیکن اصل چیز اور سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ جن چیزوں کو ہم نعمتیں سمجھتے ہیں ان میں سے کوئی شے بھی نعمت نہیں ہے۔ جب تک کہ نعمت ہدایت ساتھ نہ ہو۔ نعمت عظمہ حاصل ہے ہدایت نہیں ہے کچھ حاصل نہ ہوا۔ پھر اس کے بعد فیصلہ کن بات یہ ہے کہ اگر ہدایت اللہ نے دی ہے تو اسے سنبھال کر رکھنا ہے۔ اگر اللہ نے ہمیں دولت دی ہے اور ہدایت نہیں دی تو یہ دولت عیاشی اور طرح طرح کے برے راستے اختیار کروائے گی۔ غلط حرکتوں میں مبتلا کرے گی۔ اسراف کے راستے دکھائے گی۔ اگر اللہ نے ہمیں صحت دی ہے اور ہدایت نہیں دی تو ہم اپنی صحت کی اس قوت کو غلط کاموں میں استعمال کریں گے۔ اگر اللہ نے ہمیں اولاد دی ہے اور ہدایت نہیں دی تو ہم اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہ کر سکیں گے اور مسئول (پوچھا جائے گا) ہو جائیں گے کہ اولاد کی صحیح تربیت کیوں نہ کی؟؟

تو ہدایت کے بغیر کوئی نعمت بھی نعمت نہیں ہے ہاں ہدایت سے جڑ کر جو چیز آئے وہ نعمت ہے۔

"الھدیٰ" (ہدایت کا منبع) قرآن ہے۔ تو عظیم ترین نعمت قرآن ہے۔ "خیرِ اعظم" قرآن ہے۔ جو قرآن کی بنیاد پر کوئی بات کرے اس نے سچ کہا۔ جو قرآن کی بنیاد پر عمل کرے اس کا اجر محفوظ ہے۔ جس نے قرآن سے کوئی فیصلہ کیا اس نے قرآن پر عمل کیا۔ جو اس قرآن کی طرف بلائے اس نے ہدایت پا لی۔۔۔ اس کی ہدایت ہوگئی۔ پھر جو قرآن کے ساتھ جڑ گیا وہ اللہ تعالی کے ساتھ جڑ گیا۔

تو اصل شے جو فیصلہ کن ہے وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ انسان کو اگر اللہ نے ہدایت دی ہے تو اس ہدایت کو مضبوطی سے تھام لے۔ وہ ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

قرآن راہ ہدایت ہے۔ حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "قرآن کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے جب تک مالک اسے باندھ کر دیکھ بھال کرتا رہے گا تب تک وہ قبضہ میں رہے گا، اور جب اس کی رسی کھول دے گا تو وہ بھاگ جائے گا "۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 3783)

ایسے ہی ہدایت ہے۔۔۔ ہدایت ایسی چیز نہیں ہے کہ بس جیب میں آگئی تو آگئی۔ یہ سب سے قیمتی شے ہے۔ یہ ہماری پونجی ہے اور جہاں پونجی ہوتی ہے وہیں چوری اور ڈاکے کا خوف ہوتا ہے۔ تو ہدایت کی پونجی کے چوری ہونے اور ڈاکہ کا زیادہ خوف ہونا چاہیے۔ ہمیں ہر حال میں اس پونجی کی حفاظت کرنی ہے، ہر طرف سے خطرہ ہوگا۔ ہر طرف سے اس ہدایت کی پونجی کے لیے خطرہ ہوگا۔ اس پر حملہ کا خوف دل میں رہے۔ حملہ ہونا ہی ہونا ہے اگر حملہ نہیں ہو رہا ہے تو ہدایت نہیں ہے۔ والدین، دوست، احباب رشتہ دار، اولاد کی محبت کا حملہ، ازواج کی محبت کا حملہ، مال کی محبت کا حملہ، دنیا کی محبت کا حملہ، حملے ہی حملے۔۔۔ رکاوٹیں ہی رکاوٹیں۔۔ اللہ کی راہ سے ہٹانے کی کوشش ہوگی۔

قرآن پاک سورہ الانفال، آیت نمبر 28 میں فرمان الٰہی ہے:-

وَاعلَمُوا اَنَّمَا اَموَالُکُم وَاَولَادُکُم فِتنَۃٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ عِندَہٗ اَجرٌ عَظِیمٌ

ترجمہ: "اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو بس فتنہ ہیں (آزمائش ہیں) اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے"۔

قرآن پاک سورہ تغابن، آیت نمبر 14 میں فرمان الٰہی ہے:-

یٰاَیُّہَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اِنَّ مِن اَزوَاجِکُم وَاَولَادِکُم عَدُوًّا لَّکُم فَاحذَرُوھُم وَاِن تَعفُوا وَتَصفَحُوا وَتَغفِرُوا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ

ترجمہ: "اے ایمان والو! بیشک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں پس اُن سے ہوشیار رہو۔ اور اگر تم صرفِ نظر کرلو (روگردانی کرلو) اور درگزر کرو اور معاف کردو تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے"۔

تو گھر، والدین، دوست، احباب، ازواج، مال اور اولاد بڑی ہی خوبصورتی سے ہمیں ہدایت سے ہٹانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ہمیں ان کو چھوڑنا نہیں ہے۔۔۔ ان سے کنارہ کشی نہیں کرنی۔۔۔ ان میں ہی رہنا ہے۔ لیکن ان میں نہیں رہنا۔ ان سب کو اپنی اپنی جگہ خوبصورتی اور احسن انداز میں ساتھ رکھنا ہے، لیکن راہ ہدایت کے ساتھ۔ اونٹ کو باندھ کر رکھنا ہے۔ یہ ہمارے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھنا ہے۔ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے۔ جو اس کو مضبوطی سے پکڑے گا وہ اس کو پکڑ کر اوپر اللہ تعالی تک پہنچ جائے گا۔ یہ مضبوط رسی ہے یہ ٹوٹ نہیں سکتی لیکن یہ چھوٹ سکتی ہے۔ تو اللہ کی اس رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھنا ہے۔ ہدایت کو حملوں سے بچانا ہے۔ اس کے لئے مسلسل کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک ہی دفعہ جیب میں ڈالنے کی چیز نہیں ہے کہ محفوظ ہوگئی۔ مسلسل کوشش، مسلسل احتیاط، مسلسل جدو جہد، مسلسل حفاظت اور مسلسل ڈر کہ یہ پونجی کہیں ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔ ورنہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اپنی خوبیاں سڑے زخموں کی مانند ڈھانپ کر اور خرابیاں خوش رنگ پھولوں کی طرح سجا کر رکھنا ہدایت یافتہ لوگوں کا وطیرہ ہوتا ہے۔ یہ بھی ہدایت کو سنبھالنے کا ایک طریقہ ہے تاکہ انسان ریاکاری سے بچا رہے۔

ہدایت ہے اور دین قائم ہے تو قرآن پاک کے بعد نیکی کا سب سے بڑا مظہر مسجد ہے۔ حدیث مبارکہ ہے:-

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالی اس دن اپنے سائے میں سایہ مہیا کرے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا عدل کرنے والا حکمران اور وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت کے ساتھ پروان چڑھا اور وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے اور ایسے دو آدمی جنھوں نے اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کی اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے اور ایسا آدمی جسے مرتبے اور حسن والی عورت نے (گناہ کی) دعوت دی تو اس (آدمی) نے کہا "میں اللہ سے ڈرتا ہوں" اور وہ آدمی جس نے چھپا کر صدقہ کیا حتیٰ کہ اس کا بایاں ہاتھ جو کچھ خرچ کر رہا ہے اسے دایاں نہیں

جانتا اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہنے لگیں"۔ (صحیح مسلم، جلد 3، حدیث نمبر 2380۔۔سنن نسائی، جلد 3 حدیث 5382)

اگر دین قائم ہے تو نیکی کا سب سے بڑا مظہر مسجد ہے۔ مسجد کے ساتھ تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ مسجد میں دل اٹکا رہتا ہے۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی فکر رہتی ہے اور اگر دین کا علم نہیں ہے تو جہاد سب سے بڑا مظہر ہے۔ تو دین قائم کرنے کے لیے کوشش کرنا ہدایت ہے۔ تو ہدایت بہت بڑی دولت ہے اس کو سنبھال کر رکھنا ہے۔ موجودہ دور میں ہمیں تو اقامت دین کے لئے جہاد جیسی قربانیاں دینی ہی نہیں پڑیں۔ نیکی کا مظہر مسجد ہے کہ دل اللہ کی ذات کی طرف متوجہ رہے اور باقی اعضائے بدن دنیا میں مشغول رہیں۔

حیات دنیا کو پسند کیا یا آخرت کو۔۔شعوری فیصلہ کرنا ہے- آخرت یا دنیا؟؟؟ قدم قدم پر ارتداد کا ڈر ہے۔۔۔ ارتداد کا مطلب ہے۔۔ لوٹ جانا، پلٹ جانا، پسپائی اختیار کرنا۔۔۔ **ایک قانونی ارتداد ہے اور ایک معنوی ارتداد**

قانونی ارتداد۔۔۔ اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ **معنوی ارتداد یا باطنی ارتداد**۔۔۔ ہدایت کے راستے سے پیچھے ہٹ جانا۔

دنیا کو اس حد تک ضرور پسند کرنا ہے کہ اس میں رہنا ہے۔ بیوی بچوں، کنبہ برادری، ہمسایہ اور رشتہ داری کو نبھانا ہے۔ یہ ہے مصرف دنیا، یہ جائز ہے۔۔۔ مصرف دنیا اور چیز ہے محبت دنیا اور۔۔۔ دنیا میں رہ پر نہ رہ دنیا میں۔۔۔ رہبانیت اختیار نہیں کرنی، رہبانیت اسلام میں حرام ہے۔

تو ہدایت کا اعلی درجہ مؤمنین متقین کے ساتھ مخصوص ہے۔ متقی وہ مسلمان جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو پورا کرنے والا ہو۔ حقوق اللہ کو تو کوئی پورا نہیں کر سکتا بس کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

جو مسلمان حقوق العباد کا خیال رکھے اور حقوق اللہ کو پورا نہ کرے وہ ناقص الایمان ہے۔

اور جو مسلمان حقوق اللہ بجالائے اور حقوق العباد کا خیال نہ کرے وہ ضعیف الایمان ہے۔ کامل ایمان والا متقی کہلاتا ہے۔

قرآن پاک سورہ بقرہ میں پہلے ہی رکوع میں اللہ تعالی نے مؤمنین متقین کے درجات کی وضاحت فرمادی ہے۔

یہاں ہدایت یافتہ افراد کے تین طبقے بتائے گئے ہیں-

1- هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ہدایت والے ہدایت ملی نظر کرم پا گئے۔ ہدایت یافتہ ہو گئے۔

2- أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ ہدایت بانٹنے والے ہو گئے۔ قرب پا گئے۔

3- وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اقرب ہو گئے۔ اللہ والے ہو گئے۔ جو فلاح پا گئے وہ اہل اللہ ہو گئے۔۔۔ اولیاء اللہ ہو گئے۔۔۔ ان کے ہاتھ میں اللہ تعالی نے فلاح کے چشمے دے دیے (تمام نعمتوں سے نواز دیے گئے) فلاح کے چشمے جن ہاتھوں میں آ گئے وہ اللہ تعالی کا دیدار کرنے والے ہو گئے۔ وہ آخرت کے بھی طلبگار نہ رہے بلکہ صرف اور صرف دیدار الہی کے متمنی ہو گئے۔

یعنی پہلے درجے پر ہدایت ملی (اپنے جوگے ہو گئے)۔ اپنا آپ سنوار لیا۔

دوسرے درجے پر نعمت ملی۔ دوسروں کو سنوارنے لگے۔

تیسرے درجے والے کو اللہ مل گیا۔ جس کو اللہ مل گیا تو دین دنیا کی ہر چیز اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ فلاح کے چشمے ان کے ہاتھ لگ گئے۔

کہنے کو ہر شخص خیال کرتا ہے کہ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ ہم مندرجہ بالا باتوں میں سے کیا کرتے ہیں اور کیا ہمارے اعمال ایسے ہیں کہ ہم متقین کے زمرے میں شمار کیے جائیں؟؟ ہم مسلمان ہیں لیکن ایمان ابھی ہمارے دلوں میں نہیں اترا ہے۔ ایمان اگر صرف زبان پر ہے تو زندگی نہیں بدلا کرتی۔ ہاں جب ایمان دل میں اترتا ہے تو زندگی بدل جاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "درویشوں کے علاوہ باقی تمام لوگ بچوں کی مانند ہیں جو اس دنیا کے کھیل کود میں مگن ہیں"- دنیا کی زندگی میں ہم ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آخرت کا خیال آتا ہی نہیں۔۔۔ ہم سمجھتے ہیں حج کر لیا، عمرے کر لئے، اب جو کچھ کریں ہم تو نیکیوں میں نہا کر آ گئے ہیں۔۔۔ لیکن تعجب ہے اس شخص پر جو جنگل اور بیابانوں کو طے کرتا ہوا اللہ کے گھر اور حرم تک پہنچتا ہے کیونکہ اس میں اس کے نبیوں کے آثار ہیں (کیونکہ وہ مظہر ذات خدا ہے) مگر وہ اپنے نفس کے جنگل اور اپنی خواہشات کی وادیوں کو طے کر کے اپنے دل تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا۔ جبکہ دل میں تو اس کے مولیٰ کے آثار ہیں۔

امام شافعیؒ نے کیا خوبصورت بات کہی ہے کہ "اگر ہم اپنے نفس کو خیر میں مصروف نہیں کریں گے تو یہ ہمیں شر میں مصروف کر لے گا"۔

تو کیا ہم نے راہ ہدایت کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے؟؟

سورہ الحجرات، آیت نمبر 13:- اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَاللہِ اَتقٰکُم ترجمہ:"بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تقوی میں اعلی ہے"۔

یہاں پھر غور کریں کہ دین کے ہر ہر حکم کو ماننا اور نبی کے ہر قدم کی پیروی کرنا تقوی ہے۔

سورہ بقرہ، آیت نمبر 208:- یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا ادخُلُوا فِی السِّلمِ کَآفَّۃً ترجمہ:"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل جاؤ"۔

سورہ البقرہ، آیت نمبر 85:- اَفَتُؤمِنُونَ بِبَعضِ الکِتٰبِ وَ تَکفُرُونَ بِبَعضٍ ترجمہ:" کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو"؟

پھر اس کے بعد ایسے لوگوں کی سزا بھی بتا دی گئی ہے۔ فَمَا جَزَآءُ مَن یَّفعَلُ ذٰلِکَ مِنکُم ترجمہ:"پس تم میں سے جو شخص ایسا کرے اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے"؟

اِلَّا خِزیٌ فِی الحَیٰوۃِ الدُّنیَا وَیَومَ القِیٰمَۃِ یُرَدُّونَ اِلٰٓی اَشَدِّ العَذَابِ

ترجمہ:"سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں ذلّت (اور رسوائی) ہو، اور قیامت کے دن (بھی ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے"۔

اس کے بعد بتا دیا گیا ہے کہ وَ مَا اللہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعمَلُونَ ترجمہ:"اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں"۔(سورہ البقرہ، آیت نمبر 85)

یعنی تمہارا تمام ترکچا چھٹا اسے معلوم ہے۔ وہ دلوں کے بھیدوں سے بھی غافل اور بے خبر نہیں ہے۔

کیا تم ہماری شریعت کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کو نہیں مانتے۔ اب دیکھئے یہ الفاظ تاویل عام ہوں گے اور جہاں کہیں بھی یہ طرز عمل ہوگا یہ آیت اس کو cover کرے گی۔ اگر ہدایت ہوگی تو بندہ ایسا نہیں کرے گا کہ ایک حصہ مان لیا اور دوسرا چھوڑ دیا۔

آج امت مسلمہ پر سو فیصد یہ آیت منطبق ہو رہی ہے۔ پورے دین پر چلنے کو کوئی تیار ہی نہیں۔ ہر گروہ نے اپنے لئے کوئی ایک شے حلال کر لی ہے۔ ملازم پیشہ طبقہ نے رشوت حلال کر لی ہے کیا کریں اس کے بغیر گزارا ہی نہیں۔۔۔ کاروباری طبقہ نے سود کو حلال کر لیا ہے کہ کیا کریں اس کے بغیر گزارا ہی نہیں۔۔۔ اس کے بغیر کاروبار چلتا ہی نہیں۔۔۔ عورتوں نے پردے کو غیر ضروری سمجھ لیا ہے اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ پرچون فروشوں نے ملاوٹ کو حلال کر لیا ہے۔ غرضیکہ اس موجودہ دور میں کیسی کیسی دھوکہ دہی اور فریب کاریاں وجود میں لائی گئیں کہ اللہ کی پناہ۔۔۔ اور اس کی وجہ قرآن پاک کو ترجمہ سے نہ پڑھنا ہے اور دنیا کی محبت ہے، اللہ تعالی کے احکامات کو نذر انداز کرنے کا مطلب ہے کہ ذات باری تعالی کا ڈر ہی نہیں ہے۔ قرآنی احکامات میں سے کچھ پر عمل کرنا اور کچھ پر نہ کرنے والوں پر دنیا میں مسکنت ٹھوک دی گئی ہے۔

باقی رہ گیا قیامت کا معاملہ۔۔۔ قیامت کے دن شدید ترین عذاب---تو اپنے طرز عمل سے تو ہم اس کے مستحق ہو گئے ہیں- باقی اللہ کی رحمت کا نزول ہو جائے تو وہ اس کا اختیار ہے۔ لیکن دھمکی کا انداز دیکھئے- اللہ نے فرما دیا کہ "اللہ غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو"-Allah knows us through and through

تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی اختیار کر لی اور آخرت کو چھوڑ دیا- ان کے لیے نہ تو عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائے گی- اور نہ ہی یہ ہدایت یافتہ کہلائے جائیں گے۔ اپنے تئیں اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھنے والے اب خود ہی اپنے گریبانوں میں جھانک کر اپنا جائزہ لیں کہ---کیا ہم ہدایت یافتہ ہیں؟ یا آخرت میں سزا پانے والے ہوں گے؟

یاد رہے! اس دنیا میں ہم ڈاکٹر ہیں، انجینئر ہیں، سائنسدان ہیں، ٹیچر ہیں، سبھی کچھ ہیں۔۔۔ لیکن آخرت کی دنیا میں ہم یا جیتنے والے ہدایت یافتہ ہوں گے یا پھر خدانخواستہ ہارنے والے سزا پانے والے قرار پائیں گے۔ اللہ تعالی ہم سب کو راہ ہدایت پر چلائے۔ (آمین ثمہ آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

با مقصد زندگی

سب انسان ہلاک ہوجائیں گے بچیں گے صرف علم والے---علم والے بھی ہلاک ہو جائیں گے بچیں گے صرف عمل والے---عمل والے بھی تباہ ہو جائیں گے بچیں گے صرف اخلاص والے---

اخلاص سچے جذبے اور سچی لگن کا نام ہے۔

فقط پاکیزہ جذبوں کی پرکھ ہو گی سر محشر
گنے گا کون سجدوں کو؟ وضو پہ کون جائے گا؟

ہماری اس زندگی کا مقصد اس دنیا سے آخرت کے لئے توشہ تیار کرنا ہے۔

جس آدمی نے اپنی زندگی کا ایک مقصد بنا رکھا ہو اس کی ساری توجہ اپنے مقصد پر لگ جاتی ہے۔ اِدھر اُدھر کے مسائل میں وہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ با مقصد زندگی گزارنے والا آدمی ایک ایسے مسافر کی طرح ہوتا ہے جو اپنا ایک ایک لمحہ اپنی منزل کی طرف بڑھنے میں لگا دینا چاہتا ہے۔ دنیا کے خوش نما مناظر ایسے مسافر کو لبھانے کے لیے سامنے آتے ہیں مگر وہ ان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ سائے اور اقامت گاہیں اس کو ٹھہرنے اور آرام کرنے کی ترغیب دیتی ہیں مگر وہ ان کو چھوڑتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز اس سے ٹکراتے ہیں مگر اس کے باوجود اس کے عزم اور اس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آتا۔ با مقصد آدمی کی زندگی ایک بھٹکے ہوئے آدمی کی مانند نہیں ہوتی جو سمت سفر متعین نہ ہونے کی وجہ سے کبھی ایک طرف چلنے لگتا ہے اور کبھی دوسری طرف--- بلکہ اس کے ذہن میں راستہ اور منزل کا واضح شعور ہوتا ہے۔ اس کے سامنے ایک متعین نشان ہوتا ہے۔ ایسا آدمی کیسے کہیں رک سکتا ہے؟ کیسے وہ دوسری چیزوں میں الجھ کر اپنا وقت ضائع کرنے کو پسند کرسکتا ہے؟ اس کو تو ہر طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر ایک متعین رخ پر بڑھنا ہے اور بڑھتے رہنا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مقصد کو پالے۔ یہاں تک کے وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے۔ زندگی کو با معنی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے سامنے ایک سوچا ہوا نشانہ ہو جس کی صداقت پر اس کا ذہن مطمئن ہو۔ جس کے سلسلے میں اس کا ضمیر پوری طرح اس کا ساتھ دے رہا ہو۔ جو اس کی رگ و پے میں اچھائی اور برائی الگ کرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں اور جس آدمی کے اندر مقصدیت آجائے اس کی زندگی لازماً ایک اور زندگی بن جائے گی اور وہ چھوٹی چھوٹی غیر متعلق باتوں میں الجھنے کے بجائے اپنی منزل پر نظر رکھے گا۔ وہ ایک سوئی کے ساتھ اپنے مقررہ نشانہ پر چلتا رہے گا۔ یہاں تک کہ منزل پر پہنچ جائے گا۔

آج کل دنیا کی تعلیم پر بہت توجہ ہے۔ تعلیم صرف روزگار کا سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔ اس کا اصل مقصد قوم کے افراد کو باشعور بنانا ہے۔ جس کا نمونہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) چھوڑ کر گئے ہیں۔ افراد کو باشعور بنانا ملت کی تعمیر کی راہ کا پہلا قدم ہے۔ ملت کا سفر جب بھی شروع ہوگا یہیں سے شروع ہوگا۔

باشعور بنانا یہ ہے کہ ہم زندگی کے مسائل کو کائنات کے ابدی نقشہ (قرآن پاک) میں رکھ کر دیکھ سکیں۔ ہم جانیں کے ہم کیا ہیں؟ اور کیا نہیں ہیں؟ ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا؟ ہم اس راز سے واقف ہوجائیں تو اپنے ارادے کو اللہ تعالی کے ارادے سے ہم آہنگ کر کے ہی اللہ تعالی کی اس دنیا میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

باشعور انسان ہی حقیقی معنوں میں انسان ہے۔ جو باشعور نہیں وہ انسان ہی نہیں۔ اگر انسان "اطیعو اللہ و اطیعو الرسول" کو سمجھ لے تو زندگی کا سفر آسان ہوجائے۔ اور ایسا ہی باشعور انسان اپنے اور دوسرے کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ جب بھی کوئی موقع آتا ہے تو وہ یہ پہچان لیتا ہے کہ یہاں کونسی کاروائی ردعمل کی کاروائی ہے۔ اور کونسی مثبت کاروائی ہے۔ وہ شر کو خیر سے جدا کرتا اور باطل کو الگ کر کے حق کو پہچانتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے پاس نقشے کے ساتھ ساتھ نقش پا بھی موجود ہے۔ ایک آنکھ وہ ہے جو آدمی کی پیشانی پر ہوتی ہے یہ جانوروں میں بھی ہوتی ہے۔ ایک آنکھ دل کی آنکھ ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے اسے وجدان کی آنکھ فرمایا ہے۔ یہی معرفت (پہچان) کی آنکھ ہے۔ عام انسان کو ظاہر چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ دل کی آنکھ آدمی کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ معنوی چیزوں کو بھی دیکھ سکے۔ یہی آنکھ انسان کو حقیقی معنوں میں انسان بناتی ہے۔ **یاد رکھیں! اطمینان قلب اور سکون کے لیے سنت اور اتباع رسول (خاتم النبیین ﷺ) ہی میں کامیابی ہے۔**

کیا وجہ ہے کہ آج کل ہر شخص بے سکون ہے؟

ایک دور تھا خریداری کرتے ہوئے یا بازار سے کھانے پینے کی کوئی چیز لانے کے لئے کپڑے کے تھیلے ہوتے تھے۔ کچھ بانس کی ٹوکریاں ہوتی تھیں- انہیں

میں چیزیں لاتے تھے۔ بیماریاں ایسی ایسی نہیں تھی۔ دکھ کم تھے، چھوٹے چھوٹے گھر مگر دل وسیع محبتیں، الفتیں ایک دوسرے سے میل جول بہترین---ایک دوسرے کے کام آنے کو نیکی سمجھا جاتا---کبھی گھروں میں کمی بیشی ہو جاتی تب بھی ناشکری کے کلمات زبان پر نہ آتے تھے---نہ طلاقوں کی شرح زیادہ---نہ بڑے بڑے ہسپتال اور میڈیکل سٹور---نہ جگہ جگہ دوکانیں اور نہ ہی بڑی بڑی مارکیٹیں کچھ نہیں تھا---

کیا بازار جتنے اب ہیں پہلے تھے؟ گھر توڑ توڑ کر پلازے بنا دیے گئے۔ اگر مارکیٹیں بنی ہیں تو خریدار ہیں تو مارکیٹیں بنی ہیں۔ اگر خریدار نہ ہوتے تو مارکیٹیں کیوں بنتیں؟ جوتوں کی دوکانیں، کپڑوں کی دوکانیں، میک اپ کاسمیٹکس (جس کا پرانا نام منیاری کی دوکان تھا) کی دکانیں بڑھی ہیں، یا کم ہوئیں ہیں؟ یہ پیسے کہاں سے آئے؟ ایک گھر میں تین تین اے سی، فریج، الیکٹرانکس بڑھے یا کم ہوئے؟ بجلی کہاں سے آئے؟؟؟

پہلے کتنے سوٹ ہوتے تھے ہر مرد اور عورت کے؟ ہر بچے کے؟ - اور اب اگر گھروں کی الماریوں کھولیں جائیں تو کتنے سوٹوں کی لائنیں لگی ہوتی ہیں یہاں تک کہ ایک سوٹ کی باری بعض اوقات پورے سال میں بھی نہیں آتی -- یہ رقم کہاں سے آئی؟---موجودہ دور میں غربت نہیں ہے کیونکہ جب غربت ہوتی ہے تو خریداری کم ہوتی ہے۔ جب غربت ہوتی ہے تو اتنے سوٹ اور کھانے نہیں پکائے جاتے - جب غربت ہوتی ہے تو اتنی گاڑیاں نہیں ہوتی - جب غربت ہوتی ہے تو پھر اتنے مالز اور اتنی مارکیٹیں بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی - چونکہ اتنی شاپنگ نہیں ہوتی تو اتنی مہنگائی بھی نہیں ہوتی -

کیا ہم ہی وہ امتی ہیں جن کو رسول (خاتم النبیین ﷺ) نے مسافر کی طرح زندگی گزارنے کی تلقین کی تھی؟؟؟

آج مہنگائی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور چیزوں کی قیمتیں آسمانوں کو چھو گئی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری خواہشات بڑھیں ہیں۔ ہماری خواہشات بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ ایک تاجرانہ اصول ہے جب خریدار زیادہ ہوں گے چیزیں مہنگی ہو جائیں گی، جب خریدار کم ہوں گے وہی چیزیں سستی ہو جائیں گی۔ خریدار زیادہ کیوں ہوئے؟ اس لئے کہ خواہشات بڑھ گئیں--اس لئے کہ ہم آخرت کو بھول کر دنیا میں دل لگا بیٹھے ہیں---کیا پہلے لوگ کاغان، سوات، ناران اس طرح سیر کرنے جاتے تھے؟ کیا پہلے لوگ ہوٹلوں میں کھانا کھانے جاتے تھے؟ سادہ زندگی تھی، سادہ کھانے--- پلاؤ اور زردہ خاص موقعوں پر پکا کرتا تھا، مرغی مہمانوں کی آمد پر پکائی جاتی تھی-

امام احمد اور حاکم نے صحیح بتا کر اور بیہقی نے طلحہ نصری ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تم بہت جلد ایسے زمانے کو پاؤ گے کہ تم میں سے ہر ایک کے پاس صبح کو ایک کھانا اور شام کو دوسرا کھانا آئے گا۔ اور تم ایسا لباس پہنو گے جیسے خانہ کعبہ کا غلاف" (مخمل- مخملی لباس یعنی قیمتی لباس) صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! ہم آج خیر پر ہیں یا اس وقت خیر پر ہوں گے "؟ فرمایا "نہیں بلکہ تم آج خیر پر ہو۔ آج تم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو اور اس وقت تم ایک دوسرے سے بغض رکھو گے اور ایک دوسرے کی گردن مارو گے"۔

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے پردہ فرما جانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہما ہمارے اولین راہی ہیں-

ایک ہوتی ہے مصرف دنیا اور ایک ہوتی ہے محبت دنیا۔ مصرف دنیا سے منع نہیں کیا ہے- دنیا میں رہنے کے لئے، اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دنیا ہی سے فائدہ اٹھانا ہے یہ منع نہیں۔ دنیا کی محبت میں غرق ہو جانا اور دنیا ہی کے لیئے کوشش کرنا۔ دنیا کو یاد رکھنا۔ اپنے مقصد زندگی کو بھول جانا کہاں کی عقلمندی ہے؟

ایک ہوتی ہے ضرورت اور ایک ہوتی ہے خواہش۔ ضرورت ہر دور میں ایک جیسی ہوتی ہے۔ ضرورت آج بھی وہی ہے جو کل انسان کی تھی- انسان نے کھانا پینا ہے، رفع حاجت کو جانا ہے، زندہ رہنے کیلیئے، اپنے خاندان کی پرورش کے لئے کمانا ہے اور رہنا سہنا اور پہننا اوڑھنا ہے۔ بس کل یہی ضروریات ہیں۔ اور یہی سادہ زندگی ہے جس کی تعلیم نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے ہمیں دی اور نہ صرف تعلیم دی بلکہ عملی نمونہ بھی چھوڑا کہ زندگی کو اس طرح گزارنا ہے۔ ہم رونا تو روتے ہیں نبی (خاتم النبیین ﷺ) سے محبت کا---دعا کرتے ہیں اسوہ حسنہ پر چلنے کی---اور زندگی! فرعون، ہامان اور قارون کی طرح گزارتے ہیں-- یہ سب کچھ کیا ہے؟ پھر کچھ لوگ کہہ دیتے ہیں اب زمانہ نہیں رہا لیکن ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ آج بھی جب یہ لوگ کسی ٹرین میں سفر کرتے ہیں تو ایک آدمی ایک ہی سیٹ پر بیٹھتا ہے، اسی کی برتھ پر سو بھی جاتا ہے۔ اسی ڈبے کی لیٹرین میں ضرورت پوری کرتا ہے۔ اور اسی ٹرین کے ڈبے میں کھانا بھی کھا لیتا ہے۔ اس وقت تو وہ اپنے آپ کو مسافر کہتا ہے-

وہ یہ حدیث بھول گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا: "دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی اجنبی ہو یا راستے پر چلنے والے ہو" - حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے " شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو۔ تندرستی کی حالت میں وہ عمل کرو جو بیماری کے دنوں میں کام آئیں اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت خیال کرو"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 6416)

آج کا مسلمان اتباع رسول (خاتم النبیین ﷺ) کا صرف زبانی دعویٰ کرتا ہے۔اس اتباع کے تمام اسباق وہ بھول چکا ہے۔سوائے اس بات کے کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) ہماری شفاعت فرمائیں گے۔بھئی کیوں؟ کیا کام آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی پیروی میں ہم نے کیا ہے؟کس کے نقش قدم پر ہم چل رہے ہیں؟ہم تو کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے تو کیا ہم زمانے کو دیکھ کر چل رہے ہیں--ہاں!بے شک ہماری خواہشات اس لیے بڑھی ہیں کہ ہم زمانے کو دیکھ کر چل رہے ہیں۔اپنے نبی (خاتم النبیین ﷺ) کو دیکھ کر نہیں۔ہم اپنے سے اعلیٰ، اپنے سے اونچے کو دیکھ کر چل رہے ہیں۔جبکہ

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا:"(تمہارا طرز عمل یہ ہونا چاہیے کہ) دنیا (کے مال و اسباب کے اعتبار سے) اپنے سے کم تر کو دیکھو، (مالی اعتبار سے) اپنے سے اوپر والے کو نہ دیکھو کیونکہ یہ زیادہ مناسب ہے کہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی (عطاء کردہ) نعمت کی بے قدری سے بچ جاؤ گے"۔(صحیح مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، احمد)

کہاں گیا اسوہ حسنہ؟ کہاں گیا تقویٰ؟ کہاں گیا اتباع؟ کہاں گیا نقش پا؟ کہاں گئی نبی (خاتم النبیین ﷺ) کی محبت؟ بس یہ ایک چھوٹا سا لفظ ہے۔"اپنے سے کمتر پر نظر رکھ۔اللہ کا شکر ادا کر"۔ اگر ہم نے اپنے سے اوپر پر نظر رکھی تو فرمان رسول (خاتم النبیین ﷺ) کو نظر انداز کیا اور جب ایسا کیا تو خواہشات بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔جو صرف ہماری تباہی کا سبب ہی بن سکتی ہیں۔

حدیث: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا"بے شک میں تمہارا پیش رو اور تم پر گواہ ہوں۔بیشک خدا کی قسم! میں اپنے حوض (کوثر) کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور بیشک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں (یا فرمایا: زمین کی کنجیاں) عطا کر دی گئی ہیں اور خدا کی قسم! مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے بلکہ مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ تم دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔'' (صحیح بخاری:3816-صحیح مسلم:2296، ابوداؤد:3224)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا"نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے پردہ فرما جانے کے بعد سب سے پہلی بدعت جو لوگوں میں ظاہر ہوئی وہ لوگوں کا پیٹ بھر کر کھانا تھا۔جب لوگ پیٹ بھر کر کھانے لگے تو ان کے نفس ان کو گھسیٹ کر بازاروں میں لے آئے"۔(کہ زیادہ کمائیں تاکہ زیادہ کھائیں اور زیادہ عیش کی زندگی گزار سکیں) اور جب ایسا ہے تو"زہد" کہاں گیا؟

خواہشات کو کم کریں گے تو کم ہوں گی- نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی عملی زندگی اس بات کا سبق دیتی ہے کہ ابتدا اپنی ذات کی اصلاح سے کرنی ہے-ہر شخص اگر صرف اپنی اصلاح کا خواہش مند ہو جائے تو آہستہ آہستہ کام بن جاتا ہے۔لیکن یہاں تو حال یہ ہے کہ چونکہ خود امراض میں مبتلا ہیں اس لئے اپنی اصلاح کی پرواہ ہی نہیں ہے اور پھر دوسروں کو کیسے سبق دے سکتے ہیں؟؟ جس مرض میں خود گرفتار ہیں، اسی مرض کے دوسرے گرفتار لوگوں کو کیسے راہ دکھائیں گے؟؟

اس پر غضب یہ ہے کہ ہمیں اپنی بیماری ہی نظر نہیں آتی؟ اصل میں بیماریاں تو ہمارے نزدیک صرف جسم کی بیماریاں ہیں۔جن کو ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں- دل کے روگ کو کون جانے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمیں" قلب سلیم "لے کر جانا ہے یعنی"مطیع دل"-

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" مجھے تمہارے بارے میں یہ فکر نہیں ہے کہ تم بت پرستی کرنے لگو گے- بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ یہ دنیا تمہارے اوپر ٹوٹ پڑے گی اور تم پھر اس میں اس طرح غرق ہو جاؤ گے جس طرح بنی اسرائیل اور پھر یہ تم کو بھی ایسے ہی تباہ اور گمراہ کر دے گی جیسے ان لوگوں کو کیا"۔

تو ہم خواہشات میں غرق دنیا کی محبت میں مبتلا اور آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں۔اپنی اصلاح کی طرف ہماری توجہ ہی نہیں جاتی۔ہمیں اپنی میں ختم کرنی ہے۔اپنی انا کے خول سے باہر نکلنا ہے---زندگی کوئی چانس نہیں ہے جو ہمیں اتفاق سے مل گئی۔یہ چاہت سے تخلیق کی گئی ہے۔ہم رب کی چاہت ہیں۔رب کی چاہت کو پہچاننے کی ضرورت ہے کہ اس نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟

ہمارے حق میں تخلیق نہ کیے جانے کا فیصلہ بھی ہو سکتا تھا- اگر ہمارے حق میں تخلیق کیے جانے کا فیصلہ ہوا ہے تو یہ ایک بڑا فیصلہ ہے۔ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔خود کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔یہی وصف ہے جو ہمیں اشرف المخلوقات بناتا ہے۔

انسان اللہ کی چاہت کی گئی تخلیق ہے۔انسان کو جتنی زندگی ملی ہے اس کے حساب سے اس کا مواخذہ ہوگا۔کیونکہ زندگی بڑی یا چھوٹی نہیں ہوتی --- یہ ماضی یا حال بھی نہیں ہوتی۔یہ کن ہے اور فیکون کی صورت میں ہمارے اندر دھڑک رہی ہے۔

زندگی میں کوئی کام کریں یا نہ کریں لیکن زندگی کو بے کار سمجھنے کا کام نہیں کرنا چاہئے۔اور اس کو بیکار گزار کر ضائع نہیں کرنا چاہیے۔زندگی کو کسی بھی چیز سے منسلک

نہ کریں۔اس کو اندر سے محسوس کریں۔ رب تعالیٰ نے ہمیں قرآن پاک میں صاف طور سے بتادیا ہے کہ اس نے اس زندگی کو بے کار تخلیق نہیں کیا ہے۔

دکھ اور تکالیف سے مایوس نہ ہوں بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے قرب کی نشانی جانیں۔اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے میں دیر نہ کریں۔وہی تو ہے جس کے پاس گزرے ہوئے کل کی معافی بھی ہے اور آنے والے کل کا انعام بھی۔بس ندامت اور عاجزی کی ضرورت ہے۔ندامت سے معافی مانگیں اور عاجزی سے اگلی زندگی کی بہتری کے لیے دعا کریں۔حقوق اللہ کا معاملہ قابل معافی ہے اور حقوق العباد کا معاملہ قابل تلافی۔اس زندگی ہی میں معافی اور تلافی کا وقت ہے۔یہ وقت گزر گیا تو پھر بس حسرت ہی حسرت ہوگی۔آسان لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ زندگی ایک بارونق بازار ہے۔جس میں ہم خریداری کے لیے آئے ہیں۔رونق بازار قائم رہتی ہے،خریدار ختم ہوتے اور آتے جاتے رہتے ہیں۔زندگی کب سے ہے اور کب تک ہے؟؟ سنا ہے یہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔یہ ازل کب سے ہے اور ابد کب ہوگا؟ کسی کو معلوم نہیں۔

یہ تخلیق ہونے سے پہلے خالق کے ارادے میں رہی اور تکمیل ہونے کے بعد خالق کے روبرو حاضر کردی جائے گی۔زندگی کی قدر کریں۔زندگی وقت کو کھا جاتی ہے، یہ زمانے کو ہڑپ کر جاتی ہے،صدیوں کو نگل جاتی ہے-،کبھی کبھی یہ زندگی صدیوں کو ایک ہی سانس میں ہڑپ کر جاتی ہے اور ٹس سے مس نہیں ہوتی اور کبھی یہ ایک لمحہ میں دنیا کو ادھر سے ادھر کر دیتی ہے۔سمندر کی جگہ میدان اور میدان کی جگہ باڑ کھڑے کر دیتی ہے۔صدیوں سے ہنستے بستے گھروں کو منٹوں میں ختم کر دیتی ہے۔

زندگی تلاش میں ہے- یہ اسے تلاش کرتی ہے جو اسے (زندگی کو) تلاش کرے۔زندگی موت کے تعاقب میں ہے اور موت زندگی کے تعاقب میں۔جب تک دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہوجاتا یہ تلاش اور تعاقب کا کھیل جاری رہتا ہے۔یہی نور اور ظلمت کا کھیل ہے--- ہونے اور نہ ہونے کا کھیل ہے--- ماننے اور نہ ماننے کا کھیل--- کمانے اور نہ کمانے کا کھیل--- جیت یا ہار کا کھیل--- اس کھیل میں بے سکونی بڑھ جائے تو عبادت کا وقت بڑھا دینا چاہیے۔اپنی بے سکونی کا مداوا اس سے مانگیں۔ جب واسطے اور رابطے اللہ سے جڑ جائیں تو پھر زندگی میں سکون ہی سکون ہوتا ہے۔

جو لوگ زندگی کے اس سفر تلاش میں دل لے کر نکلتے ہیں (حقیقت کی تلاش) وہ حقیقت کو دلیری کے انداز میں پاتے ہیں-انہیں کائنات کا ہر ذرہ ایک تڑپتا ہوا دل محسوس ہوتا ہے۔حقیقت کی ادائے دلیری ایسے متلاشی کو اپنا ذاکر بناتی ہے۔وہ حقیقت کا ذکر کرتا ہے،حقیت اس کا ذکر کرتی ہے۔یہ عجیب سلسلے ہیں---دل والے متلاشی اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں- جہاں ذکر، ذاکر اور مذکور (جس کا ذکر کیا جارہا ہے) باہم ہوں- یہ وہ مقام ہے جہاں چند ساعتیں صدیوں پر محیط ہوتی ہیں۔نادان لوگ دولت کے لئے دل کا سکون لٹا دیتے ہیں اور عقلمند لوگ دل کے سکون کے لیے دولت لٹا دیتے ہیں۔

عاشق، چور، فقیر، خدا تو منگدے گھپ اندھیرا
اک لٹائے، اک لٹے، اک کہہ دے سب کچھ تیرا

اس سلسلے میں ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

ایک کمہار مٹی سے کچھ بنا رہا تھا- اس کی بیوی نے پاس آکر پوچھا" کیا کر رہے ہو"؟ تو کمہار بولا" (حقہ) چلم بنا رہا ہوں۔آجکل بہت بک رہی ہے۔کمائی اچھی ہوجائے گی"۔بیوی نے جواب دیا" زندگی کا مقصد صرف کمائی کا ذریعہ ہی تو نہیں- کچھ اور بھی ہے۔تم میری مانو آج صراحی (گھڑا) بناؤ۔گرمی ہے وہ بھی خوب بکے گا۔اور ساتھ ساتھ لوگوں کی پیاس بجھانے کے کام بھی آئے گا۔ٹھنڈا پانی پی کر لوگ اس گرمی میں سکون کا سانس لیں گے اور دعائیں مفت ملیں گی"۔کمہار نے کچھ سوچا اور مٹی کو نئے روپ میں ڈھالنا شروع کیا۔اچانک مٹی سے آواز آئی" یہ کیا کر رہے ہو؟ میرا روپ کیوں بدل دیا"؟ کمہار نے کہا" میری سوچ بدل گئی ہے۔میں پہلے تمہارے روپ میں تمہارے پیٹ میں آگ بھرنے کا سوچ رہا تھا۔اب دوسرے روپ میں تمہارے پیٹ میں پانی بھرنے کا سوچ رہا ہوں اور اس سے مخلوق نفع اٹھائے گی"۔مٹی نے جواب دیا" تمہاری تو صرف سوچ ہی بدلی ہے لیکن تم نے تو میری زندگی بدل دی ہے۔میں آگ کی تکلیف سے نکل کر چین اور آسانی میں آگئی ہوں"۔

زندگی میں راستے نہ بدلیں- راستے بدلنے کا ٹائم نہیں ہے۔اپنی سوچ بدلیں زندگی میں خود بخود سکون آجائے گا۔اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ "یارب! جب میں مایوس ہوجاؤں تو میری مدد فرمانا- کیونکہ میری زندگی کے بارے میں تیرے فیصلے میری خواہشوں سے بہتر ہیں"۔

جو تجھ کو تیری ذات سے باہر نکال دے
دشت جنوں میں ایسا قلندر تلاش کر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبدیت کا سفر،ابدیت کے حصول تک

انسانی سفر کی کہانی بہت طویل ہے مگر اس سفر کو با آسانی بیان کیا جاسکتا ہے۔کائنات 13.7 ارب سال قبل وجود میں آئی۔یعنی کائناتی سفر شروع ہوا۔نظام شمسی کا سفر ساڑھے چار ارب سال پہلے شروع ہوا۔زمین کا سفر ساڑھے تین ارب سال پہلے شروع ہوا۔پھر نباتات اور حیوانات کی کھربوں اقسام وجود میں آکر اپنا سفر شروع کرتی رہیں۔اور ہر نوع میں کھرب ہا کھرب وجود پیدا ہو کر اپنا سفر مکمل کرتے رہے۔اور جاتے رہے۔پھر **انسانی سفر شروع ہوا**۔

انسان صفحہ کائنات کا سب سے غیر معمولی نقش ہے اس کی صلاحیت یہ ہے کہ اس حقیر سے وجود کا سفر کھربوں انواع کے سفر کے بعد شروع ہوا۔لیکن پھر بھی زمین کا حکمران بن گیا۔مگر انسان کا المیہ یہ ہے کہ زندگی سے کہیں بڑھ کر فکر و تخیل ،علم و شعور، ذائقہ و لذت اور حیات ابدی کا شعور رکھنے والے اس انسان کا اس دنیا کا سفر صرف ستر یا اسی سال کا ہوتا ہے۔پھر اس کا موجودہ زندگی کا سفر مکمل ہو جاتا ہے۔پھر کیا ہوتا ہے؟

خوش قسمتی سے دنیا میں قرآن نام کی کتاب موجود ہے جو یہ بتاتی ہے کہ زمین کے اس حکمران کا سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے یہ حکمران فانی نہیں ہے۔اس کو تو ایک ابدی زندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔اس ابدی زندگی میں کامیاب وہ ہوگا جو اپنی اس زندگی کے سفر میں رب کی بندگی اور اس کی مرضی کو اوّل ترجیح دے گا اور اپنے رب کی رضا کو پورا کرنا اپنے سفر کا اصل مقصد بنا لے گا۔

ہم چل رہے ہیں مسلسل چل رہے ہیں صبح کو چلتے ہیں۔شام کو چلتے ہیں۔خوابوں میں چلتے ہیں۔

مسافرت بے بس ہے مسافت کے سامنے صدیوں اور قرنوں سے یہ سفر جاری ہے یہ سفر کٹ نہیں سکتا ہمارے ساتھ یہ کائنات بھی چل رہی ہے سورج، چاند، ستارے ،سیارے، کہکشائیں ،نظام ہائے شمسی بلکہ خلائیں اس سفر میں شریک ہیں سب کے سب سفر میں ہیں جمیل و جسیم سیارے مدار خود متحرک ہیں گردش در گردش حرکت در حرکت سفر در سفر لمحات سفر میں ہیں وقت ہمہ وقت سفر میں ہے۔ہمیں کہاں جانا ہے؟ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ سانس سفر میں کیسے آتا جاتا ہے؟

رگوں میں شریانوں میں خون مسافر ہے۔یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کب سے ہے؟ کب تک ہے؟ ہم سب مصروف ہیں؟ مصروف سفر؟ ہمیں بڑے کام کرنے ہیں۔ہم بہت سی خواہشات رکھتے ہیں۔ہم سب کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ہمارے پاس وقت نہیں ہے کہ آرام کر سکیں سکون کی تلاش میں ہم بے سکون ہیں۔ آرام کی تمنا ہمیں بے آرام کر رہی ہے۔

ہم مال جمع کرنے کے لئے سفر کرتے ہیں۔پھر ہم مال جمع کرتے ہیں۔مشکل وقت کے لئے پس انداز کرتے ہیں اور پھر مشکل وقت کا انتظار کرتے ہیں پھر مشکل وقت ضرور آتا ہے۔ ہم صرف اپنے لئے زندہ ہیں۔اپنی ذات میں گم۔ اپنے اپنے سفر پر گامزن۔

پرندے اڑتے ہی جاتے ہیں۔فضائیں ختم نہیں ہوتیں جہاز ہوائی اور بحری سب متحرک ہیں۔لوگ آرہے ہیں جا رہے ہیں۔آنسوؤں سے الوداع ہے۔خوشی کے ساتھ خوش آمدید ہے۔جانے والے بھی مسافر، بھیجنے والے بھی مسافر اور آنے والے بھی سب مسافر ہیں-ایک نے دوسرے کا سامان چھین لیا۔اسے اٹھا لیا۔اور لے بھاگا۔اور کچھ دور جا کر وہ سامان پھینک دیا۔اور خود کسی نامعلوم سفر پر خالی ہاتھ روانہ ہو گیا۔بھائی اگر سامان پھینکنا ہی تھا تو پھر چھینا ہی کیوں؟

زمینوں کو مکانوں کو جاگیروں کو فتح کرنے والے تیز رفتار شہسوار۔آخر زمین کی گہرائیوں میں غائب ہو گئے۔خاموش ہو گئے۔فراموش ہو گئے۔ایسے جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔کارواں در کارواں لوگ آتے ہیں۔اسی زمین پر بڑے عمل کرتے ہیں۔بڑی محنتیں کرتے ہیں۔لیکن پھر وہی سکوت۔وہی بے نشان منزلیں وہی گمنام انجام ہم ایک دوسرے کو ہلاک کرتے جا رہے ہیں۔

وسائل کی ناہموار تقسیم محرومیاں پیدا کر رہی ہیں۔ظاہر کی کامیابیاں اندر کے گھن کب تک چھپائیں گی۔اندر کا انسان سسک رہا ہے ہم اس کی آواز سنتے ہی نہیں اگر سنتے ہیں تو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں کرتے ہم اپنے باطن کو ہلاک کر کے کامرانیوں کے جشن مناتے ہیں۔ہم اپنے روحانی وجود سے فرار ہو رہے ہیں۔ہم نے کئی چہرے رکھے ہوتے ہیں۔

ہمدردی سے ناآشنا ہیں۔ہم اپنے اندر کی آواز کو خاموش کرا دیتے ہیں۔اور پھر ضمیر کے کسی دباؤ سے آزاد ہو کر ہم اپنی تنہائی کے سفر پر روانہ رہتے ہیں یہ ناموری کیا ہے؟ یہ غرور و افتخار کیا ہے؟ یہ تاج و کلاہ کیا ہے؟ یہ لشکر و سپاہ کیا ہے؟ یہ حرکت وجود کیا ہے؟ یہ عذاب مسافرت کیا ہے؟

ہر دل میں بھونچال ہے۔ہر شخص بھاگ رہا ہے شاہ و گدا بھاگ رہے ہیں۔شاید خطرہ ہے؟ کس کو کس سے خطرہ ہے؟ زندگی کو خطرہ

ہے کسی کا؟ شاید موت کا۔ زندگی ختم ہو رہی ہے۔ لیکن زندگی تو ختم نہیں ہوتی ہم مرجاتے ہیں ہم تو کب سے مر رہے ہیں۔ لیکن ہم زندہ ہیں ہم کب سے زندہ ہیں؟ یہی تو معلوم نہیں۔ کیا ہم موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہیں؟

انسان خود قوموں میں بٹ چکا ہے۔ اپنے اسلاف سے کٹ چکا ہے۔ اپنے منصب سے ہٹ چکا ہے ہر انسان کے گرد ایک تاریخی اور جغرافیائی حصار ہے۔ شعور بین الاقوامی اور مفادات قومی نتیجہ یہ ہے کہ آج انسان کثرت میں واحد ہے اور اژدہام میں تنہا ہے۔ یہ تنہائی روح کی گہرائی تک آ پہنچی ہے۔ ہماری روحیں ایک دوسرے کی قربت سے محروم ہیں ہماری روحیں ایک دوسرے کو برداشت کر رہی ہیں۔ ہم مفادات کے پجاری بن گئے ہیں ہمیں معلوم ہی نہیں کہ زندگی حاصل نہیں ایثار بھی ہے۔ ہم اپنی فکر کو فکر بلند سمجھتے ہیں اور اپنے عمل کو عمل صالح۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کتنے کمزور ہیں۔ ہم اس چراغ کی طرح ہیں جو آندھیوں کی زد میں ہے۔ ہم کئی چہرے رکھتے ہیں۔ ہم جو کچھ حاصل کرتے ہیں اسے چھوڑ دیتے ہیں نئی تمنائیں نیا حاصل نئی آرزو نئی منزل نیا انتشار ہمارا مقدر ہے۔ یہ مقدر کیا ہے؟

مقدر کی چکی ہمیں ہانک رہی ہے ہم خوف اور شوق کے درمیان رہتے ہیں یہی چکی ہمیں پیس رہی ہے شوق حاصل نہیں ہوتا۔ خوف نظر نہیں آتا بس ہم دوڑتے ہیں سفر تنہا شروع کرتے ہیں۔ اور انجام کار تنہا ہی ختم کرتے ہیں۔ نہ کوئی ہمارے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی ہمارے ساتھ مرتا ہے۔ ہمارے اجتماعات ضرورت کے ہیں۔ اور ضرورتیں وفا کے نام سے ناآشنا ہوتی ہیں اور جب تک وفا نہ ملے تنہائی ختم نہیں ہوتی۔ آج کا انسان انسانی نظروں سے گر رہا ہے۔ انسان انسان کے دل سے دور ہو گیا ہے آسمانوں سے راستہ لینے والا دل کا راستہ معلوم نہ کر سکا؟

انسان انسان کا مطالبہ چھوڑ کر کائنات دریافت کرنے چلا ہے۔ لیکن اسے کائنات کی عظیم اور لامحدود وسعتوں میں تنہائیوں کے سوا کیا ملے گا؟

رفاقتوں سے محروم انسان بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور سب سے بڑی بیماری تنہائی بذات خود ہے۔ یہ بیماری بھی ہے اور عذاب بھی تن کی دنیا کا پجاری من کی دنیا سے محروم ہو کر تنہا رہ گیا۔ میرے بعد آنے والا میری کرسی کے انتظار میں ہے۔

کرسی نشین غائب ہو جاتے ہیں اور کرسیاں خالی رہتی ہیں۔ افراد مر جاتے ہیں قومیں زندہ رہتی ہیں۔ آج کا انسان آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے۔ نہ جانے کب کیا ہو جائے؟ ایک ہولناک تنہائی نے انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ترقی اور ارتقاء کے نام پر تباہی کے پروگرام بن چکے ہیں۔ ہمارے پاس آسائشیں ہیں سکون نہیں ہمارے پاس مال ہے اطمینان نہیں ہم سب ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ لیکن منزلیں جدا جدا ہیں ہم ہجوم میں ہیں۔ لیکن ہمیں ہجوم سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ ہم سب آس پاس ہیں، ہم ایک دوسرے کا غم سنتے ہیں لیکن محسوس نہیں کرتے ہم اپنے علاوہ کسی کو اپنے جیسا نہیں سمجھتے۔ ہمیں اپنے آنسو مقدس نظر آتے ہیں لیکن دوسروں کی آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو ہمیں مگرمچھ کے آنسو نظر آتے ہیں۔

ہم نے تفکر اور تدبر چھوڑ دیا ہے۔ ہم اپنے علم پر نازاں ہیں، اپنی آواز پر مسحور ہوتے ہیں۔ اپنے لئے جو پسند کرتے ہیں دوسروں کے لئے وہ چیز پسند نہیں کرتے اس خوفناک جرم کی خوف ناک سزا یہی ہے کہ ہم اپنے اندر تنہا ہیں ہم دوسروں کی نگاہ میں بلند ہونے کی خواہش میں اپنی نگاہ سے گر جاتے نہیں۔ دیوتا بننے کی خواہش میں ہم انسان بھی نہ رہے ہم اپنے گھروں میں مہمانوں کی طرح رہتے ہیں۔ اپنے ہی دیس میں غریب الدّیار ہیں ہم آج کی تہذیب ہیں۔ سہمی ہوئی تنہائی صحرا کی شام اور تنہا مسافر مسافر فریاد کرتا ہے۔

''اے وہ کہ جس نے مجھے لمبے سفر پر گامزن کیا جس نے مجھے ایک نہ ختم ہونے والی تلاش دی ہمیں ہمارے مقصد سے پورے طور پر آگاہ فرمادے۔ ہمیں سمجھ عطا فرما۔''

ہمارا کوئی پُرسانِ حال نہیں سفر جاری ہے۔ اس سفر میں کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہیں۔ کوئی کسی کا ہمدرد نہیں۔ زمین سے چشمے اُبلتے ہیں آنسو نکلتے رہتے ہیں۔ یہ سفر بڑا ہی طویل اور بڑا مختصر ہے۔ طویل اس دنیا کے لئے اور مختصر اگلی دنیا کے لئے عمر بھر میں طے ہونے والا یہ سفر قدم کا سفر ہے۔ یہ فاصلہ ہونے اور نہ ہونے کے درمیان ہی سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ ہم پہلے اپنے بچوں کے پاس رہتے ہیں اور پھر اپنے بزرگوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ وہی تو ہمارا استقبال کریں گے یہ سب حیران کُن بات ہے مگر یہی کچھ ہے۔

تو یہ ہنگامہ سود و زیاں کیا ہے؟ یہ سب رفتار کیا ہے؟ یہ حاصل و محرومی کیا ہے؟ یہ خیر و شر کے سُوتے کیا ہیں؟ یہ گرمی رخسار اور گرمی بازار کیا ہے؟

انسان پوچھتا ہے سوچتا ہے۔ تڑپتا ہے۔ جاگتا ہے۔ روتا ہے۔ اپنے سوال کا جواب مانگتا ہے۔ سفر پر بھیجنے والا نظر نہ آئے تو جواب دینے والا کہاں نظر آئے گا؟

سوچنے والی بات یہ نہیں ہے کہ یہ سفر کیا ہے؟ اس کا انجام کیا ہے؟ سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ کون ہے وہ جس نے ہمیں مسافر بنایا ہے؟ کون ہے جو ہمارے

ساتھ چل رہا ہے؟ کون ہے وہ جو ہمیں بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک لے آتا ہے؟ کون ہے وہ جس نے مجھے ذوق آگاہی دیا؟ کون ہے جو مجھے پکارتا ہے اور کون ہے وہ جسے میں پکارتا ہوں کون ہے وہ جو منزلوں پر روانہ کرنے والا ہے؟ کون ہے جو سفر دیتا ہے؟ کون ہے جو ہماری منزل ہے؟ کون ہماری نشانِ منزل ہے؟ کون ہے وہ جو میرے سفر سے پہلے تھا؟ اور کون ہے وہ جو میرے سفر کے بعد میں بھی ہوگا؟

ملتی نہیں ہے ناؤ تو درویش کی طرح
خود میں اتر کر پار اتر جانا چاہیے

ہمارے سوال کا جواب دماغ کے پاس نہیں ہے؟ لیکن دل بتاتا ہے کہ یہ عبدیت کا سفر ہے جو ابدیت کے حصول تک جاری رہے گا اس سفر کی ابتدا یہ دنیا ہے۔ جس میں بندگی کرنا ہے جس میں کام کرنا ہے۔ اس سفر کی انتہا آخرت کی دنیا ہے۔ ایمان بتاتا ہے۔ کہ ان سب کا حل یہ ہے کہ ہم اُس کی طاقت اور اس ذات پر ایمان لائیں جس نے پہاڑوں کو استقامت دی اور دریا کو روانی دی وہ جو بادلوں سے مینہ برساتا ہے۔ اور زمین سے پودے اگاتا ہے۔ وہ جس نے سورج کو منور کیا اور رات کو تاریکی دی وہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم کیا اور جس نے پرندوں کو پرواز کا فن دیا جس نے ہمیں پیدا فرمایا جس نے ہمیں گویائی دی اور بینائی دی ہمارا ہونا اس کے حکم سے ہے ہمارا نہ ہونا اسی کے حکم سے ہوگا۔

اس کے لئے سجدہ ہے تعظیم اور تکریم کا! **الحمدللہ رب العالمین**

''اے ہمارے مالک ہماری تنہائی پر رحم فرما ہمیں انسان آشنا کردے مالک ہمیں انسانوں کی قدر کرنا سکھا دے ہمیں انسانوں سے محبت کرنا سکھا ہمیں پہچان عطا فرما۔ ہمیں انسانیت کی عزت کرنا سکھا ہمیں ہماری ذات سے نجات دے ہمیں آخرت سے غافل نہ کر باری تعالیٰ ہمیں وفا سکھا۔ ہمیں صداقت فکر دے صداقت ذکر دے ہم پر عظمت انسان آشکار کر کہ یہی ہماری تنہائی کے کرب سے نجات کا راستہ ہے۔ اے مالک ہمیں ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا سکھا دے ہمارے باطن سے شکوک وشبہات دور کردے ہماری تنہائیوں کو محبت سے آباد کر ہمیں ایک عقیدہ دیا ہے تو کامیاب منزل کی طرف ہماری راہنمائی فرما''

ہماری عافیت ہمارے دین میں ہے اس طرح ہماری خوشیاں ہمارے اپنے حالات اور ماحول میں ہیں مور کو مور کا مقدر ملا کوے کو کوے کا انسان کو انسان کا یہ تقسیم تقدیر کی ہے ہم یہ نہیں جان سکتے کہ فلاں کے ساتھ ایسا کیوں اور ہمارے ساتھ ویسا کیوں نہیں؟ موسیٰ ؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا اللہ تعالیٰ تو نے چھپکلی کو کیوں پیدا فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا عجیب بات ہے ابھی ابھی چھپکلی پوچھ رہی تھی اے رب تو نے موسیٰ ؑ کو آخر کیوں پیدا کیا ہے؟

بس بات یہ ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر راضی رہے تقدیر میں تقابلی جائزہ ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں جن میں سر کھپانے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ جتنا رب نے چاہا اتنا ہمیں بتا دیا۔

ہمارا اصل عقیدہ ہمارا عمل ہے جو انسان اللہ تعالیٰ کے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی انسانوں کے قریب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا ہر انسان سے محبت کرتا ہے۔ جو ذات اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوتی ہے وہی کائنات کے لئے رحمت ہوتی ہے۔ پستیوں کی خدمت سے بلندی حاصل ہوتی ہے تضادات کو خالق کے حوالے سے پہچانا جائے۔ تو تضادات میں کوئی الجھاؤ نہیں۔ یہ تضادات نفرت کے لئے نہیں محبت اور پہچان کے لئے ہوتے ہیں۔ زندگی کے اس سفر میں خالق کو اپنے ساتھ ساتھ ہی رکھنا ہوتا ہے اور یہی صداقت ہے۔ **<u>اصل میں عبدیت کا سفر حقیقت کا سفر ہے۔ خالق کا تقرب حق کا تقرب ہے۔ خالق کی محبت حق کی محبت ہے۔ خالق کی رضا صداقت کی سند ہے۔ آئینہ صداقت میں جمال حقیقت نظر آسکتا ہے۔ اسی کی تلاش گو ہر مقصد کی تلاش ہے اور یہی تلاش حاصل ہستی ہے۔ اور یہی تلاش حاصل عین ایمان ہے۔ زندگی کے اس سفر میں دوسروں سے آگے نکلنے کے لئے تیز چلنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ہر رکاوٹ کے باوجود چلتے رہنا اور مسلسل چلتے رہنا ضروری ہے۔</u>**

13.7 ارب سال پہلے شروع ہونے والے اس انسان کے سفر کا پہلا حصہ ختم ہونے کو ہے۔

بہت جلد اس کے سفر کا دوسرا حصہ شروع ہونے کو ہے۔ جب اس عالم کی جگہ نئے زمین وآسمان وجود میں آجائیں گے ہم سب کے پاس صرف ایک اور بس یہی موجودہ سفر کا موقعہ ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اگر ہم نے کامیابی حاصل کر لی تو دوسرے سفر میں ہم ختم نہ ہونے والی دنیا میں کائنات کے بادشاہ بنا دیئے جائیں گے۔ اس لئے زندگی کے موجودہ سفر کو غنیمت جانیئے کہ ایسا موقعہ نہ پہلے کبھی ملا ہے اور نہ آئندہ ملے گا۔ اس سے فائدہ اٹھا لینا چاہیے قبل اس کے کہ یہ موقعہ ہمیشہ ہمیشہ کے

لئے ہم سب سے چھین لیا جائے۔

قرآن کا مقصد نزول ہمیں زندگی کی اس سب سے بڑی سچائی سے آگاہ کرنا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ وقت کی اس مسافرت میں ہم اگر کچھ کر سکتے ہیں تو وہ عمل ہے۔ اور اگر زندگی کی اس مسافرت میں یہ عمل صرف دنیا کی حسین ترین بیوی، اولاد، مال، سواری مکانوں اور کاروبار کے لئے کیا گیا۔ تو یہ عمل بھی فنا کی گھاٹ اتر جائے گا۔ کیونکہ!

یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے تو اس کے لئے کہا گیا عمل کس طرح حقیقت بن سکتا ہے؟ **مسافر کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سچا اور باقی رہنے والا عمل اگر ہے تو ایمان اور عمل صالح ہے۔ دوسروں کی خدمت اور ہمیشہ رہنے والا زندگی کے راز کو وہ مسافر پا سکتا ہے۔ جو اللہ کی بندگی میں ہے۔ اطاعت میں ہے۔ خدمت خلق میں ہے۔ دنیا دھوکہ ہے۔ آخرت حقیقت ہے۔**

غوطے تو لگائے زم زم میں، اب مست ہیں حُب دنیا میں
زم زم نے جسم کو پاک کیا، اب روح کو طاہر کون کرے؟

مومن جانتا ہے کہ زندگی کا موجودہ سفر اسے توشۂ آخرت اٹھانے کے لئے کرنا ہے۔ کیونکہ آخرت کے لئے کیا ہوا عمل ہی ابدی ہوگا۔ یہی سب سے بڑی حقیقت اور یہی سب سے بڑی سچائی ہے۔ غافل مسافر آخرت میں دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو کس طرح سے نواز رہا ہے۔ یہ وہ خوش نصیب ہوں گے جو زندگی کی مسافرت میں اُس کو (اپنے معبود کو) نہ بھولے۔ مگر غافل مسافروں کو ان نوازشات کی بجائے جہنم کا منہ دیکھنا ہوگا۔ ہماری یہ آنکھیں بھی بڑی ہی عجیب ہیں یہ جب تک بند نہیں ہوتیں کھلتی ہی نہیں۔ بند ہونے کے بعد کھلیں تو کیا کھلیں؟ اس وقت تو ندامت، پشیمانی اور حسرت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اب بھی وقت ہے آنکھیں کھولیں۔ اپنے سفر کا جائزہ لیں کہ کتنا سفر گزر گیا اور کتنا باقی ہے؟ آنکھیں بند ہونے سے پہلے پہلے کچھ کر لیں اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں کو بینا کر دے۔ (آمین)

****

ہوس زر و زمین

انسان اس دنیا کی واحد مخلوق ہے جس کو اللہ تعالی نے صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنے مالک اپنے پیارے اللہ کو راضی کر سکتا ہے۔ ہمارے تین دشمن ہیں:

1۔ نفس 2۔ ابلیس 3۔ یہ دنیا

ہمارا نفس، ابلیس کے مقابلے میں بادشاہ ہے۔ یعنی ابلیس ہمارے نفس کا وزیر ہے۔ ہمیں یہ دنیا آخرت کا توشہ تیار کرنے کے لئے دی گئی ہے۔ رزق کا وعدہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ آخرت کے لئے کوشش اور محنت کا حکم ہے اور ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ انسان کے لیے آخرت میں وہی ہوگا جو کچھ وہ اس دنیا میں کمائے گا۔

سورۃ الحشر، آیت نمبر 18 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے''۔

انسان کا نفس امارہ اسے ہر وقت دنیا کی ہوس میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ لوگوں کی رغبت دنیا میں بڑھ گئی ہے اس لئے رجحان مال جمع کرنے کی طرف رہتا ہے۔ اس طرح یہ دنیا انسان کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔

اس لئے ایک مرتبہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا:

ترجمہ: ''مجھے تمہارے بارے میں فقیری کا کوئی ڈر نہیں ہے، بلکہ مجھے خوف یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کو تم پر فراخ کر دیا جائے، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی اور پھر تم اس میں اس طرح پڑ جاؤ، جیسے وہ لوگ پڑ گئے تھے اور پھر وہ تم کو اس طرح غافل کر دے، جیسے ان لوگوں کو غافل کر دیا تھا''۔ (مسند احمد)

اگر ہم غور کریں تو ہم لوگ دنیا کی جو چیز بھی خریدتے ہیں اس کے دو پہلو یعنی دو حقیقتیں ہوتی ہیں:

1۔ پہلی حقیقت اس دنیا کی بے وفائی ہے یہ دنیا کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتی اور انسان خود بھی دنیا کی مان کر بے وفا ہو جاتا ہے۔

2۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ ہر پانچ سو سال بعد بستیوں اور شہروں کی ساری ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے۔

پہلی حقیقت:۔

ہم لوگ بڑی ہی محنت سے گھر بناتے ہیں۔ اپنی آدھی سے زیادہ عمر اپنے گھر بنانے میں لگا دیتے ہیں۔ جبکہ ہمارے مرتے ہی جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ نے جو گھر یہ سوچ کر بنایا تھا کہ اس میں ہمارے بچے رہیں گے اس میں ان کا کوئی بچہ بھی نہیں رہتا۔ اور نہ ہی ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ کس طرح ہمارے والدین نے یہ گھر پیسہ پیسہ جوڑ کر بنایا تھا۔ ہم لوگ اپنے ماں باپ کے اس بنائے ہوئے گھر کو اداس اور تنہا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اگر اللہ ان مکانات کو قوت گویائی دیتا تو یہ ہمارے جانے پر روتے ہوئے ہمیں نظر آتے۔ چیختے اور پکار پکار کر کہتے کہ خدا کے لئے ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ اپنے ماں باپ کی اس محبت اور محنت کو یاد کرو کہ کس طرح کن کن مشکلات کے بعد انہوں نے تمہارے لیے ہمیں بنایا تھا۔ لیکن ہم تو پیچھے مڑ کر مکانات کو دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔

دوسری حقیقت:۔

یہ ہے کہ ہر پانچ سو سال کے بعد بستیوں اور شہروں کی ساری ہیئت ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔ گاؤں کی جگہ شہر آباد ہو جاتے ہیں اور شہروں کی جگہ گاؤں آباد ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس دنیا کے ہر خطے اور ہر گوشے کو تغیر ہے کے ہر پانچ سو سال کے بعد زمین اپنی شیپ ہی تبدیل کر دیتی ہے۔ شہروں کی جگہ جھیلیں بن جاتی ہیں جھیلوں کی جگہ گاؤں آباد ہو جاتے ہیں۔ گاؤں جنگلات میں تبدیل ہو جاتے ہیں یعنی دیہات سڑکوں میں دفن ہو جاتے ہیں اور سڑکیں جنگلات میں گم ہو جاتی ہیں۔ یعنی یہ زمین جس کے لئے ہم آج بھاگ دوڑ کرتے ہیں بھائی بھائی کے خلاف لڑتا ہے، جائیدادوں کے مقدمے چلتے ہیں۔ یہی زمین پانچ سو سال کے بعد یعنی ہماری رہائش، ہمارے محلے، ہمارے شہر سمیت کسی جھیل میں دفن ہو جائیں گے۔ اس وقت ہماری ہڈیوں کی خاک تک کا نشان ان ہواؤں میں موجود نہ رہے گا۔ یہی اللہ تعالی کا اصول ہے اور یہی ایک سائنٹفک حقیقت ہے۔

کسی زمانے میں اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھنے والے ایک نوجوان کے پاس حضرت خضر علیہ السلام تشریف لایا کرتے تھے۔اس بات کا تذکرہ جب اس دور کے بادشاہ کے سامنے ہوا تو بادشاہ نے اس نوجوان عارف کو اپنے دربار میں طلب کیا۔اور اس سے تنہائی میں دریافت کیا" کیا تمہارے پاس واقعی حضرت خضر علیہ السلام تشریف لاتے ہیں"؟ نوجوان نے جواب دیا''جی ہاں یہ درست ہے''۔ بادشاہ نے نوجوان سے درخواست کی" اگر اب تمہارے پاس حضر علیہ السّلام تشریف لائے تو مجھ سے بھی ان کی ملاقات کروانا" ۔اس نوجوان نے بادشاہ کی بات مان لی۔ پھر جب حضرت خضر علیہ السلام اس نوجوان کے پاس تشریف لائے تو نوجوان نے ان سے بادشاہ کی خواہش کا تذکرہ کیا۔حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا''چلو ہم ان کے پاس چلتے ہیں''۔

چنانچہ یہ دونوں بادشاہ کے محل میں پہنچے۔ بادشاہ نے حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت کیا''کیا آپ ہی حضرت خضر علیہ السلام ہیں؟''۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ''جی ہاں میں ہی خضر ہوں''۔ بادشاہ نے کہا" آپ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کا زمانہ دیکھا ہے ہمیں کوئی عجیب وغریب قصہ سنائیے" ۔حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا''میں نے دنیا میں عجیب عجیب چیزیں دیکھی ہیں۔ان میں سے ایک تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں سنو!ایک مرتبہ میرا گزر ایک وسیع وعریض خوبصورت آباد شہر میں سے ہوا، میں نے اس شہر کے باشندوں سے پوچھا" یہ شہر کب سے آباد ہے"؟ انہوں نے کہا" یہ شہر تو بہت پرانا ہے اس کی ابتدا کا تو ہمیں علم نہیں ورنہ ہمارے آباؤ اجداد کو اس کا علم ہے اللہ ہی جانتا ہے کہ کب سے یہ شہر آباد چلا آرہا ہے"؟ یہ جواب سننے کے بعد میں نے وہاں پر اپنا کام مکمل کیا اور آگے روانہ ہو گیا۔پھر پانچ سو سال بعد میرا گزر اسی جگہ پر سے ہوا۔اب وہاں شہر کا نام ونشان تک نہ تھا ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا۔ بالکل بیابان جنگل۔ بہت دیر کے بعد مجھے وہاں پر ایک آدمی ملا جو سوکھی ہوئی لکڑیاں چن رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا" اس جگہ پر آباد شہر کب برباد ہوا"؟ میری بات سن کر وہ ہنسنے لگا اور بولا''اس جگہ پر تو ہمیشہ سے جنگل ہی تھا''۔یہ بات سننے کے بعد میں آگے بڑھا اور پھر اسی مقام پر پانچ سو سال کے بعد گزر ہوا۔اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک بہت بڑا دریا بہہ رہا ہے۔دریا اتنا بڑا ہے کہ اس کا دوسرا کنارہ نظر ہی نہیں آرہا۔دریا پر کچھ مچھیرے جال ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے وہ لوگ مجھے دیکھنے لگے۔ میں نے ان سے پوچھا ''یہ ایک گھنا جنگل تھا وہ کب ختم ہوا؟ اور یہ دریا کب سے بہنے لگا؟'' انھوں نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ان میں سے ایک بولا''صورت وشکل سے تو تم ایک عقل مند آدمی نظر آتے ہو لیکن عجیب سوال کر رہے ہو۔ یہاں تو ہمیشہ سے ہی دریا تھا''۔میں نے کہا''یہاں پر پہلے جنگل نہ تھا''۔وہ کہنے لگے''ہرگز نہیں، نہ ہم نے دیکھا اور نہ ہمارے باپ دادا نے دیکھا۔ یہاں پر تو ہمیشہ سے دریا ہی بہہ رہا ہے''۔میں وہاں سے چلا آیا۔ پانچ سو سال کے بعد میرا اس خطے میں دوبارہ گزر ہوا اب وہاں پر لق ودق چٹیل میدان تھا۔وہاں سے ایک چرواہا اپنا ریوڑ ہانکتے ہوئے گزرا۔تو میں نے اس سے پوچھا''بھائی یہاں ایک بہت بڑا دریا تھا وہ کب خشک ہو گیا؟''اس نے میری طرف ایسے دیکھا جیسے میری عقل پر شبہ ہو۔اور پھر بولا''دریا۔۔۔۔۔یہاں تو کبھی کوئی دریا نہیں تھا۔میں نے اپنے داداؤں اور پرداداؤں سے بھی نہیں سنا کے یہاں کوئی دریا تھا''۔میں یہ بات سن کر آگے بڑھ گیا۔قدرت کی شان دیکھئے کے پانچ سو سال بعد میرا گزر پھر اسے خطے میں ہوا۔ میں نے جواب یہاں دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔وہاں تو ایک بہت ہی عظیم الشان شہر آباد تھا یہ تو اس شہر سے زیادہ وسیع اور عریض تھا جو میں نے یہاں پر دو ہزار سال پہلے دیکھا تھا۔ میں نے حسب عادت ایک شخص سے پوچھا''یہ شہر کب سے آباد ہے؟''اس نے کہا''بزرگوار یہ شہر تو بہت قدیم ہے۔یہ کب آباد ہوا اس کے بارے میں حتمی طور پر ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے ہم تو اس کو پچھلی نسلوں سے آباد ہی دیکھ رہے ہیں غالباً یہ تو صدیوں سے آباد ہے''۔

یہ قصہ سنا کر حضرت خضر علیہ السلام بادشاہ کے محل سے تشریف لے گئے۔

تو یہ دنیا یہ زمین ایک طرف بقا ہے دوسری طرف فنا ہے۔انسان اس حقیقت کو جانتا اور مانتا ہے لیکن پھر بھی یہ انسان اس زمین کے لئے ،اس جائیداد کے لئے ان گھروں کے لیے لڑتا، جھگڑتا اور مرتا رہتا ہے۔یہ زمین یہ دنیا نہ کسی کی ہے نہ کسی کی ہوگی اور نہ ہی کسی کے پاس رہے گی۔

ہم لوگ مٹی سے بنے ہیں اور ہماری تمام خواہشات اور آرزوئیں بھی ایک دن اس مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گی۔

انسان کو اللہ تعالی نے اشرف الخلوقات بنایا ہے اور بے شمار خوبیوں سے نوازا ہے۔اس لئے کہ انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنے مالک وخالق اپنے پیارے پیارے معبود کو راضی کر سکتا ہے۔

دنیا کی تمام مخلوق اللہ تعالی کے حکم پر مامور ہیں اس میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ اس نکتے کو سمجھے۔اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ سامنے رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے لیکن اس کی سرکشی نے اس کی گردن کو پکڑ ادیا اور وہ نہ مانا اور حکم عدولی کی۔ ابلیس نے نہ صرف سرکشی کی بلکہ مزید سرکشی کیلئے مہلت مانگی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ کردیا گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے اتارا گیا اور کروڑوں سال سے زمین پر خوار ہو رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی قدرت، اس کی ذات کی بڑائی کے بارے میں جتنی معلومات ابلیس کو تھیں اور کسی کو نہیں تھیں۔ اس لیے اس نے گنا نہیں بلکہ گناہ پر جرات کی اور کررہا ہے اور آخر کار اس کا انجام جہنم ہوگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں گندم کا دانہ کھانے سے منع فرمایا تھا۔ لیکن ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکایا اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو گندم کا دانا کھلانے میں کامیاب ہوگیا۔ بہر حال حضرت آدم علیہ السلام سے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے بھی ناراض ہوا اور انہیں بھی زمین پر بھیج دیا گیا۔

نافرمانی دونوں نے کی لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی نافرمانی میں بڑا فرق ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ ابلیس کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کی قدرت اور اس کے وسیع اختیارات کے بارے میں پوری آگاہی تھی۔ دوسرا اس نے لوح محفوظ پر یہ عبارت پڑھ لی تھی کہ ''ہمارا ایک بندہ ایسا ہوگا جس کو ہم زمین سے آسمان تک لائیں گے اور پھر اس کو وسیع علم عطا کیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو ایک حکم فرمائے گا۔ اور وہ اس حکم کو ماننے سے انکار کردے گا''۔ یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے وہ نافرمانی کا مرتکب ہوا۔

اس کے برعکس حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان کے حربوں، اس کی چالوں اور اس کی مکاری کا پہلے سے علم نہ تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ناسمجھی میں ابلیس کے کہنے پر گندم کا دانہ کھالیا تھا۔ پھر ان کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہوگیا تھا۔ وہ فوراً ہی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگے وہ سجدے میں پڑے رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی، اپنی غلطی اور اپنی نافرمانی کی معافی مانگتے رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف نہ کردیا۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہ ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا یہ طریقہ ہمیں حضرت آدم علیہ السلام نے ہی سکھایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا انسان کے لئے سب سے بڑا انعام ''توبہ'' ہے۔ انسان اس انعام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کرسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بندے کی کسی بھی خطا، کوتاہی گناہ یا جرم پر ناراض ہوجائے تو وہ بندے کی توبہ پر راضی ہوکر اسے معاف کردیتا ہے۔

ندامت کے دو آنسو پروردگار کے ہاں توبہ تصور کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کے گناہ کرنے کے بعد اگر بندہ یہ کہہ دے کہ میں نے یہ کیا کردیا، کاش میں ایسا نہ کرتا۔ تو وہ گناہ بھی بندے کے صرف پچھتانے اور پشیمانی پر معاف کردیا جاتا ہے۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی توبہ قبول کرلیتا ہے تو اس پر اپنے رحم و کرم کے دروازے کھول دیتا ہے۔ وہ بندہ اپنے دل میں سکون اور آسودگی محسوس کرتا ہے۔ یعنی سکون قلب بندے کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہوتا ہے۔

اسلام ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے کہ آدمی اگر چاہے تو پرسکون زندگی گزار سکتا ہے۔ اس کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر اور نعمتوں کے فقدان پر صبر کیا جائے۔ اس دنیا کو مقصد زندگی نہیں بنانا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان سکون کے گہوارے میں ابدی زندگی تلاش کرے۔ یہ مال و زر یہ جائیدادیں یہ دولت سب فانی چیزیں ہیں۔ یہ سب انسان کے استعمال کے لیے بنائی گئی چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز انسان کے لیے بنائی ہے اور انسان کو اپنے لئے۔ جبکہ یہی انسان آج کل یہ باور کروانے میں مصروف ہے کہ مجھے دنیا کے لیے بنایا گیا ہے۔

ہماری منزل یہ دنیا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ آل عمران، آیت نمبر 109 میں فرماتا ہے:-

ترجمہ:-''اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام کام لوٹ جائیں گے''۔

قرآن پاک سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 30 میں فرمان الٰہی ہے:-

ترجمہ:-''تم پر جو مصائب آتے ہیں، وہ تمھارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سی خطاؤں کو درگزر کرتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں سیدھے سادے معصوم لوگ، پیار و محبت کرنے والے لوگ، قوم کی فلاح و بہبود چاہنے والے لوگ، نظام کائنات پر غور و فکر کرنے والے لوگ پر اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے والے لوگ، اللہ تعالیٰ سے دوستی کرنے والے لوگ۔

اس کے برعکس دوسرے گروہ میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی کا مقصد ذاتی منفعت، خودغرضی، لوٹ مار، مادو دہشت گردی اور معاشرے کا سکون غارت کرنا۔ صنعت وتجارت میں وہ راہ اختیار کرنا جس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق مظلوم رہے، روتی رہے اور کراہتی رہے۔

معاشرے میں جب ایسی منفی قدریں زیادہ ہوجاتی ہیں تو قدرت اپنا فیصلہ نافذ کردیتی ہے۔ **اس کا جاری اور نافذ قانون یہ ہے کہ وہ معاشرے کی برائیوں کو دھونے کے لیے، خودغرضی جیسے طوفان کو ختم کرنے کے لیے، زمین میں فساد پھیلانے والوں کو سزا دینے کے لیے ایک تبدیلی لے آتی ہے۔ جہاں زمین ہے وہاں پانی آجاتا ہے اور جہاں پانی ہے وہاں خشک زمین ظاہر ہوجاتی ہے۔**

زمین اللہ تعالیٰ نے بہترین مخلوق، اشرف المخلوقات انسان کے لیے بنائی ہے۔ جب انسانی قدریں پامال ہوجاتی ہیں تو انسان اپنے شرف سے محروم کردیا جاتا ہے اور پھر اس کے اوپر طرح طرح کی بیماریاں، مصیبتیں اور پریشانیاں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ زلزلے آتے ہیں، سیلاب آتے ہیں، طوفان اور آندھیاں آتی ہیں۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہوجاتا ہے۔ آبادیوں کو سمندر نگل جاتا ہے۔

آج پھر وہی حالات ہیں جو طوفان نوح سے پہلے تھے۔ ہر طرف فساد، لالچ، خودغرضی، قتل وغارت اور دہشت گردی کا دور دورہ ہے۔ اب دنیا پھر طوفان کی زد میں ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان لالچ، ہوس اور خودغرضی کے خول سے نکل آئے۔ اپنے انجام کے خوف سے لرزے۔ اخلاص اور ایثار کا رویہ اختیار کرے۔ فحاشی، عریانی کی طرف نہ جائے۔ توبہ اور استغفار کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔ ہمیں اس ذات کے راضی کرنے کے علاوہ کہیں سکون میسر نہیں آسکتا۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی؟
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

****

خوش نصیب یا بدنصیب

1۔ انسان بڑا خوش نصیب ہے کہ: اسے جنت کی بے مثال نعمتوں اور لافانی بادشاہت کے حصول کا موقعہ ملا ہے۔

2۔ انسان بڑا خوش نصیب ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی وساطت سے اسے جنت تک پہنچنے کے راستے کھول کھول کر بتا دیئے۔

3۔ انسان بڑا ہی بدنصیب ہے کہ: اس کا نفس دنیا کی حقیر چیزوں اور عارضی لذتوں کے پیچھے لگ کر اسے اس سنہری موقع سے غافل کر دیتا ہے۔

4۔ انسان بڑا ہی بدنصیب ہے کہ: مردود شیطان اسے گناہوں اور سرکشی میں مبتلا کر کے باغ بہشت کے بجائے نار جہنم میں دھکیل دیتا ہے۔

کوئی خوش نصیب اگر بدنصیبی سے بچنا چاہتا ہے۔ تو اسے ان دونوں دشمنوں سے لڑ کر اپنی منزل تک پہنچنا ہوگا۔ ان کے طریقہ واردات سے آگاہی حاصل کر کے انہیں نیچا دکھانا ہوگا۔ ورنہ راستے کے یہ راہزن اس کی منزل کو کھوٹا کر دیں گے۔ ان دشمنوں میں پہلا دشمن شیطان اور دوسرا دشمن نفس۔

1۔ **شیطان:۔** یہ وہ دشمن ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ چیلنج دیا تھا کہ اگر اسے مہلت عمل دی جائے تو وہ نسل انسانی کو برباد کر کے دم لے گا۔ انسان اس زندگی کی کوشش اور جدوجہد میں یہ بھول جاتا ہے۔ کہ کسی نے اتنی بڑی قسم کھا کر اس کو برباد کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔ اور وہ بے خبری میں شیطان اور اس کی ذریت اور انسانوں میں سے اس کے ایجنٹوں کے قریب آجاتا ہے اور ان کے فریب میں آکر اپنی قبر میں جہنم کی آگ آپ تیار کر لیتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آخیر انسان شیطان کے فریب میں کیسے آجاتا ہے؟ اس کی وجہ کچھ اور نہیں ہے۔ وجہ اس کا دوسرا دشمن ہے یعنی نفس۔

2۔ **نفس:۔** جو اس کے وجود کا ایسا حصہ ہے جو اگر نہ ہو تو انسان اپنی زندگی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ نفس انسانی وجود کے اندر ایک Regulator ہے۔ یا یہ ایک قوت ہے جو اپنی مرضی کے ساتھ انسانی وجود کا اُتار چڑھاؤ گرمی سردی یا مزاج مقرر کرتا ہے۔ قول کی حد تک نفس راضی رہتا ہے اور خوش رہتا ہے لیکن جب عمل کی صورت میں جانا پڑے تو پھر گھبراتا ہے۔ اور یہ خدمت کسی بھی صورت میں قبول نہیں کرتا۔ یہ پیٹ اور جنس کے تقاضوں میں اپنا اظہار کرتا ہے۔ یہ مال و مکان اور نام اولاد کو مرغوب رکھتا ہے۔ یہ لذت ذائقے اور حسن و دلکشی کا دلدادہ ہے۔ یہ عیش عشرت کا دیوانہ ہے۔ ہم اسے غدار کہیں، بیوقوف کہیں، مفاد پرست کہیں یا کچھ اور کہیں یہ ہمارے اندر شیطان کا ایجنٹ ہے۔ ایسا ایجنٹ جو اکثر اوقات شیطان سے بھی بڑا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خواہشات، جذبات اور مرغوبات ہمارے اندر اس لئے رکھی ہیں چونکہ ان کے بغیر معاشرت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ نفس ان ضروریات سے آگے بڑھتا ہے۔ اور ایک ناسمجھ بچے کی طرح خیر و شر، نیک و بد جائز و ناجائز کی ہر تمنا سے بے نیاز ہو کر اپنے مطالبات سامنے رکھ دیتا ہے۔ جب اس کی بات مان لی جاتی ہے تو یہ مزید پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے مطالبات بڑھنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ لذت کا پجاری حلال کی یکسانیت سے بےزار ہو جاتا ہے۔ پھر شریعت الٰہی کی حرمتوں کو بیڑیاں سمجھ کر توڑنا شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ حرص و ہوس کی وادیوں میں اتر جاتا ہے۔ اس کے منہ کو حرام لگ جاتا ہے۔ پھر حرام کی اس آگ کو کوئی ٹھنڈا نہیں کر سکتا۔ سوائے جہنم کی آگ کے اور جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ گرم اور تکلیف دینے والی ہوگی۔

حدیث: نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ”میں اپنی امت میں سے یقینی طور پر ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن تہامہ کے پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کو (ہوا میں منتشر ہو جانے والا) غبار بنا کر ہوا میں غارت کر دے گا“، ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمائیے اور کھول کر بیان فرمائیے تاکہ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہم ان میں سے نہ ہو جائیں“، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”وہ لوگ تم لوگوں کے دینی بھائی ہوں گے اور تمہاری طرح دین اسلام پر ہوں گے اور رات کی عبادات میں اسی طرح حصہ لیں گے جس طرح تم لوگ لیتے ہو (یعنی تم لوگوں کی ہی طرح قیام اللیل کریں گے) لیکن ان کا معاملہ یہ ہوگا کہ جب وہ لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں کو تنہائی میں پائیں گے تو انہیں استعمال کریں گے“۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4386، کتاب الزھد، باب 29)

مندرجہ بالا حدیث میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو انٹرنیٹ، فیس بک (facebook)، واٹ سیپ (whatsapp)، انسٹاگرام (instagram)، ٹک ٹاک (tik tok)، ایمو (imo)، ڈیلی موشن (dailimotion) یوٹیوب (youtube) اور لائیکی (Likee) وغیرہ پر مختلف قسم کی غلط تحریروں اور غلط قسم کی فلموں کو دیکھ کر لطف

اٹھاتے ہیں اوران پر گندے اشعار اور جملے تحریر کرتے ہیں اور پھران پر تبصرے کرتے ہیں-

یادرکھیں! ''زنا'' اوّل آنکھ سے شروع ہوتا ہے- اس کے بعد دل میں اترتا ہے- اب آنکھوں سے یہ تمام باتیں دیکھنے اور دل میں ان تمام باتوں سے لطف اندوز ہونے والے مسلمان چاہے نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں، تہجد گزار ہوں مندرجہ بالا فرمان نبوی ﷺ کے مطابق ان کے یہ تمام نیک اعمال ضائع ہوجائیں گے- حدتو یہ ہے کہ حدیث مبارکہ کی رو سے تہامہ کے پہاڑوں کے برابر وزن رکھنے والی نیکیاں ہوا کے غبارے کی طرح بھک سے اڑادی جائیں گی (یعنی ان کے تمام نیک اعمال برباد ہو جائیں گے)

نفس کی آگ کو بھڑکانے کے لئے شیاطین کے لشکر پہلے سے انسان کے وجود کا احاطہ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔قرآن بتاتا ہے کہ یہ شیاطین جنوں ہی میں سے نہیں بلکہ انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں۔ یہ انسان وہ ہوتے ہیں جو خیر اور اصلاح کے ہر راستے کو بھول کر اپنی خواہشات اور مفادات کے غلام بن جاتے ہیں۔شیطان انہیں اپنا ایجنٹ بنالیتا ہے۔ پھر دونوں مل کر مکروفریب اور گمراہی کے ایسے جال بُنتے ہیں کہ الامان والحفیظ- یہ جال کبھی مذہب کے نام پر بنایا جاتا ہے کہیں میڈیا کے ذریعے سے پھینکا جاتا ہے۔کہیں کوئی سیاسی لیڈر یہ کام کرتا ہے۔اور کہیں بڑے بڑے کاروباری لوگ ہوس زر میں شیطان کے مرید بن جاتے ہیں نفس اور شیطان کی اصل نوعیت کو جان لینے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے شر سے کیسے بچا جائے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں کے ہتھیاروں اور ان دونوں کے حملوں کے توڑ کو پہچانا جائے تبھی یہ ممکن ہے کہ انسان روز قیامت جنت کی ابدی بادشاہی کا امیدوار ہوسکے گا۔

شیاطین کے دو بنیادی ہتھیار ہوتے ہیں:- 1۔پہلا وسوسہ انگیزی 2۔اور دوسرا تزئین اعمال

1-وسوسہ انگیزی کا مفہوم تو بالکل واضح ہے:- شیاطین جن دلوں میں خیالات ڈالتے ہیں بار بار برائی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ مدرڈے، فادرڈے، ویلن ٹائن ڈے، بسنت، پاکستان Idol جبکہ شیاطین انس پروپیگنڈا، اشتہارات میڈیا یا دلفریب تقریروں، جذباتی نعروں، لچھے دار باتوں منطقی بحثوں سے لوگوں کو رام کرتے ہیں۔

2-شیاطین کا دوسرا ہتھیار تزئین اعمال ہے:- یعنی یہ برائی کو کبھی برائی کی شکل میں پیش نہیں کرتے۔ بلکہ تاویل کا رنگ چڑھا کر۔ ہرگندگی کو پاکی، ہرخامی کو خوبی اور ہر بدصورتی کو حسن بنا کر پیش کرتے ہیں۔

انسان اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی طرح شیطان کے دھوکے میں آکر پھندے میں پھنس جاتا ہے۔حضرت آدمؑ کو تو ہدایت دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔اور حضرت آدمؑ کو پہلے سے شیطان کے حربوں کا اندازہ بھی نہ تھا نہ ان کے پاس شیطان سے بچنے کی کوئی تدبیر تھی نہ شیطان کے دشمن ہونے کے بارے میں انہیں بتایا گیا تھا۔تعجب تو اس انسان پر ہے کہ قرآن پاک جیسی کتاب اس کے ہاتھوں میں ہے۔شیطان کے کھلے حربے اس کو معلوم ہیں شیطان کا اللہ تعالیٰ کو چیلنج کے بارے میں یہ جانتا ہے۔حضرت آدمؑ کے واقعہ سے واقف ہے کہ کس طرح شیطان نے حضرت آدمؑ کو جھانسے میں لیا اور ان سے گناہ کروایا۔اس کے باجود یہ انسان یہ اولاد آدم زندگی بھر شر کو خیر سمجھ کر اس سے چمٹی رہتی ہے۔

قرآن وحدیث میں اس مکار شیطان سے بچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں جس میں سب سے بڑا اور سب سے آسان طریقہ اللہ کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے کسی اسم کی مالا جپنے کا نام نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت (پہچان) اور اس کی یاد میں جینے کا نام ہے۔

یہ ان غیبی حقائق کو ذہن میں تازہ رکھنے کا نام ہے جن کو مادی دنیا کی تگ ودو میں انسان فراموش کردیتا ہے۔ یہ رب کائنات کی مدد اور عافیت طلب کرنے کا نام ہے۔ جو انسان کو برائی سے بچانے پر قادر ہے۔

قرآن پاک میں حضرت یونسؑ کے بارے میں ایک واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔حضرت یونسؑ کی بستی والے جب ان کی دعوت تبلیغ کے باوجود راہ راست پر نہ آئے تو حضرت یونسؑ ان کو چھوڑ کر چلے اور ایک کشتی میں سوار ہوئے اور پھر کشتی کا وزن زیادہ ہونے پر کشتی کے ملاح نے قرعہ ڈالا کہ ایک شخص کشتی میں وزن سے زیادہ ہے قرعہ حضرت یونسؑ کے نام نکلا اور تین مرتبہ ایسا ہی ہوا پھر انہیں کشتی سے دریا میں ڈال دیا گیا فوراً ہی ایک بڑی مچھلی نے انہیں نگل لیا۔قرآن پاک میں اس کا ذکر اس انداز میں موجود ہے۔

ترجمہ: ''ایک مچھلی اسے نگل گئی اور وہ بہت نادم ہوا۔اگر وہ ہمارا ثناخواں نہ ہوتا۔تو بطن ماہی ہی میں قیامت تک رہتا۔لیکن ہم نے اسے نکال کر میدان میں پھینک دیا اور وہ بے حد نڈھال تھا'' (سورہ الصّافات، آیت نمبر 142،143،144،145)

کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت یونسؑ بطن ماہی سے اس وجہ سے نکالے گئے وہ اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے اور اس سے بھی عجیب تر یہ کہ جب اس بستی والوں نے

بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو وہ بھی تکلیفوں اور عذاب سے محفوظ کر دیئے گئے۔

ذکر کی دوسری قسم جو انسان کو تزئین اعمال کے شیطانی حربوں سے بچاتی ہے وہ قرآن پاک کی تلاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ الزخرف، آیت 36 تا 39 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور وہ ان کو (اللہ کی) راہ سے روکتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو ہدایت ہی پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب یہ ہمارے پاس آئے گا۔ تو کہے گا کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق کے دونوں کناروں (کے برابر) کی دوری ہوتی۔ پس کیا ہی بُرا ساتھ ہوگا۔ اور جب کہ تم نے اپنے اوپر ظلم ڈھائے تو یہ چیز تمہارے لیے ذرا بھی نافع نہ ہوگی۔ کہ تم عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہو۔''

قرآن پاک نہ صرف حق و باطل میں انسان کو درست راستہ دکھاتا ہے۔ بلکہ دین کی ترجیحات کے معاملے میں بھی انسان کو کبھی کسی غلطی میں مبتلا نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ قرآن پاک کو سوچ سمجھ کر فکر و تدبر سے پڑھنے والا انسان نہ صرف گناہ اور نیکی کی تفریق کو اچھی طرح سمجھنے لگتا ہے بلکہ وہ نیکیوں کے معاملے کو بھی خوب جان لیتا ہے کہ کس نیکی کا کیا مقام ہوتا ہے؟ ہمیں فرض، واجب، سنت اور مستحب کا فرق پوری طرح واضح ہونا چاہئے۔

فرائض کی بجا آوری کے بعد انسان اللہ تعالیٰ کی رضا میں چلا جاتا ہے۔ یعنی اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور نوافل کی زیادتی سے اسے قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت گو کہ نفلی عبادت ہے لیکن قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ بھی یہی ہے۔ دین سے ناواقفیت کی بنا پر لوگ واجب کو مستحب کے درجے پر اور مستحب کو واجب کے درجے پے لے آتے ہیں۔ ایسے لوگ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ محفل درود شریف محفل ختم قرآن شریف، محفل میلاد شریف، محفل ختم خواجگان، محفل ختم غوثیہ، اور اس طرح کی تمام محفلیں مثلاً سوئم، فاتحہ، قل، چہلم، جمعراتیں، قبروں پر جا کر دعا کرنا، نذر و نیاز، برسی کی محفلیں تمام معتبر اور پاکیزہ محفلیں مستحب ہیں اور کار خیر ہیں اور ان کے کرنے کا بے حد ثواب ہے۔ لیکن ان محافل کا اہتمام کرنے والا اگر بے نمازی ہے۔ قرآن پاک نہیں پڑھتا حلال اور حرام کا خیال نہیں رکھتا تو ان محافل کا ثواب تو اسے مل جائے گا لیکن فرائض کی پوچھ اس سے ضرور ہوگی۔ اس لیے اپنی ذاتی تربیت کی طرف زیادہ اور پوری توجہ دیں۔ ہر فرض قرض ہے۔ اپنا قرض اتارنے کی فکر زیادہ رکھیں۔ یہ کسی صورت معاف نہ ہوگا۔ ہر شخص اپنے اعمال کا جائزہ لے کر دیکھے کہ شیطان نے کس حد تک اس پر قبضہ کر رکھا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کا کس حد تک مقروض ہے۔؟ اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے کتنے قرضے ہیں جو معاف نہیں ہوں گے؟ اور وہ ان قرضوں کو اتارنے کی کتنی فکر کر رہا ہے؟ ابھی وقت ہے قرضہ اتارا جا سکتا ہے اور قرضہ اتارنے کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔ ''باری تعالیٰ میں تیرا بے حد مقروض ہوں اپنے کرم و فضل سے مجھے اس قابل بنا کہ میں یہ قرضے اتار سکوں یہ قرضہ میں تیری توفیق کے بغیر اور تیری دی ہوئی ہدایت اور طاقت کے بغیر نہ اتار سکوں گا۔ لیکن باری تعالیٰ اگر درمیان میں مجھے موت آجائے تو جہاں تو میرے اور گناہوں کو معاف کرے گا۔ یہ قرضے بھی معاف فرما دینا۔ آمین!

اگر قرض اتارنے کے ساتھ ساتھ یہ دعا کرتے رہیں اور درمیان میں موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ معافی فرما دے گا۔ لیکن اگر بے فکری اور دنیا داری میں لگے رہے تو ہر قرض کی پوچھ اور محاسبہ ہوگا۔

تزئین اعمال کے ناطے سے ہم دیکھتے ہیں کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے پیروکار کھانے سے پہلے ہاتھ کیوں نہیں دھوتے۔ عیسائیوں نے نیکی کے تمام کاموں پر خود رہبانیت کی راہ اختیار کر لی اور شریعت کو چھوڑ دیا رمضان کے مہینے کے روزے عیسائیوں پر بھی فرض تھے لیکن ان کے اُمرا کو سخت گرمی اور سخت سردی کی وجہ سے دشواری ہوئی تو انہوں نے خود ہی موسم بہار روزے رکھنے کے لیے تجویز کر دیا۔ دس روزے بڑھا لیے کہ یہ کفارے کے طور پر ہیں یہ انہوں نے خود فیصلہ کیا تھا اور شریعت کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

جبکہ مشرکین مکہ مردار کھاتے تھے اور برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور اس کو عبادت خیال کرتے تھے اور کہتے بھی یہ تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے یہ سب شیطان کی تزئین کی مثالیں ہیں۔ کہ شیطان نے یہ اعمال لوگوں کی نگاہ میں بھلے بنا دیئے۔ قرآن پاک کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی ہے ہی نہیں جو انسان کو اس قسم کے تزئین اعمال جیسے شیطانی حربوں سے محفوظ رکھ سکے۔ **تاہم قرآن کریم کی یہ پناہ صرف اور صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو حضرت آدمؑ کی طرح عاجزی میں زندہ ہوں۔** جو اس امکان کو ہر لمحہ تسلیم کرتے ہوں کہ انسان غلطی کا پیکر ہے اور اس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ پھر ان میں اتنا حوصلہ بھی ہو کہ غلطی کا اعتراف کر کے صحیح بات قبول کر لیں۔ یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں اور یہی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اپنی غلطی کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے ہدایت کا ہر دروازہ بند

ہو جاتا ہے۔ شیطان ان کا ساتھی اور ان کے غلط اعمال ہی ان کے راہنما بن جاتے ہیں۔

شیطان کے بعد اب نفس کا معاملہ ہے:- نفس لذت اور مفادات کا غلام ہے۔ یہ کوئی خارجی چیز نہیں ہے جبکہ انسان کے اپنے وجود کے اندر موجود ایک طاقت ہے ایک حقیقت ہے اس سے بچنے کا کوئی خارجی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ اس سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے ہمت اور صرف ہمت۔ جب کسی غلط کام کی طرف توجہ جائے۔ جب حرام کا پیسہ آسانی سے آتا دکھائی دے۔ جب کاہلی اور غفلت کا غلبہ ہو جائے۔ جب بے شمار غلط قسم کے آسان ذرائع زندگی میں آسانی پیدا کرنے کے لیے نظر آئیں۔ تو ایسے میں صرف ہمت ہی وہی شے ہے جو نفس کے بے لگام گھوڑے کو قابو میں کرتی ہے۔

دین نے جو لازمی عبادات مقرر کی ہیں ان کی جہاں دیگر مصلحتیں ہیں وہیں یہ انسان کو ان دونوں دشمنوں سے مقابلے کے لیے ہتھیار بھی فراہم کرتی ہیں۔

ان میں سے دو شیطان کے خلاف انسان کو تیار کرتی ہیں جبکہ دو نفس کے خلاف انسان کو تیار کرتی ہیں۔

1- **نماز اور حج:**- اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی قربت کا ذریعہ ہیں یہ دونوں شیطانی حربوں کے خلاف ایک ڈھال ہیں۔ اور شیطانی ترغیبات کے خلاف ایک مزاحمت پیدا کر دیتی ہے۔

2- **جبکہ روزہ اور زکوٰۃ:**- یہ دونوں عبادات انسان کے مادی تقاضوں پر ضرب لگاتی ہیں۔ یہ انسان کو اس ہمت سے آگاہ کرتی ہیں جو انسان کے اندر موجود ہے اور جس کی مدد سے وہ بھوک پیاس کو برداشت کرتا۔ اور اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے یہی ہمت ہے جو نفس کے خلاف انسان کا سب سے مؤثر دفاع ہے۔

خالق نے یہ زندگی عبدیت کے لیے بنائی ہے اور عبدیت کی راہ پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے شیطان اور نفس کے ہر ہر حربے سے آگاہ کیا ہے۔ تاکہ عبدیت کی اس راہ پر چلنے والے ابدی زندگی پا سکیں۔ وہ زندگی جس میں نفس اور شیطان کا کوئی دخل نہ ہوگا۔ جس میں دشمن کی دیدہ دلیریاں کسی محفل کو درہم برہم نہ کر سکیں گی۔ جس میں شب و روز کی گردش خوشیوں اور نعمتوں میں محرومی اور مایوسی کے وقفے نہیں ڈال سکے گی انسان کا سفر کوئی معمولی سفر نہیں ہے یہ عبدیت کا سفر ہے جو ابدیت کے حصول تک کرنا ہے۔ انسان کو صرف کوشش اور مسلسل کوشش۔ صرف مقابلے اور مسلسل مقابلے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ کوشش رب کو حاصل کرنے کے لیے اور مقابلہ شیطان اور نفس سے۔ مقابلہ صرف ان ہی دو دشمنوں سے کرنا ہے۔ اپنے رب سے بے حد محبت، انسانوں سے محبت۔

یہ محبت عزت اور ذلت کوشش کے درجے نہیں ہیں۔ یہ نصیب کے مقامات ہیں ذرے کو آفتاب کب بننا ہے اور آفتاب کو گرہن کب لگنا ہے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے پیدائش کے ساتھ ہی نیک نامی اور بدنامی کے ایام پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب لوگوں سے مقابلہ کیسا؟ اب تو بس شیطان اور نفس سے مقابلہ کرنا ہے۔

تو صاحب عقل و بصیرت! زندگی ایک مختصر عرصہ ہے۔ ایک محدود قیام۔ ایک قلیل دورا سے بے مقصد دوڑ میں ضائع نہ کریں۔ یہ محبت سے ملنے والا انعام محبت ہی کے لیے ہے یہ خالق کی اطاعت اور پہچان کا زمانہ ہے۔ یہ ایثار اور خدمات کے لیے ہے۔ سکون قلب آسائشوں کے حصول سے نہیں اصلاح ایمان سے حاصل ہوگا یہ نفس اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچے رہنے سے حاصل ہوگا۔

ترقی خوبصورت اثاثوں کا نام نہیں۔ بلکہ خوبصورت احساس کا نام ہے۔ مکانات ترقی یافتہ نہیں ہوتے مکین ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ اور مکین انسان ہیں اور انسان صرف اور صرف خالق کے تقرب ہی میں سکون پا سکتا ہے۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کے جتنے قریب ہوگا اتنا ہی انسانوں کے قریب ہوگا۔ اللہ سے محبت کرنے والے ہر انسان سے محبت کرتے ہیں۔ خالق حق ہے۔ تخلیق اپنے ہمہ رنگ جلوؤں سمیت برحق ہے۔ مخلوق اپنے عقائد و نظریات کے تضادات کے باوجود عین حق ہے۔

ہماری نجات موذی دشمن شیطان اور نفس سے بچ کر عمل صالح اور حسن سلوک میں ہے۔

انسان اس دنیا کی خوش نصیب ترین مخلوق ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ جیسی اعلیٰ ترین ہستی نے اپنے سے مخاطب ہونے کا شرف بخشا۔ جبکہ یہی انسان دنیا کی بدنصیب ترین مخلوق ہے کہ اس نے رب کائنات کے پیغام کو نظرانداز کر کے جینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ رب تعالیٰ کا مطالبہ کتنا فطری ہے اور ہماری یہ اداکتنی خودسری؟

ذکر الٰہی انسانوں کو برائی سے بچانے پر قادر ہے۔ ذکر اور دعا میں جینے والا ایسا انسان جو اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد رکھے۔ کبھی بھی شیطان کی وسوسہ انگیزی کا شکار نہ ہوگا۔ اور اگر ہوگا تو فوراً پلٹ کر توبہ کرے گا۔ ذکر و دعا کی اس قسم کا سب سے اعلیٰ نمونہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی دعاؤں کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور باسانی دستیاب بھی ہے۔ یہی دو دعائیں ہیں جو انسان کو ذکر دوام کی لذت سے آشنا کرتی ہیں اور شیاطین کی وسوسہ انگیزی سے انسان کو محفوظ رکھتی ہیں۔

****

کامیاب زندگی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر جان دار کی نسل کو برقرار رکھنے کا ایک طریقہ اختیار کیا ہے ہر جاندار اپنی اگلی نسل کو اپنے وجود سے جنم دیتا ہے۔ مثلاً درخت اپنے بیج سے ایک نئے درخت کو جنم دیتا ہے۔ گھوڑا ایک اور گھوڑے کو، کُتا ایک اور کتے کو اور انسان ایک نئے انسان کو جنم دیتا ہے۔

دوسرے جانداروں میں یا دوسرے جانداروں کے لئے اس طریقہ جنم میں کوئی پیغام ہو یا نہ ہو مگر اعلیٰ ترین درجے کا شعور رکھنے والے انسانوں کے لئے اس میں ایک غیر معمولی پیغام ہے۔ اور وہ یہ کہ دنیا میں ان کی جگہ لینے ان کے اپنے وجود سے ایک دوسرا شخص آچکا ہے۔ اب نسل انسانی کے لئے ان کا نعم البدل سامنے آگیا ہے۔ بظاہر یہ زندگی کی آمد ہے۔ لیکن درحقیقت یہ خوشی کی بقا کے لفافے میں رکھا ہوا موت کا المناک پیغام ہے۔ یہ زندگی کے دروازے پر موت کی خاموش دستک ہے۔ یہ دستک انسان کے دروازے پر دوبارہ اس وقت سنائی دیتی ہے۔ جب اس کے ماں باپ میں سے کسی کا انتقال ہوجاتا ہے۔

جو نادان پہلی دستک پر نہیں چونکے انہیں دوسری اور زیادہ واضح دستک پر ہڑبڑا کر اٹھ جانا چاہئے۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ ان کی پیدائش کے بعد ان کے ماں باپ کا جانا اگر مقدر ہے۔ تو ان کی اولاد کے آجانے کے بعد ان کا جانا بھی طے ہو چکا ہے۔

جوانی اور ادھیڑ عمر مالی اور جسمانی ہر دو اعتبار سے زندگی کا بہترین حصہ ہوتا ہے۔ انسان چاہے تو اس بہترین وقت کو استعمال کر کے جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔ مگر اکثر لوگ زندگی کے اس قیمتی دور کو دنیا کی عارضی زندگی کی ترقی کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔

ایسے میں موت دو مرتبہ ہوشیار کرنے کے لئے زندگی کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔ تا کہ لوگ غفلت کی نیند سے جاگیں اور ہمیشہ والی جنت کے حصول کے لئے اپنی تمام تر صلاحتیں لگا دیں۔ کیونکہ موت بہت جلد ایک زلزلے کی صورت میں نمودار ہو کر انسان کی ہر ترقی اور ہر تعمیر کو ڈھا دے گی اور پھر ایسے انسان کے پاس پچھتاوؤں کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ ہمیں موت کی اس دستک پر کان لگائے رکھنے چاہیے قبل اس کے کہ یہ دستک موت کا زلزلہ بن کر نمودار ہوجائے۔

ہمارے لئے نشہ حرام ہے۔ لیکن انسان ہر دور میں نشہ کرتے آئے ہیں۔ نشہ انسان کو وقتی طور پر مزہ یا سرور دیتا ہے۔ اور اُسے زندگی کے تلخ حقائق سے دور کر دیتا ہے۔ نشہ ہمیں مستقل بنیادوں پر کبھی سکون نہیں دے سکتا۔ نشہ انسان کو ہوش سے بے ہوشی کی طرف لے آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک غفلت ہے۔ اور نشے کا عادی ہونے کے بعد لوگوں سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ نشے کی عادت کے بعد اس کا سرور کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب لوگ مزے کے بجائے مجبوری میں نشہ کرتے ہیں۔ اور پھر طرح طرح کے عوارض اور مسائل کا شکار ہوجاتے ہیں۔ انسان اپنی تاریخ میں ناک اور زبان کے راستے سے ہی نشہ سے واقف رہے ہیں۔ جیسے ہیروئن اور شراب وغیرہ۔ مگر اکیسویں صدی میں نشہ کی ایک نئی قسم ایجاد ہوگئی ہے۔ جو آنکھوں کے راستے انسانوں کے اندر اُتر جاتی ہے۔ یہ نشہ انفارمیشن ایج کے آلات سے ملنے والی تفریح کا نشہ ہے۔

"ٹی وی، فلمیں، ڈرامے، کھیل، وڈیو گیم، انٹرنٹ، فیس بک، چیٹنگ وغیرہ" اس نشہ کی نمایاں ترین مثالیں ہیں۔

اکیسویں صدی کا ہر فرد کم یا زیادہ اس نشے کا شکار ہے۔ لوگ اس نشے کے بھی اسی طرح عادی ہوجاتے ہیں جیسے شراب، افیون، اور چرس وغیرہ کا نشہ ہوتا ہے۔ ان چیزوں کے بغیر ان کے شب و روز اور صبح شام نہیں کٹتے۔ اور اس نتیجے میں بچے تعلیم سے، خواتین گھر سے، اور مرد اپنی ذمہ داریوں سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ لوگ ایک گھر میں رہ کر ایک دوسرے سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ دوست احباب اور رشتہ داروں سے ملنے کا وقت نہیں رہتا۔ وقت کا ضیاں، ذہنی صلاحیتوں کا مفلوج ہونا اور اخلاقی اقدار کی کمزوری اس کے عام نتائج ہیں۔ یہ نشہ بھی فرد اور معاشرے کو ایسا ہی نقصان پہنچا رہا ہے جیسے دوسرے نشے۔

مگر بدقسمتی سے کوئی اس نشہ کو نشہ نہیں جانتا۔ اور پھر خود کو اور اپنے بچوں کو اس نشہ سے بچانے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ یہ انسانوں کو سکون سے بالکل محروم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ دنیا میں آخرت کی کمائی کا یہ وقت شیطان نے کتنے اچھے روپ میں چھین لیا ہے۔ موجودہ وقت کا گزر جانا کتنی بڑی محرومی ہے۔ محرومی اور ذلت کا سامنا کرنا انسانوں کے لئے ہمیشہ ایک اذیت ناک تجربہ ہوتا ہے۔

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے مجرموں کو جب ذلت اور محروی کا سامنا ہوگا تو اس کے ساتھ پچھتاوے اور ندامت کو بڑھانے والے سارے عناصر بھی اس موقع پر جمع کر دیئے جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (سورۃ یونس، آیت نمبر 45)

ترجمہ:۔''اور جس دن اللہ اس کو اکٹھا کرے گا۔ وہ محسوس کریں گے کہ گویا وہ دن کی ایک گھڑی (وہی دنیا میں) رہے اور وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے''

اس آیت کا پہلا جملہ بتا رہا ہے کہ نافرمان لوگ بروز قیامت ماضی میں گزری ہوئی زندگی کو ایسا محسوس کریں گے۔ گویا شام قیامت سے قبل دن کی ایک گھڑی میں وہ دنیا میں رہے ہیں۔ وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اس صبح زندگی میں لوٹ کر اپنے اعمال کو بہتر بنالیں۔ مگر ایسا کرنا ممکن نہ ہوگا۔

ان کا دوسرا عذاب یہ ہوگا کہ نامرادی اور ذلت کے ان لمحات کے گواہ ان کے جاننے پہچاننے سارے لوگ وہاں ہوں گے۔ **کیسی مایوس کن ہوگی قیامت کی نامرادی اور کیسی شدید ہوگی اس روز کی رسوائی؟**

افسوس اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کو بھولے رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو نہیں پکارتے۔ وہ ابلیس کی پکار پر لبیک کہتے ہیں اور غفلت کے جھولے جھولتے ہوئے ایک روز قبر کے اندھیرے میں جا گرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسان کی ہر پکار کا جواب دینے کو ہر وقت تیار ہے۔ لیکن بدنصیب ہیں وہ جو اسے پکارتے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہاں اس کو محسوس کرنے کے لئے بندے میں خود زندگی ہونی چاہیے۔ کونسی زندگی؟ ایمان کی زندگی۔ جس شخص میں ایمان کی زندگی موجود ہے۔ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اللہ تعالیٰ کی معیت (ساتھ) کا زندہ تجربہ کرلیتا ہے۔ یہی رویہ جنت کی ختم نہ ہونے والی نعمتیں حاصل کرنے کا درست طریقہ ہے۔ سب کا انجام سب کی منزل قبر کا گڑھا ہے۔ مگر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اس حقیقت سے غافل ہوکر جیتا ہے۔ وہ ایسے جیتا ہے جیسے اسے کبھی مرنا ہی نہیں مگر جب مرتا ہے تو ایسے غائب ہو جاتا ہے جیسے کبھی موجود ہی نہ تھا۔ مستقبل کی ضروریات کے لئے کچھ نہ کچھ نظر انداز کرنا بھی مجبوری ہے۔ جیسے گھر کے لئے سامان وغیرہ کا ہونا مجبوری ہے۔ عام لوگوں کو تو شاید اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن ہاں جو لوگ آخرت کو اپنا مقصد حیات بنا کر جیتے ہیں ان کا دل اس احساس سے کیوں بوجھل رہتا ہے؟ یہ مسئلہ ہر شخص کا ہے۔ کسی نے ایک عارف سے سوال کیا کیا مال جمع کرنا بری بات ہے؟ عارف کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے سر اٹھایا اور خود ایک سوال کر دیا۔ کشتی کس لئے بنائی جاتی ہے؟ سائل نے جواب دیا! پانی میں سفر کرنے کے لئے'' ''اور اگر پانی کشتی میں آجائے تو''؟ عارف نے دوبارہ سوال کیا۔ ''کشتی ڈوب جائے گی'' سائل نے جواب دیا۔

بس یہی مثال مومن اور مال و دنیا کا صحیح تعلق بیان کرتی ہے۔ مال اور دنیا سے متعلق ہزاروں سوال پیدا ہوسکتے ہیں۔ مگر یہ مثال یاد رہے تو پھر سوال کا جواب خود مل جاتا ہے۔ مومن کا وجود کشتی کی طرح ہوتا ہے۔ اسے ترک دنیا کی اجازت نہیں۔ اسے دنیا میں جینا ہے کہ یہی امتحان ہے۔ مگر مال کے بغیر جیا نہیں جا سکتا۔ جیسے کشتی پانی کے بغیر نہیں چل سکتی۔ کشتی کے ہر طرف پانی ہوتا ہے لیکن کشتی کے اندر پانی نہیں ہوتا۔ ہونا بھی نہیں چاہیے۔ اسی طرح مومن کے ہر طرف دنیا ہوتی ہے۔ مگر اس کے دل میں دنیا نہیں ہوتی۔ چیزیں اس کے گھر میں آتی ہیں دل میں نہیں۔ مال بینک اسٹیٹمنٹ میں نظر آتا ہے۔ دل کے بینک میں صرف آخرت کا حساب ہو رہا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو بہت دولت بھی نقصان نہیں پہنچاتی۔ اور اگر ایسا نہیں تو بہت کم دولت بھی انسان کو سانپ کی طرح ڈس لیتی ہے۔

ہم انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کو عام طور پر دو حصوں میں بانٹتے ہیں۔ ایک بڑی نعمت ہے۔ دوسری چھوٹی نعمت، چھوٹی نعمت کی تعریف ہر فرد کے حساب سے مختلف ہوسکتی ہے۔ مگر انسان کی نفسیات کے اعتبار سے اس کا معیار نعمت کے ملنے پر انسان کا ردعمل ہے۔

جس چیز کے ملنے پر انسان بے حد خوش ہوتا ہے وہ اس کے نزدیک بڑی نعمت ہوتی ہے۔

اور جس چیز کے ملنے پر کوئی ردعمل نہ آئے وہ انسان کے نزدیک ایک چھوٹی اور معمولی نعمت ہوتی ہے۔

مثلاً پسند کی شادی کے وقت ایک نوجوان جتنا خوش ہوتا ہے۔ پانی کا ایک گلاس پیتے وقت وہ وہی خوشی محسوس نہیں کرتا۔

تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر نعمت بڑی نعمت ہے۔

مثلاً شادی پر خوشیاں منانے والے نوجوان کا پانی اگر شادی سے صرف ایک دن پہلے بند کر دیا جائے تو نکاح کے وقت تک وہ اپنی دلہن کو بھول کر پانی کو زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بنا چکا ہوگا۔ تاہم یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ وہ زندگی کی ہر بڑی نعمت کو مفت فراہم کر رہا ہے۔ مثلاً زندگی، صحت، عافیت، ہوا، پانی، رشتے ناتے، یہ وہ نعمتیں ہیں جو عموماً انسان کو بلا روک ٹوک اور بلا مشقت مل جاتی ہیں۔ یہ اس کے کرم پر کرم ہے کہ اس نے جو نعمت جتنی زیادہ اہم رکھی ہے اتنی زیادہ وہ عام کر دی ہے۔ مثلاً ٹھنڈا پانی سب سے بڑی نعمت ہے اور پانی کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے کتنا عام کر دیا ہے۔ سانس لینے کے لیے آکسیجن کتنی اہم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہوا کے

اجزا میں اسے شامل کر کے بندوں کے لئے کتنا عام کر دیا ہے۔ کہ شکر کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا۔

اس لئے جو نادان شعور نہیں رکھتے وہ ایسی نعمتوں کو چھوٹی نعمت سمجھتے ہیں، یا اکثر لوگ تو انہیں کوئی نعمت ہی نہیں سمجھتے۔ یہ اسلام رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں کہ ایمان ان کے دل میں اثر ہی نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اس احساس سے ہی تڑپ اُٹھتے ہیں کہ ان کے مہربان رب نے ضرورت کی ہر چیز انہیں بے حساب اور بالکل مفت دے رکھی ہے۔ ان کی آنکھیں شکر گزاری کے احساس سے بہتی رہتی ہیں اور یہ صبح شام اپنے رب کے احسانات کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں عنقریب جہنم کی آگ سے بچا کر جنت کی ختم نہ ہونے والی نعمتوں میں بسا دیا جائے گا۔

تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ انسان جسے باشعور کہا گیا ہے وہ یہ بات کیوں نہیں سمجھ جاتا کہ دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی چیز زندگی ہے۔ اور یہ ہر شخص کو مفت مل گئی ہے۔ پھر زندگی کو برقرار رکھنے اور زندگی کو پُرلطف بنانے کے لئے تمام سامان ہمیں مفت دستیاب ہیں۔ مثلاً ہوا، پانی، زمین، موسم، دن، رات، اور اس کے بعد اگر غور کریں تو وجود انسانی کے تمام اعضاء قویٰ اور جوڑ و بند وغیرہ۔ یہ ان لاتعداد نعمتوں میں سے صرف چند ہیں۔ انسانی وجود کے اندر کے ہر نظام کو اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان بے اختیار پکار اٹھتا ہے: **''مالک میں تیری نعمتوں کا شکرانہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں''۔**

لیکن ہمارے وجود تو سوچکے ہیں۔ ہمارے دل میں کبھی اس ہستی کی سچی یاد نہیں جاگتی جو یہ سب کچھ ہمیں دیتا چلا جاتا ہے۔ ہماری یہ آنکھیں اس کے اعتراف نعمت میں کبھی نم نہیں ہوتیں۔ احساس کی دنیا اس کی محبت میں سرشار نہیں ہوتی۔ **افسوس کے حسن کی ہر قسم کا ادراک اور اپنے عجز کی ہر شکل کا احساس رکھنے والا یہ انسان اپنے مالک سے بے پرواہ ہو کر جیتا ہے۔** اللہ تعالیٰ کی ہستی سے زیادہ حسین وجود کسی کا نہیں۔ مگر اس کا یہ حسن اس کی صفات کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ سورج اس کے جلال کا ایک ادنی پرتو (عکس) ہے۔ بدر کامل (پورا چاند) اس کے جمال کا ایک حقیر نمونہ ہے۔ آسمان اس کی عظمت کا ایک معمولی سا نشان ہے۔ بارش اس کی رحمت کا محض ایک قطرہ ہے۔ زندگی اس کی شفقت کا بس ایک ذرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا مخلوقات میں یہی ظہور وہ ذریعہ ہے جس سے بندہ مومن یہ جانتا ہے کہ اس کا رب کیسا ہے؟؟؟

اس بے مثل اللہ تعالیٰ کی معرفت (پہچان) اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ خود بھی کامل ہو جاتا ہے۔ مخلوق میں کامل اللہ تعالیٰ کی بندگی اس کی زندگی ہو جاتی ہے۔ مخلوق سے محبت اس کی عادت بن جاتی ہے۔ صبر اس کی سیرت اور شکر اس کا طریقہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اس کو قوت دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی لگن اسے ہر سرد و گرم میں باعمل رکھتی ہے۔ یہ وہ بندہ مومن ہوتا ہے جس کا دل اللہ کا گھر بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس گھر میں کبھی کوئی منفی جذبہ جگہ نہیں بنا پاتا۔

حسد، تکبر، کینہ، نفرت، بخل، اسراف، نمود و نمائش، نفسانیت، غفلت، غیبت، تجسس، بدگمانی، حرام کی محبت جیسی گندگیاں کبھی اس گھر میں نہیں آسکتیں جس گھر میں اللہ کی یاد رہتی ہے۔ اس کی خوراک اس کی گفتگو اس کی عادات سب اس کے قابو میں ہونے کے باوجود اس کے رب کی مرضی کے خلاف نہیں جاسکتیں۔ اور کبھی چلی بھی جائیں تو وہ توبہ کے آنسوؤں سے اپنے ہر داغ کو دھوڈالتا ہے۔

یہ بندہ مومن ایک مکمل آزاد وجود رکھتا ہے۔ لیکن یہ ایک مکمل پابند اور گرفتار بندہ بن کر جیتا ہے۔ یہی آزاد مگر اسیر بندہ دراصل اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔

انسانوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو جو مکمل اور یکطرفہ اختیار حاصل ہے۔ اس کے بعد یہ عین ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر سخت قسم کے قوانین ضابطوں اور مطالبات کا بوجھ ڈال دیتا۔ اور انسانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ وہ اس کے ہر حکم اور قانون کی تعمیل کریں، مثلاً وہ کہہ سکتا تھا کہ روزوں کی پابندی ایک ماہ کے بجائے تمام سال کے لیے ہے۔ دن میں پانچ نمازیں نہیں 50 فرض ہیں حج ہر سال کرنا ہے۔ زکوٰۃ کی شرح ستر فی صد ہے۔ دین کے فرائض کے علاوہ وہ دین کے کمال کو بھی انتہائی مشکل احکام پر مشتمل کر سکتا تھا۔ مثلاً عیدالاضحیٰ کے دن وہ ہر انسان سے اس کے پہلے بچے کی قربانی مانگ سکتا تھا۔ اعتکاف میں نہ بولنے کی پابندی عائد کر سکتا تھا۔ غرض اس طرح کی ہزاروں پابندیاں لگانا اس کے لئے بالکل ممکن تھا اور انسان اس کے مقابلے میں چوں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس احکام کی خلاف ورزی پر جہنم کی سزا ملتی اور جنت کے اعلیٰ درجوں کا حصول خواب اور خیال کی بات ہوتی۔

مگر اس کی ذات پر قربان جو اپنی تمام تر طاقت کے باوجود انسانوں سے اتنے آسان مطالبات کرتا ہے۔ جس کا پورا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔ پھر ان مطالبات کے پورا کرنے سے اس کی ذات کو کوئی فائدہ بھی نہیں۔ مگر اس کے باوجود انسانوں کی اکثریت ان آسان احکام کی پیروی کو بھی نظر انداز کئے ہوئے ہے۔

اس میں شک نہیں کہ پروردگار شرف کی انتہا بھی ہے۔ اور شرافت کی انتہا بھی مگر انسان اس کی قدر نہیں کرتا۔ جو عطا میں مہربانی کرتا ہے۔ اور محرومی میں

احسان کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ انسانوں کے ساتھ ہمیشہ عطا اور کرم کا معاملہ رکھتا ہے۔**کتنا کمزور ہے یہ انسان جو زندگی اور اقتدار کی خواہش کے باوجود ان چیزوں سے محروم ہو جاتا ہے اور کتنا کریم ہے وہ رب جو ایک سجدے کے عوض اسے یہ سب کچھ عطا کر دیتا ہے۔**

یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔اس لیے اس دنیا کے ہر معاملے میں انسان کی یہ غفلت اور سرکشی برداشت کی جارہی ہے۔مگر عنقریب سزا اور جزا کی وہ دنیا قائم ہونے والی ہے۔جس میں اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے نقاب اٹھادے گا اور حسن توحید کی تجلی کائنات کے ہر ذرے کو جگمگا دے گی۔اس روز کچھ بد بخت ہوں گے جن کی تقدیر ان کے نامہ اعمال کی طرح سیاہ ہی رہے گی حسن ازل کی اس تجلی سے اس کا وجود منور نہ ہوگا یہ وہی محروم ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ جانی اور فانی دنیا ہی میں مشغول رہے۔

قرآن کریم میں دنیا کی زیب و زینت،خوبصورتی اور جمالیات سے متعلق دو قسم کے بیانات ملتے ہیں۔

ایک وہ جن میں بااصرار یہ کہا گیا ہے کہ دنیا کی زیب و زینت نہ صرف جائز ہے۔بلکہ دنیا میں اہل ایمان ہی کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔(سورۃ الاعراف،آیت نمبر 32)

جبکہ دوسری طرف اس کی مذمت کی گئی ہے۔(سورۃ حدید،آیت نمبر 20)

ان دو قسم کے بیانات میں بظاہر تضاد محسوس ہوتا ہے۔اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر ہمارے ہاں بالعموم یہ بات مان لی گئی ہے کہ زینت دنیا تقویٰ اور ایمان کے اعلیٰ درجات کے منافی ہے۔

قرآن کا گہرا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ معاملہ یوں نہیں ہے۔زینت دنیا سے متعلق قرآن پاک کا اصل بیان وہی ہے جو سورہ اعراف میں بیان ہوا ہے۔

زینت دنیا کی مذمت یا متاع دنیا کی بے وقعتی قرآن کریم میں جب کبھی زیر بحث آتی ہے تو وہ کفار کے اس رویئے کا بیان ہوتا ہے۔جس میں وہ حق و انصاف اور انفاق و احسان کو فراموش کر کے اپنی ساری تگ و دو کا مرکز دنیا اور اس کی خوبصورتی کو بنا لیتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ رویہ اپنی ذات میں بڑا منفی رویہ ہے۔

اصل مخالفت اس بات کی ہے کہ انسان دنیا کی رنگینی میں گم ہو کر آخرت کو بھول جائے۔انسان اللہ اور بندوں کے حقوق کو بھول جائے اور عیش و عشرت کی زندگی میں مگن رہے۔یہ رویہ بلاشبہ ایک قابل مذمت رویہ ہے۔

مال بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔لیکن اس نعمت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ انسانوں کو آزمائش کے لیے دیا جاتا ہے۔انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی ایک تقسیم ہے۔یہ تقسیم ہمیشہ غیر متوازی رکھی جاتی ہے۔اس تقسیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے۔کہ پیسے والے لوگ مال پا کر قارون بنتے ہیں یا رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ جان لیتے ہیں کہ یہ مال اصل میں انہیں ضعیفوں کی وجہ سے ملا ہے۔جو لوگ قارون بنتے ہیں ان کا انجام بھی قارون جیسا ہوگا۔لیکن جو لوگ اسے عطیہ الٰہی سمجھ کر ہر نیک کام میں اس کو خرچ کرتے ہیں۔انہیں اللہ تعالیٰ کے نبی خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ بسا دیا جائے گا۔

انسان کی معلوم کائنات دو دنیاؤں کا مجموعہ ہے۔ 1-اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ دنیا 2-انسان کی اپنی دنیا

1-اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ دنیا:- یہ دنیا زندگی اور اس کی ہر رعنائی کا آخری نشان ہے۔اس دنیا میں بے پناہ حسن ہے۔بے حد توازن ہے۔رنگ و خوشبو کی دل آویزی ہے،نغمہ و آہنگ کی دلکشی ہے۔نور و لطافت کے ان گنت دریچے ہیں۔لمس اور لذت کے بے شمار جھروکے ہیں۔زیست کی حرارت ہے۔تاروں کی جگمگاہٹ ہے۔جگنوؤں کی روشنی ہے شفق کی لالی ہے۔ہوا کی سرسراہٹ ہے۔ساز کی دلکشی ہے۔اور آواز کا سرور ہے۔غرض انسان کسی بھی خوبی کا تصور کر لے اس کا ایک مکمل نمونہ یہاں موجود ہے۔یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے بے انتہا کمال کا ایک ادنیٰ تعارف ہے۔**مگر یہ کمال جمال کی رنگ آمیزی سے عبارت ہے۔**

2-انسان کی اپنی دنیا:- اس دنیا پر موت کا راج ہے۔یہاں فنا کی حکمرانی ہے۔یہاں زلزلے ہیں۔بجلیاں ہیں۔سیلاب ہیں طوفان ہیں۔بیماریاں ہیں۔بڑھاپا ہے،معذوری ہے،غم و الم ہے،مایوسی ہے،خوف و ملال ہے،دکھ کی جلن ہے،پچھتاوے کی آگ ہے۔یہاں بے گناہ قتل ہو جاتے ہیں۔معصوم سزا پاتے ہیں۔کمزور ظلم کا نشان بن جاتے ہیں۔ہنر مند بے سہارا اور باصلاحیت بے روزگار رہ جاتے ہیں۔

غرض موت ہر قبا پہنے اور پریشانی ہر ردا اوڑھے دھرتی اور اس دھرتی کے باسیوں کو ہر روز اپنا نشانہ بناتی ہے۔یہ دنیا اگر اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں مگر اس کے اذن سے ہی ظہور پذیر ہوئی ہے اس سے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے کمال کا ادنیٰ تعارف ہے۔**مگر یہ کمال اس کے جلال کا عکس لئے ہوئے ہے۔**

موت اور زندگی کا یہ سلسلہ نہ جانے کب سے شروع ہوا ہے اور نہ جانے کب تک چلے گا؟ کوئی نہیں جانتا۔مگر جو ہم جانتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ عنقریب انسان کو

معلوم ہو جائے گا کہ یہ دو دنیائیں ختم ہو جائیں گی۔ پھر ایک نئی دنیا قائم ہو گی۔

اُس دنیا میں رب تعالیٰ ایک مرتبہ پھر اپنے جلال وکمال اور اپنے جمال وکمال کی صناعی سے دو دنیائیں تخلیق کرے گا۔ مگر یہ دو دنیائیں اس کے کمال وجلال کا تعارف نہیں بلکہ اس کا مکمل نمونہ ہونگیں۔

ان میں پہلی دنیا! جنت کی دنیا ہو گی۔ اس دنیا میں صرف جمال خداوندی ظہور ہو گا۔ مگر ہر جمال کمال کی انتہا کو پہنچا ہو گا زندگی ہو گی مگر موت سے بے خوف۔ جوانی ہو گی مگر بڑھاپے سے بے پرواہ۔ حسن ہو گا مگر زوال سے نا آشنا۔ لذت ہو گی مگر بے زاری سے محفوظ۔ سکون ہو گا مگر ہر اندیشے سے مامون **الحمدللہ وسبحان اللہ۔**

دوسری دنیا! جہنم کی دنیا ہو گی۔ اذیت، مصیبت، ملامت، حسرت، محرومی، مایوسی، بھوک پیاس تڑپ۔ بے حسی، پچھتاوے، غرض عذاب اور آگ کے اتنے روپ ہوں گے کہ گنے نہیں جا سکتے۔ یہ سب بھی کمال کے درجے پر ہو گا۔ مگر یہ کمال۔ جلال وغضب اس تپش سے عبارت ہو گا جس سے سرزمین دوزخ کا ذرہ، ذرہ سلگ رہا ہو گا۔

استغفر اللہ استغفر اللہ ، اللہ اکبر اللہ اکبر

پہلی بستی کو دو قسم کے لوگ لے جائیں گے ایک جو اس دنیا میں اپنے مالک سے بے پرواہ ہو کر نہیں جیئے۔ جو حکم سامنے آیا انہوں نے جانا۔ جہاں غلطی ہوئی معافی مانگ لی۔ ایمان واخلاق کے تقاضوں کو مقدور بھر بجالاتے رہے دوسرے وہ جو جنت کی اعلیٰ بازی لے گئے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنی زندگی بنا لیا۔ وہ ہر لمحہ اس کی یاد اور اس کی محبت میں جیئے۔ زندگی کے ہر سرگرم میں اس کے آگے جھکے رہے۔ اس کے دین کی نصرت میں سعی اور جدوجہد کرتے رہے اور عبادت رب میں سرگرم رہے۔ ایک ان دیکھا داتا اُن کا معبود تھا تو اس معبود نے بھی ایسے لوگوں کو ابدی طور پر اپنے قرب سے نواز دیا۔

دوسری بستی کے پاس بھی دو قسم کے لوگ ہوں گے پہلے وہ جو سرکشی کرتے رہے۔ ظلم وفساد مچاتے رہے۔ قتل وخون ریزی جن کا شیوہ رہا۔ اور فسق وفجور جن کا پیشہ رہا۔ جن کے سامنے سچ آیا تو جانتے بوجھتے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ انہوں نے حق کو حق کی شکل میں دیکھ لیا لیکن تکبر اور نخوت نے ان کی گردنوں میں سریا لگا دیا۔ ان کے سر نہ جھکے، تعصب، مفاد پرستی، فرقہ پرستی، اور کبر اُن کے دلوں کا روگ تھا۔ **ان کا روگ انہیں لے ڈوبا۔ اور ڈوبا بھی اس بستی میں جہاں ہر طرف عذاب کی بارش ہو رہی تھی۔**

اس بستی کے دوسرے مکین وہ ہیں جن کے دل غفلت کا شکار رہے۔ دنیا کے مزوں اور لطف نے انہیں اندھا کر دیا۔ بدکاری اور بدی نے ان کی زندگی کا احاطہ کر لیا۔ وہ جانور بن کر جیے اور پیٹ وفرج کے تقاضوں سے اوپر اٹھ کر نہ دیکھ سکے کہ جمال اور کمال کی کس دنیا میں وہ بسائے گئے ہیں؟ وہ اللہ تعالیٰ کی اس تعارف گاہ کو ایک چراگاہ

سمجھے معرفت، عبادت، اور عبادت کی خوراک کے بجائے گناہ اور معصیت کا رزق ان کا مقدر بنا۔ انہوں نے معرفت رب کا ایک دفعہ ملنے والا یہ موقعہ ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ یہ غافل بھی سرکشوں کے ساتھ جلال الٰہی کا نا قابل برداشت تپش کا سامنا کریں گے۔

ہم سب ان چار گروہوں میں سے کسی ایک گروہ میں ہیں کچھ زیادہ وقت نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ کون تھا جو اللہ تعالیٰ کی آہٹ پر ڈرنے والا تھا؟ اور کون تھا جو آخرت کی ہر گرج کے بعد بھی غفلت کی نیند سویا رہتا تھا؟ کون تھا جو سراپا حمد تھا؟ اور کون تھا جو سرکشی کا پیکر تھا؟ **اس لیے تعجب اس بات پر نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو اب کیوں نہیں پکڑ رہا؟ حیرت اس بات پر ہونی چاہیئے کہ اس کی یقینی پکڑ کے باوجود جرائم کیوں کیے جاتے ہیں؟**

جو وقت کو برباد کرے گا وہ ایک دن خود برباد ہو جائے گا۔ اس لئے یہ جان لینا چاہیے کہ نجات بلاشبہ انسانی ضرورت ہے۔ مگر شکر ومحبت میں ڈوبی ہوئی بندگی اس سے کہیں بڑھ کر انسانی ضرورت ہے۔ خوش نصیب ہیں جو اس سعادت کو حاصل کرنے والے ہیں۔

یاد رکھیں کہ!

کامیاب زندگی یہ نہیں کہ ہم کتنے خوش ہیں بلکہ کامیاب زندگی یہ ہے کہ ہمارا رب ہم سے کتنا خوش ہے؟

****

عابد اور معبود کے درمیان رشتہ (عبادت)

عبادت کیا ہے؟

عابد اور معبود کے درمیان رشتہ عبادت ہے۔

معبود کے احکامات کی بجا آوری عبادت ہے۔ یہ احکامات امر ونواہی کی شکل میں ہمیں پیغمبر کی ذات اقدس اور قرآن حکیم کے وسیلہ سے معلوم ہوتے ہیں ان کی تعمیل بغیر عذر اور تردد کے عبادت کی اصل ہے۔

مسلمانوں کو عبادت کے مفہوم سے کما حقہ آگاہ کرنے کے لئے حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں عملی کردار ادا فرمایا۔ عبادت کے اس مفہوم میں نہ اضافے کی گنجائش ہے۔ نہ تحقیق کی۔ نماز فرض ہے تو سب کے لئے سب زمانوں میں فرض ہے۔ اسی طرح باقی عبادات ان میں نہ کوئی کلام ہے نہ کسی بحث کی ضرورت۔ احکامات جاری ہو چکے ہیں ان کی تعمیل پیغمبر خاتم النبیین ﷺ کے زمانے سے آج تک من وعن جاری ہے۔ ملت اسلامیہ کا عبادت کا طریقہ کار وہی ہے جو حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا تھا۔ معبود کا حکم ہے کہ حرام نہ کھایا جائے اب حرام مال سے اجتناب عبادت ہے۔ ماں باپ کا اس حد تک ادب کیا جائے کہ ان کے آگے اف تک کا لفظ نہ کہا جائے پس والدین کی خدمت عبادت ہے۔ غرضیکہ جو کچھ بھی معبود نے فرمایا اس پر یقین اور عمل عبادت ہے۔

جو کچھ کرنے کے لئے کہا گیا وہ کیا جائے اور جس سے بچنے کے لئے کہا گیا۔ اُس سے بچا جائے یہی عبادت ہے۔ یعنی عبادت عقیدہ بھی ہے۔ اور عمل بھی ایک بات جو اس ضمن میں قابل غور ہے وہ یہ کہ ہمارا معبود ہمارا خالق بھی ہے۔ خالق نے مخلوق کے لئے تخلیق کے حوالے سے فرائض عائد فرما رکھے ہیں۔ ان کی بجا آوری بھی عبادت ہے۔ مثلاً خالق نے ہمیں انسان پیدا کیا۔ انسان کے تحفظ کے لئے جو اعمال ضروری ہیں انہیں ادا کرنا عبادت ہے۔ اگر سانس لینا فرض ہے تو ہمارا دامن فرائض کا انبار لیے ہوئے ہے ان فرائض کو پورا کرنا ہے۔ مثلاً رزق کمانا ضروری ہے۔ اس لئے رزق کمانا عبادت ہے۔ رزق کمانے کے بعد اس کی مناسب تقسیم عبادت ہے۔ اللہ کا حصہ اللہ کو دیا جائے۔ دنیا کا حصہ دنیا کو دیا جائے۔ اپنا حصہ استعمال میں لایا جائے یہ عبادت ہے۔ اپنے استعمال میں آنے والے رزق کو مناسب استعمال کرنا بھی عبادت ہے۔ مطلب یہ کہ **زندگی کو اپنے ماحول میں پرسکون بنانے کے ساتھ ساتھ اسے دین کے تابع رکھنا ہی عبادت ہے۔**

نیت بدل جائے تو نیک عمل نیک نہیں رہتا۔ انسان اگر اندر سے منافق ہو تو اس کا کلمہ توحید کلمہ توحید نہ ہوگا۔ ہر چند کہ کلمہ توحید ہے۔ قرآن بیان کرنے والے اور قرآن سننے والے اگر متقی نہ ہوں تو قرآن فہمی سے وہ نتائج کبھی پیدا نہ ہوں گے جو قرآن کا منشا ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر منافق حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کی گواہی دیں تو یہ بیان ہر چند کے سچا ہے لیکن منافق جھوٹ بول رہے ہیں، اسلام کے دشمن اگر مسجد بنائیں تو وہ مسجد گرا دی جائے اس سے مسجد کا احترام مجروح نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برعکس یہ مساجد کے احترام ہی کا عمل ہے۔ اگر مساجد میں عبادت جاری ہے۔ اور اہل محلہ کی معاشرتی زندگی میں اصلاح کا عمل نہیں پیدا ہوتا تو ایسی عبادت قابل غور ہے۔

نماز کا مقصد صرف نماز ادا کرنا ہی نہیں ہے۔ بلکہ نماز کے انداز اور نماز کے مفہوم کو اپنی زندگی میں رائج کرنا ہے اگر زندگی سماجی قباحتوں میں بدستور گرفتار ہے اور نماز بھی برابر ادا کی جاری ہے تو ایسی صورت حال بہت ہی غور طلب ہے۔ مثلاً ایک عابد ڈاکٹر مریضوں کے حق میں ٹھیک نہیں تو اس کے لئے اس کی عبادت منفعت نہ لائے گی۔ اسی طرح اگر ہم تمام شعبۂ حیات میں زندگی کے فرائض ادا نہ کریں۔ اور معبود کی عبادتیں جاری رکھیں۔ تو یہ منشائے عبادت نہیں منشائے **عبادت یہ ہے کہ فرائض حیات بھی ادا کئے جائیں اور معبود کی عبادت بھی جاری رہے۔**

اگر اولاد کی پرورش فرض ہے تو اولاد کے لئے صحت مند ماحول مہیا کرنا عبادت ہے ایک دوسرے کا احترام عبادت ہے۔ خالق کے احکام کا احترام عبادت ہے۔ خالق نے یہ کائنات تخلیق فرمائی۔ انسان تخلیق فرمائے، کافر، مومن، کالے، گورے، صحت مند، بیمار، محتاج، غریب وغیرہ ان کا احترام تخلیق کے حوالے سے فرض ہے اور دین کے حوالے سے ان کی اصلاح عبادت ہے۔ کافر کو دعوت اسلام دینا عبادت ہے۔ یہ دعوت محبت سے دی جائے یا قوت سے دی جائے مفہوم کافر کی اصلاح ہے۔ منشائے اصلاح عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے دعوت عمل صرف اللہ ہی کے لیے ہو تو عبادت اگر اس میں انا یا نفس شامل ہو جائے تو عبادت نہ رہے گی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جب عبادت وہی ہے معبود بھی وہی ہے تو نتیجہ وہی کیوں نہیں؟

آج مسلمانانِ عالم اپنی عبادت کے باوجود اقوام عالم میں پسماندہ ہیں کیوں؟ اگر اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہی ہے اور اس میں شک نہیں ہے اور ہم مسلمان ہیں۔ اسلام قبول کرنے والے ہیں۔تو ہماری زندگی ہمارے مالک سے قریب ہونے کے دعویٰ کے باوجود آسانیوں سے محروم ہے تو یہی سوچنا پڑے گا کہ کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں بگاڑ ہے پانی کہیں مر رہا ہے۔

مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے لیے ہی نہیں۔ اللہ کے لئے بھی محبت کی ایک یادگار ہے۔ یہودیوں کے قبضے میں ہے ہم بے بس ہیں۔تو کیا اللہ بے بس ہے؟ (نعوذ باللہ) لیکن کچھ نہ کچھ ہے کہیں نہ کہیں ہماری طرف سے کوتاہی ہو رہی ہے۔عبدیت کی ضرورت ہے۔

خانہ کعبہ مقام امن ہے۔اس میں ایک شخص دعوی کرتا ہے کہ وہ مہدی ہے۔ مار دیا جاتا ہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اس نے جھوٹ بولا تو خانہ کعبہ میں بولا اگر وہ قتل ہوا تو خانہ کعبہ میں دونوں حالتیں اسلام کے دعوے داروں کے لئے قابل غور ہیں۔ہم عبادت کرتے ہیں دعائیں مانگتے ہیں۔ نیک عمل کرتے ہیں۔لیکن زندگی مشکلات سے باہر نہیں نکلتی کیوں؟

مسلمانوں کے پاس سب سے زیادہ دولت ہے اور مسلمان ہی سب سے زیادہ غریب ہیں اور پھر بھی وہ مسلمان ہیں اخوت کا درس اور چیز ہے اور اخوت کا عمل اور مسلمانوں کے لئے ،تیل کے چشمے ہیں ،اور مسلمانوں کے پاس ہی چراغ کے لئے تیل نہیں۔اگر اعمال یہودیوں کے سے ہوں اور عبادت مسلمانوں کی سی تو نتیجہ کیا ہو گا؟؟؟

محمد بن قاسم نے حملہ اس لئے کیا کہ مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی گئی تھی۔ محمد بن قاسم جلال خداوندی بن کر ناموس ملت کے تحفظ کے لئے تشریف لائے۔آج اگر مسلمان مرد ہی مسلمان خواتین کی بے حرمتی کریں۔تو محمد بن قاسم کہاں سے آئے اور کیا کرے؟ بے بسی ہے۔عبادت کے مفہوم کی وضاحت میں علامہ اقبال نے کیا خوبصورت اشعار فرمائے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

کتنا روح پرور منظر ہو گا غزنوی و ایاز ایک ہی دربار میں یکساں حالت میں موجود ہیں آقا و غلام کی تقسیم ختم ہو گئی۔ یہ عبادت کی اصل ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔کہ اگر منشائے عبادت آقا و غلام کی تقسیم ختم کرنا ہے تو کتنی دیر کے لئے؟ صرف نماز میں؟ صرف مسجد کے اندر؟

یہی عبادت کی اصل ہے اور یہی عبادت سے محرومی ہے کہ ہم صرف نماز میں بندہ و صاحب کی تقسیم ختم کرتے ہیں اور زندگی میں یہ فرق جاری رکھتے ہیں۔اگر عبادت کی حالت زندگی میں رائج ہو جائے۔تو عبادت کے نتائج حاصل ہو سکتے ہیں غزنوی اور ایاز کی تقسیم ختم کرنے کے لئے عبادت فرض کی گئی اور ہم نے محمود و ایاز کے درجے کو قائم رکھ کر عبادت کی۔اسی لئے عبادت کی برکت زندگی میں شامل نہ ہو سکی۔ایک آدمی آٹے میں ملاوٹ کرتا جا رہا ہے اور عبادت بھی کرتا جا رہا ہے۔ایک آدمی عبادت بھی کرتا جا رہا ہے اور سودی کاروبار بھی کرتا جا رہا ہے، تو نہ یہ برے کام چھوڑے جائیں گے اور نہ ہی عبادت کا نتیجہ و انعام سامنے آئے گا۔ایک انسان جھوٹا ہے اور سچا کلام پڑھ رہا ہے۔نتیجہ کیا ہوگا؟ متقی نہ ہو تو انسان قرآن سے فلاح نہیں پا سکتا۔کافر اگر قرآن پڑھ بھی لے تو مومن نہیں ہو جاتا۔ ہدایت کے لئے تقویٰ شرط ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے سامنے ہے آپ خاتم النبیین ﷺ کا مرتبہ اس کائنات کے تمام مراتب سے بلند ہے آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات گرامی باعث تخلیق کائنات ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ پر کروڑوں درود سلام ہو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے منصب کی بلندیوں کے باوجود اپنی زندگی کو اپنے جانثاروں کی زندگی کے برابر رکھا آپ خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالی کے پاس تشریف لے جاتے ہیں اور لباس میں پیوند ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے کبھی اپنے پاس مال جمع نہیں کیا۔ بلکہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دو وقت کا کھانا بھی اپنے پاس محفوظ رکھنا پسند نہ فرمایا عبادت کی تاثیر حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عابدوں پر زندگی کی نوازشیں یکساں ہوں۔اگر ناہموار معاشی ،سماجی اور معاشرتی زندگیاں ایک جگہ یکساں عبادت کے لئے مصروف رہیں اور سال ہا سال رہیں تو بھی نتیجہ یکساں نہ نکلے گا بلکہ کچھ نتیجہ ہی نہ نکلے گا۔

ہماری عبادت ثواب سے محروم ہے۔اس لئے ہماری زندگی یکساں مواقع سے محروم ہے۔یتیم کا مال چھین کر حج کرنے والا ظالم۔حج کے ثواب سے کیوں نہ محروم رہے گا؟؟؟

مسلمانوں کا حج مسلمانوں کے لئے وہ نتیجہ پیدا نہیں کر رہا اس لئے کہ حج کے موقع پر تمام خرید و فروخت اس مال کی ہوتی ہے جو یہودیوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔جہاز ان کے بنے ہوئے، سامان ان کا بکتا ہے۔یعنی حج ہمارا اور ثواب ان کا۔ہم غیر مسلم معاشرے کی اشیا خریدنے سے کیوں گریز نہیں کرتے؟عبادت کے ثواب کو مسلمانوں کے لئے وقف کر دینا بھی عبادت ہے۔لیکن اگر دل مومن نہیں تو عبادت کیسی؟ دل سے اللہ کو ماننا ہی عبادت ہے مشکلات پر صبر کرنا عبادت ہے۔نعمتوں پر شکر ادا کرنا عبادت ہے۔**اپنی منشا کو منشائے الٰہی کے تابع کرنا عین عبادت ہے۔محروم اور مظلوم کو اس کا حق دلانا عبادت ہے۔اپنی زندگی کو بے ضرر بنانا عبادت کی ابتدا اور اپنی زندگی کو منفعت بخش بنانا اس کی انتہا ہے۔یہی عبدیت ہے۔یہی وہ رشتہ ہے جو ہم نے اپنے معبود کے ساتھ استوار کرنا ہے۔**

انسان جتنا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا۔اتنا ہی مخلوق پر مہربان ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ جو اللہ کے حبیب ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی قریب ہیں۔وہ ہی کائنات میں سب کے لئے رحمت ہیں۔اللہ کی عبادت ہمیں مخلوق پر شفیق بناتی ہے۔مخلوق پر ظلم کرنے والا، ان سے دھوکا کرنے والا، ان کی خوراک میں ملاوٹ کرنے والا چاہے جتنی بھی عبادت کرلے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔کسی کا حق چھیننے والا اگر تقرب الٰہی کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ دلیل سے محروم ہوتا ہے۔

عبادت اجتماعی فلاح کے لئے ایک حقیقی اور اسلامی راستہ ہے۔عبادت انفرادی یا امتیازی نہیں اگر کشتی کنارے لگی تو سب ہی کنارے لگیں گے۔ورنہ مشکل ہو جائے گی کسی معمولی حیثیت والے انسان کی عزت کرنا عبادت ہے۔اور انسانیت کی شرافت کا ثبوت اور کسی معمولی نظر آنے والے انسان کو ذلیل کرنا گناہ ہے اور یہ انسانیت کے فنا ہونے کا ثبوت ہے۔بے تکلفی کے لمحات ہوں یا کمزوروں کے ساتھ ہمارے معاملات، یہی وہ فیصلہ کن لمحات ہیں جو عبادت ہیں اور یہ ہی وہ فیصلہ کن لمحات جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہمارا مقام طے کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

****

ایمان کا اعلیٰ درجہ (دعا پر اعتماد)

دعا کیا ہے؟

دعا دراصل ندا ہے۔ فریاد ہے۔ مالک کے سامنے التجا ہے۔ اپنی فانی اور محدود زندگی کی کسی الجھن سے نکلنے کا طریقہ ہے لیکن جس کا اللہ پر یقین نہ ہو اس کا دعا پر کیسے یقین ہوگا؟

فریاد کا یہ سلسلہ پیدائش ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ معصوم اور بے شعور بچہ فریاد اور پکار سے زندگی کے سفر کا آغاز کرتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے انسان فریاد کرتا ہی رہتا ہے کسی نہ کسی مشکل سے نجات حاصل کرنے کے لئے بیمار آدمی جب اللہ کو پکارتا ہے تو وہ اپنی بیماری سے نجات چاہتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی یہ دوسری وابستگیاں یاد نہیں رہتیں۔ وہ صرف شفا چاہتا ہے غریب کی دعا غریبی سے نجات کے لئے۔ محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے محبوب کا قرب مانگتا ہے غرض کہ ہر انسان ایک الگ خواہش لے کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ اگر گوش باطن سے سنا جائے تو یہ کائنات ایک مجسم فریاد کی صورت نظر آئے گی۔ دعا کا یہ شعور ہمیں فطری طور پر ودیعت کیا گیا ہے۔ آدابِ دعا اور فضلیتِ دعا ہمارے مذہب نے ہمیں بتائے ہیں۔

بچہ بیمار ہو تو ماں کو آدابِ دعا خود بخود آ جاتے ہیں۔۔ جہاز خطرے میں ہو تو دعا سکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی دعا لوگوں کے دل سے نکلتی ہے آنکھ سے آنسو بن کر ٹپکتے ہیں۔

یہ آنسو کیا ہیں؟

یہ موتی ہیں۔ چمکنے والے، بہنے والے آنسو انسان کی فریاد ہیں۔ تکالیف کے ترجمان۔ یہ انمول خزانہ ہیں۔ یہ معصوم و پاکیزہ، دوشیزہ کے حسن سے زیادہ حسین۔ یہ خزانہ کمزور کی قوت ہے، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلنے والا آبِ حیات کا چشمہ، عبدیت کے سفر کی آسانی سعادتوں کا سرچشمہ آرزوں کے صحرا میں نخلستان کا مژدہ۔ آنسو تنہائیوں کے ساتھی۔ دعاؤں کی قبولیت کی نوید۔ انسان کے پاس ایسی متاع بے بہا ہے جو اسے اس کی منزل عطا کرتی ہے۔ یہ موتی بڑے انمول ہوتے ہیں۔ یہ تحفہ فطرت کا ایک نادر عطیہ ہے۔ تقرب الٰہی کے راستوں پر چراغاں کرنے والے موتی انسان کے یہی آنسو ہی تو ہیں۔

دعا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جہاں دعا مانگنے والا ہوتا ہے وہیں دعا سننے والا اور دعا کو منظور کرنے والا بھی موجود ہوتا ہے اگر ہم بلند آواز سے دعا مانگیں تو وہ دور سے سنتا ہے اگر ہم دل میں دعا مانگیں۔ تو وہ دل میں موجود ہے۔ دعا کا انداز تقرب کے اظہار کا اعلان ہے دعا الفاظ کی محتاج بھی ہے اور الفاظ سے بے نیاز بھی دعا منظور کرنے والا خود ہی انداز عطا فرماتا ہے ہاتھ اٹھانا بھی دعا ہے اور ملتجی نگاہ کا اٹھنا بھی دعا ہے۔

ہم اللہ سے وہ چیز مانگتے ہیں جسے ہم خود حاصل نہیں کر سکتے لیکن اس کا حاصل کرنا ممکن ہو۔ مثلاً ہم یہ نہیں مانگتے اللہ ہمیں پرندوں جیسے پر عطا کر دے کیونکہ یہ ناممکن ہے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔

''اے اللہ ہمیں عشق کے پر لگا کر اڑا۔'' کیونکہ یہ ممکن ہے دعا پر اعتماد ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ بڑے نصیب کی بات ہے کہ انسان دعا کا سہارا ہاتھ سے نہ جانے دے جب کسی قوم یا فرد کا دعا سے اعتماد اٹھ جاتا ہے تو آنے والا زمانہ اس کی مصیبت کا زمانہ ہوتا ہے لیکن ہر ایک کا اعتماد دعا سے نہیں اٹھا کرتا کیونکہ یہ گناہ اور ظلم ہوتے ہیں۔ جو انسان سے دعا کا حق چھین لیتے ہیں۔

دعا مانگنا شرط ہے منظوری شرط نہیں اللہ تعالیٰ کے پاس ممکن اختیارات ہیں۔ چاہے تو گناہ گار کی دعا قبول کرے۔ اور نہ چاہے تو پیغمبر کی دعا بھی منظور نہ فرمائے۔ نوحؑ سینکڑوں برس تک اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کرتے رہے۔

آخر ان کا بیٹا بھی طوفان کی نذر ہو گیا۔ لیکن ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔ دعا آخر سوال ہی تو ہے ماننے والا مانے یا نہ مانے۔

یہ زندگی ہے اس میں غم ضرور آئیں گے۔ تکلیف ضرور آئے گی۔ بیماری ضرور آئے گی اور پھر موت بھی ضرور آئے گی۔ ان حالات میں دعا کا مقام کیا رہ گیا؟

دعا کا مقام یہ ہے کہ انسان تقرب الٰہی کی خواہش کو کمزور نہ ہونے دے۔ دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے مایوس نہ ہونے دے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا دعا مسلمانوں کا ہتھیار ہے، دین کا ستون اور آسمان و زمین کا نور ہے۔

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں جیسا وہ مجھ سے گمان رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ مجھ سے دعا کرتا رہے''۔(جامع ترمذی)

ایک اور حدیث قدسی ہے:''اے فرزند آدم تو جب تک مجھ سے دعا کرتا اور میرا امیدوار رہے گا میں تیرے گناہ کتنے ہی ہوں انہیں معاف فرماتا رہوں گا''۔(مشکوۃ المصابیح)

دعا یہ ہے کہ ہمارا دل نور ایمان سے روشن ہو۔دعا یہ ہے کہ اتنا کرم نہ ہو کہ ہم اُس کی یاد سے غافل ہو جائیں اور اتنا ستم نہ ہو کہ ہم اس کی رحمت سے مایوس ہو جائیں۔

دعا یہ ہے کہ اللہ ہمیں منظور ہونے والی دعاؤں کی آگہی عطا فرمائے اور وہ دعائیں جن پر قبولیت کا دروازہ بند ہو۔ان کی توفیق عطا نہ فرمائے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان ان چیزوں کی دعا کر رہا ہوتا ہے جو ان کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں اور اکثر ان چیزوں کو ناپسند کرتا ہے جو اس کے لیے مفید ہوتی ہیں۔ہم اپنی پسند کی چیزیں مانگتے ہیں اور جب وہ حاصل نہیں ہوتیں تو ہم شور مچاتے ہیں۔حالانکہ ان کا حاصل نہ ہونا ہی ہمارے لئے مفید ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ مسنون دعائیں وہ جو آپ خاتم النبیین ﷺ مانگا کرتے تھے۔بچے کے پیدا ہونے سے لے کر میت کے دفن کرنے کے مقام تک ہمیں ہر دعا کا طریقہ کار بتایا گیا ہے۔مثلاً معمولی سا واقعہ ہے''آئینہ دیکھنا''اس کے لئے بھی دعا ہے کہ!

''اے اللہ میرے چہرے کی طرح میرے کردار کو بھی خوب صورت بنا دے''۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک عابد اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا ایک مقرب فرشتے کا وہاں سے گزر ہوا۔عابد پہچان گیا کہ یہ فرشتہ ہے۔بولا" بھئی میری کچھ دعائیں اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچا دو"۔فرشتہ رک کر سننے لگا۔عابد نے اپنی آرزوئیں گنوانا شروع کیں کچھ دیر کے بعد فرشتہ بولا"بس بس میں سمجھ گیا"۔وہ بولا" کیا سمجھ گئے؟ ابھی تو میری بات مکمل ہی نہیں ہوئی ہے۔''فرشتے نے کہا۔''میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دوں گا کہ تیرا فلاں بندہ کہہ رہا تھا''اے مالک مجھے اپنے علاوہ سب کچھ دے دے''۔

بس بات اتنی سی ہے کہ ہم اس سے اس کے تقرب کے علاوہ ہر چیز مانگتے ہیں اگر بہت بڑی دعا کریں گے تو اپنے لئے جنت الفردوس مانگ لیں گے۔ہم تو جنت قرب کے نام سے بھی نا آشنا ہیں۔پھر ہم گلہ کرتے ہی کہ دعا قبول نہیں ہوتی کچھ لوگ تو دوسروں کی تباہی اور ہلاکت کی دعا مانگتے ہیں کیسے منظور ہو؟؟؟

دعا سے بلا ٹلتی ہے۔زمانہ بدلتا ہے۔انسان اپنے اعمال کی عبرت سے بچ جاتا ہے۔دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔

واقعہ مشہور ہے کہ ایک بہت بڑے بزرگ کی ایک خادمہ تھی اس کا کام بزرگ کو وضو کروانا تھا ایک دن جب وہ وضو کروا رہی تھی تو بزرگ نے خادمہ کے چہرے پر نگاہ کی وہاں لکھا ہوا تھا''دوزخی''بزرگ پریشان ہوئے اس خادمہ کے لئے دعا کی۔''اے رب یہ میری خادمہ ہے اور مرید بھی ہے۔مجھے وضو کرواتی ہے۔کل قیامت کے دن اگر یہ دوزخ کی طرف جائے گی تو میری طرف دیکھ کر کہے گی مجھے جنت کے اعمال کیوں نہ بتائے؟ تو اسے معاف کر دے''دوسرے دن بھی وہ خادمہ پھر ان بزرگ کو وضو کروانے کے لئے آئی تو پھر نظر ڈالنے پر وہی لفظ''دوزخی''لکھا ہوا نظر آیا۔بزرگ بہت پریشان ہوئے اس کے لئے دعا کی!''الٰہی یہ میری خادمہ ہے اور میری مرید بھی ہے قیامت کے دن یہ دوزخ کی طرف جائے گی تو مجھے گوارہ نہ ہوگا تو اپنے کرم سے اس کے لئے جنت لکھ دے۔''تیسری مرتبہ ابھی وضو کا وقت نہ آیا تھا کہ بزرگ کے پیرو مرشد اچانک آ گئے۔بزرگ مرید بے حد خوش ہوئے اور جب نماز کا وقت ہوا تو ملازمہ بزرگ کو وضو کروانے کے لئے پانی لائی وہاں اب بھی لکھا ہوا تھا دوزخی۔بزرگ نے فوراً اپنی خادمہ کو کہا" میرے پیرو مرشد کو وضو کرواؤ" مرید ملازمہ پانی لے کر پیرو مرشد کے پاس چلی گئی۔پیرو مرشد نے وضو کرتے ہوئے جو باندی پر نظر کی تو فوراً''دوزخی''پڑھ لیا۔انہوں نے دعا کی"باری تعالیٰ یہ میرے مرید کی مرید ہے۔باری تعالیٰ قیامت کے دن میرا مرید کہے گا"پیرو مرشد آپ ہی اس پر نظر کرتے"وہ وضو کرتے رہے اور خادمہ کو دیکھتے رہے۔پانی ختم ہو گیا۔کہا"اور پانی لاؤ"۔ملازمہ پانی لینے کے لئے گئی تو بزرگ سے کہا"حضور آپ نے کس کے پاس مجھے وضو کرانے کے لئے بھیجا ہے وہ بس ہاتھوں کو ہی دھوتے رہے وہ وضو نہیں کر رہے تھے وہ تو مجھے دیکھ رہے تھے تمام پانی ہاتھوں کے دھونے ہی میں خرچ ہو گیا۔اب اور پانی منگوایا ہے"۔کہا"اور پانی منگوایا ہے جلدی سے لے جا۔جلدی کر۔جلدی جا۔دیر نہ کر''۔خادمہ دوبارہ پانی لے کر حاضر خدمت ہوگئی پیرو مرشد نے پھر وضو کرنا شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ دل ہی دل میں اس کے لئے دعا کرتے رہے۔لیکن نگاہیں خادمہ کے چہرے پر لگی رہیں۔دل ہی دل میں مالک سے التجا کرتے رہے۔یہاں تک کے پانی پھر ختم ہو گیا۔پیرو مرشد نے کہا"اور پانی لاؤ"۔خادمہ نے پھر جا کر بزرگ سے شکایت کی"وہ وضو کیا کریں گے وہ تو بس مجھے دیکھ رہے ہیں"۔اب اور پانی منگوایا ہے۔بزرگ نے کہا"

اور پانی منگوایا ہے۔ لے جا۔ جلدی کر۔ جلدی پانی لے کر جا۔ دیر نہ کر"۔

خادمہ پانی لے کر حاضر ہوئی پیرو مرشد نے پھر نگاہیں خادمہ پر لگا ئیں۔ دعا کی "خالق یہ خادمہ میرے مرید کی مرید ہے۔ میرا مرید کیا خیال کرے گا۔ کہ اس کی خادمہ میرا وضو کروا کر بھی دوزخی رہی" پھر تھوڑی ہی دیر میں کہا "بس کرو پانی زمین پر رکھ دو میں خود وضو کرلوں گا"۔ خادمہ پانی رکھنے کے بعد بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بزرگ نے دیکھا کہ اب اس کی پیشانی پر لکھا تھا ''جنتی'' بزرگ نے اس خادمہ کی شکل دیکھی اور کہا۔ ''بھلی مانس پیرو مرشد نے صرف تین لوٹے پانی بہانے کے دوران تجھے دوزخ سے جنت تک پہنچا دیا۔''

تو یہاں پر دیکھئے دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ ماں کی دعا اس دنیا میں سایہ ابر ہے۔ پیغمبر کی دعا امت کی فلاح ہے۔ دعا کی افادیت برحق ہے دعا سے حاصل کی ہوئی نعمت کی قدر ایسے کرنی چاہیے۔ جیسے منعم کی۔ دعا منظور ہونے کے بعد شکر ادا کرنا چاہے کہ اس نے ہماری دعاؤں کو قبول کیا۔ اور یہ اس کا احسان ہے کسی کے احسان کو اپنا حق نہیں سمجھ لینا چاہے۔ نیک لوگوں کو چاہیے کہ وہ گناہ گاروں کی بخشش کی دعا کریں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا! ''جو اللہ سے دعا نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتے ہیں''۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ "دعا زمین وآسمان کے درمیان رہتی ہے جب تک نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر درود نہ بھیجیں"۔

گویا دعا ایک طائر (پرندہ) ہے اور درود سلام اس کے پر ہیں ان کے بغیر اڑ نہیں سکتا۔

جاگنے والوں کو چاہیے۔ کہ سونے والوں کی فلاح کی دعا کریں قوم کے ہر فرد کو قوم اور ملک کی سربلندی کے لئے دعا کرنی چاہیے۔ صاحب دعا صاحب محبت ہوتا ہے۔ دعا اس کی قبول ہوتی ہے۔ جس کو انسانوں سے جانوروں سے پرندوں سے غرض کہ ہر ذی روح سے دل وجان سے محبت ہوتی ہے۔ محبت نہ ہو تو دعا محض ایک تکلف ہے زمین و آسمان اور اس کے مابین جو کچھ ہے۔ اس کی خیریت کی دعا مانگی جائے تو اپنی زندگی بھی خیریت سے گزر جاتی ہے نفرت کرنے والا انسان دعا سے محروم ہو جاتا ہے۔ سب کی بھلائی چاہنے والا بارگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ وہ ہستی محبوب ہے جس کو دونوں عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے اور واسطے سے دعاؤں کو مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔

اب احتساب میرے گناہوں کا کس لیے؟
اب واسطہ دیا ہے تیرے محبوب کا

بحر حال جب تک زندگی ہے دعا رہے گی دعا ایک آہ ہے یہ فریاد ہے۔ شب تاریک کی تنہائیوں میں ٹپکنے والے آنسو میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔

دعا عابدوں کے گروہ میں داخل کر دیتی ہے اس لئے یہ عبادت کا مغز ہے اس میں اپنی عجز کا اقرار اور اللہ تعالیٰ کے کرم کا اقرار کرنا ہے۔ اس میں اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔ یہ دافع بلا ہے۔ دعا ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "دعا بندے کی تین باتوں سے خالی نہیں یا اس کا گناہ بخشا جاتا ہے۔ یا دنیا میں اسے فائدہ ہو جاتا ہے۔ جو وہ چاہتا ہے مل جاتا ہے۔ یا اس کے لئے آخرت میں بھلائی جمع کر دی جاتی ہے۔ اور بندہ جب آخرت میں اس ثواب کو دیکھے گا تو کہے گا کاش دنیا میں اس کی کوئی دعا قبول نہ ہوتی"۔ (اَلْمُستدرَک ج ۲ ص ۱۶۵ حدیث ۱۸۶۲، احسنُ الوعاءص ۵۵)

سر نیاز بے نیاز کے سامنے جھک جانا دعا ہے کسی بے کس کی نگاہ کا خاموشی سے آسمان کی طرف اٹھ جانا بھی دعا ہے مضطرب دل کی دھڑکن بھی دعا ہے۔ کسی دور رہنے والے کو محبت سے یاد کرنا بھی دعا ہے۔ روح کی مخلصانہ آرزو بھی دعا ہے دعا دینے والے کے در پر کبھی ہم سائل بن کر جاتے ہیں اور کبھی دعا دینے والا خود سائل بن کر ہمارے در پر دستک دیتا ہے۔ ہم کسی کی دعا کی تاثیر ہیں اور ہماری دعائیں کسی اور زمانے کو اثر دیں گی منظور ہو یا نامنظور دعا ہر وقت جاری رہنی چاہیے۔

دریا عبور کرنے کے لئے کشتی ضرور سبب ہے لیکن پار لگنے کے لئے دعاؤں کا سفینہ چاہیے۔ قبولیت دعا کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

1۔ اگر تکلیف گناہوں کا نتیجہ ہے۔ تو اعتراف گناہ اور توبہ

2۔ نیاز وگداز اور اضطراب

3۔ دعا کے ساتھ اگر گداز اور اضطراب کی طاقت نہ ہو تو وہ اُڑے گی کیسے؟

اللہ تعالیٰ نے قران پاک میں اُسی دعا کے لئے ۔قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے جس کے ساتھ اضطراب ہو۔سورۃ نمل، آیت نمبر 62 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''ہمارے سوا وہ کون ہے جو بے قرار کی پکار کا جواب دے''۔

دعا کرتے وقت شروع میں اس کے نام سے پکارے مثلاً جو شخص تین بار یا ارحم الرحمین کہتا ہے فرشتہ کہتا ہے مانگ ارحم الرحمین تیری طرف متوجہ ہے۔اسی طرح 5 بار یَارَبَّنَا بھی نہایت مؤثر اور موجب قبولیت ہے دعا عبادت کا مغز ہے عاجزی کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ **بندے کی عبدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے مانگتا رہے۔**

کسی صوفی کا قول ہے ''گداز میں ڈوبی ہوئی ہر آواز کا جواب فوراً آتا ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو لوگ کائنات کو مردہ سمجھنے لگیں گے''

دعا اور قبولیت ایک ہی سکے کے دو روخ ہیں قبولیت اسی طرح دعا کا دوسرا رُخ ہے۔جس طرح نتیجہ سبب کا رخ ہوا کرتا ہے۔حال کے عمل سے ماضی کا عمل بدل سکتا ہے۔ ماضی کفر ہو تو حال کلمہ پڑھ کر مومن ہو سکتا ہے۔حال مومن ہو جائے تو ماضی بھی مومن ہو جاتا ہے۔ہم دیکھ رہے ہیں۔کہ عشرت کدے آباد ہیں جشن منائے جا رہے ہیں۔ زندگی کے دن رات بڑی تیزی سے گزر رہے ہیں آثار قیامت رونما ہو چکے ہیں۔کہاں گئے دعا کرنے والے؟ ہم میں سے ہر ایک کو دعا کرنی چاہے۔

اپنے ایمان کو کاملیت پر پہنچانے کے لیے دعا خود ایک عبادت ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے سے مانگنے والے پسند ہیں ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ہاں اگر مصلحت کے تحت اس وقت نہ قبول ہوئی تو بڑے دن وہ ہمارے لئے نوید مسرت لے کر کھڑی ہوگی۔

ہمیں بس یہ دعا کرتے رہنا ہے۔''اے میرے اللہ آگاہ کر دے سب کو آگاہ راز کہ کیا ہو چکا ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟ اور کیا ہونے والا ہے۔''اے اللہ ہمیں کامل تقویٰ عطا فرما۔

آج مسلمان سو چکے ہیں دشمن شب خون کے ارادے سے بیدار ہیں موت سر پر کھڑی ہے۔''اے میرے اللہ مجھے ایک ایسی چیخ لگانے کی قوت دے دے کہ بے حسی کی قبر سے غافل مردے نیند کا کفن پھاڑ کر نکل آئیں اور اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھیں جو دیدہ بینا کو نظر آتا ہے۔باری تعالیٰ مجھے اذن گویائی دے مجھے سکوت کے برفانی غاروں میں منجمد نہ کرنا۔مجھے اپنی نئی شان دکھا مجھے اپنا نیا جلوہ عطا کر مجھے حال کا علم دے مجھے حال کا عمل دے میرے حال کو ذوق علم دے میں دریا ہوں مجھے تالاب نہ بنانا۔مجھے مقامات کے جمود سے نکال اس ذرے کو جمالِ آفتاب دے۔باری تعالیٰ اس قطرے کو وسعت بحر عطا فرما۔میرے مالک عمل سے زندگی میں جنت اور جہنم حاصل ہونے کا دعویٰ ہے۔لیکن مجھے معلوم ہے کہ ہر عمل زندگی حاصل نہیں کر سکتا۔میرا کوئی عمل مجھے معزز نہیں بنا سکتا۔میں تیرے فضل کا متلاشی ہوں مجھے تیرا فضل چاہیے۔ فضل اور فضل ہماری یہ التجا ہے۔میرے آقا کہ ہمیں معاف فرما دے۔اپنے فضل سے اور اپنی جناب میں قبول اور منظور فرما''۔اے اللہ ہمیں کامل ایمان پر موت دینا۔**آمین**

****

وصالِ حق کا مقام (صبر و شکر)

انسان کو اس بات پر صبر و شکر کرنے کو کہا گیا ہے۔ جو اسے پسند نہ ہو اور جس کا ہو جانا ناگزیر ہو۔ صبح سے شام تک سینکڑوں واقعات ایسے ہوتے ہیں جو ہو جاتے ہیں لیکن انسان کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں۔ انسان کو صبر کی تلقین کی گئی ہے اس لئے کہ یہ زندگی ہماری خواہشات کے پورا کرنے کے لیے نہیں۔ جہاں ہماری پسند کی چیزیں ہمیں میسر نہ آئیں وہاں صبر سے کام لینا ہے۔ جہاں ہمیں ناپسندیدہ واقعات اور افراد کے ساتھ گزارہ کرنا پڑے وہاں صبر کیا جاتا ہے۔ خوشی میں غم کا آ جانا، بنے بنائے پروگرام کا معطل ہو جانا۔ کسی انسان کے عمل سے ہماری زندگی میں پریشانی کا آ جانا سب صبر کے مقامات ہیں۔ غرض تکلیف ہمارے اعمال سے آئے یا اس کے حکم سے سب مقامِ صبر ہے اور صبر پر اجر ہے۔

ہر وہ عمل جو برداشت کرنا پڑے صبر کے ذیل میں آتا ہے۔ سانحہ ہو یا حادثہ جس کے ساتھ پیش آ رہا ہے وہ تو اس میں سے گزر رہی رہا ہے شور کر کے گزرے یا خاموش رہ کر۔ انسان کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ اس لئے کہ ہماری زندگی ہماری خواہشات کے مطابق نہیں کچھ چیزیں ہماری خواہشات کے مطابق ہوتی ہیں جن پر شکر کرنا چاہیے اور جو چیزیں ہماری خواہشات کے مطابق نہیں وہاں صبر کام آتا ہے۔ صبر کا نام آتے ہی اذیت کا تصور آتا ہے۔ ناپسندیدہ زندگی قبول کرنے کی اذیت یا پسندیدہ زندگی ترک کرنے کی اذیت۔ یہ اذیت احساس کی لطافت کی نسبت سے بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہے۔

کوئی زندگی ایسی نہیں ہوتی جو اپنے حاصل اور اپنی آرزو میں مکمل ہو۔ کبھی آرزو بڑھ جاتی ہیں۔ حاصل کم رہ جاتا ہے۔ صبر کا خیال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان جو چاہتا ہے۔ وہ اسے ملا نہیں۔ انسان کے لئے لازم ہے کہ دنیا کی خواہشات سے پرہیز کرے اور مصائب پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"ان اللہ مع الصابرین"

ترجمہ: ''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 153)

صبر کی کئی قسمیں ہیں۔ اللہ کی اطاعت پر صبر کرنا، تکالیف کو صبر سے برداشت کرنا، اور صدمہ پہنچنے پر صبر کرنا۔ جو شخص اللہ کی عبادت پر صبر کرتا ہے۔ وہ ہر وقت عبادت میں لگا رہتا ہے۔ اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین سو ایسے درجات عطا فرمائے گا۔ جن میں ہر درجہ کا فاصلہ زمین اور آسمان کے فاصلے کے برابر ہو گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے کنارہ کش ہو گا۔ اسے چھ سو ایسے درجات عطا ہونگے جن میں ہر ایک کا فاصلہ ساتویں آسمان سے نیچے ساتویں زمین تک ہو گا۔ اور جو مصائب پر صبر کرے گا اسے سات سو درجات ایسے عطا ہوں گے کہ ان میں سے ہر درجہ تحت زمین سے عرش معلیٰ تک ہو گا۔

انسان محنت کرتا ہے کوشش کرتا ہے مجاہدہ کرتا ہے ریاضت اور عبادت کرتا ہے۔ کہ زندگی اطمینان اور آرام سے گزارے اور مابعد حیات کے خطرات بھی نہ رہیں انسان شادی کرتا ہے شادی کے معنی خوشی ہے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد انسان محسوس کرتا ہے کہ شادی کا عمل فرائض اور ذمہ داریوں کی داستان ہے حقوق کا قصہ ہے یہ صرف خوشی کی بات نہیں ہے اس میں رنج اور رنجش بھی شامل ہیں دو انسان زوجین مل کر سفر کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے باعث مسرت ہونے کے وعدے لے کر ہم سفر بنتے ہیں۔ اور کچھ ہی عرصے کے بعد ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے عمل سے گزرتے ہیں۔ یہی برداشت صبر کرنا ہے۔

برداشت کا مادہ دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے۔ آج کے زمانے میں ہر شخص بے صبرا اور غصیلا واقع ہوا ہے۔ ہمارے ایک بہت اچھے لکھنے والے تھے اشفاق احمد وہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میں نے ایک مولوی صاحب سے سوال کیا" مولوی صاحب یہ صبر کیا چیز ہے "؟ انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا ''اشفاق صاحب آپ وہاں سے شروع کر سکتے ہیں کہ جب بہت زیادہ ٹریفک ہو اور جب گاڑیوں میں گاڑی پھنسی ہوئی ہو۔ آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ اور آپ اپنی کار چلا رہے ہوں تو آپ پیں پیں نہ کریں۔۔ ہارن نہ بجائیں اس کو صبر کہتے ہیں "۔ اشفاق احمد نے کہا" پھر کیا کریں "؟ وہ کہنے لگے " نہ صرف ہارن نہ بجائیں بلکہ steering پر اپنی انگلیاں بھی بے چینی کے عالم میں نہ بجائیں۔ بلکہ بجائے اس کے کہ کسی کو جھڑکیں، کسی کو برا بھلا کہیں اس وقت اللہ کا ذکر شروع کریں کیونکہ یہ آسانی پیدا کرنے کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔ آپ اس وقت آرام سے ''یا لطیف'' کا ورد کرنا شروع کر دیں "۔

ٹریفک میں پھنس کر بے چینی کا مظاہرہ نہ کریں کیونکہ ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بے چین ہو۔ کیونکہ اللہ اس کے ساتھ ہے اس کا دین اس کے ساتھ ہے۔ اس لئے آپ ''یا لطیف یا ودود'' کا ورد کرتے ہوئے آرام سے بیٹھے رہیں ٹریفک کھلے گا مشکل دور ہو جائے گی اور صبر کا اجر بھی لکھ لیا جائے گا۔

پھر مولوی صاحب بولے " دیکھئے صاحب چیں چیں کرنے سے بے چین ہونے سے گھبراہٹ سے گھر والوں سے لڑنے سے وہ حُسن جو اللہ تعالیٰ نے بندے کے اندر عطا کیا ہے وہ نصیب نہیں ہوتا۔ باہر کا حسن تو آدمی میک اپ کر کے کر لیتا ہے۔ لیکن یہ حُسن زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دیتا۔ اصل حُسن تو اندر کا حُسن ہے جو ہمیشہ کام آنے والا ہے یعنی حسن سیرت لہذا ہر عاقل کے لئے ضروری ہے کہ مصائب پر صبر کرے اور حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔ اس دنیا میں یہ دیکھنے میں آیا ہے مصائب انبیاء اولیاء اور مقربین پر زیادہ وارد ہوتے ہیں"۔

صبر کا مقام اس وقت آتا ہے۔ جب انسان کو یقین ہو جائے کہ اس کی زندگی میں اس کے عمل اور اس کے ارادے کے ساتھ ساتھ کسی اور کا عمل اور کسی اور کا ارادہ بھی شامل ہے۔ خوشی میں غم کا آ جانا صحت میں بیماری کا آ جانا بنے بنائے پروگرام کا بگڑ جانا کسی کے عمل سے پُرسکون زندگی میں پریشانی کا امکان پیدا ہونا۔ سب صبر کے مقامات ہیں تکلیف خود ہمارے اعمال سے آئے یا مشیت ایزدی سے۔ مقام صبر ہے کیونکہ تکلیف ایک اذیت ناک کیفیت کا نام ہے۔

تکلیف جسم کی ہو، بیماری کی شکل میں یا روح کی تکلیف احساس مصیبت یا احساس تنہائی یا احساس محرومی کی شکل میں ہو مقام صبر ہے۔ انسان جس حالت سے نکلنا چاہتا ہے اور نکل نہیں پاتا۔ وہاں صبر کرتا ہے۔ جہاں انسان کا علم ساتھ نہ دے اس کی عقل ساتھ نہ دے اور اس کا عمل اس کی مدد نہ کر سکے وہاں مجبوری کا احساس اسے صبر کا دامن اور صبر کا آسرا تلاش کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

صبر کا تصور دراصل صرف مجبوری ہی کا احساس نہیں ہے صبر کے نام کے ساتھ ہی ایک اور ذات کا تصور واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اپنی زندگی میں ہم سب کچھ نہیں کر سکتے ہم اپنی زندگی کے مالک ہو کر بھی مکمل طور پر اس کے مالک نہیں ہے۔ ہم مختار ہو کر بھی مختار نہیں۔ ہم قدرت رکھنے کے باوجود بھی قادر نہیں ہیں ہم اور ہماری زندگی ایک اور ذات کے ارادے کے تابع ہیں۔ اور وہ ذات مطلق ہے۔ اس کا امر غالب ہے۔ وہ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ ہمارے ساتھ، ہماری زندگی کے ساتھ ہمارے ظاہر کے ساتھ ہمارے باطن کے ساتھ ہماری تنہائی کے ساتھ ہمارے گردوپیش کے ساتھ ہمارے والدین کے ساتھ ہماری اولاد کے ساتھ ہمارے ہر ہر خیال کے ساتھ یہ عبدیت کا سفر ہے۔ اگر وہ چاہے تو ہمیں عزت ہی عزت دلوا دے اور چاہے تو ہمارے مرتبے گرا دے۔ اگر وہ چاہے تو ہماری غریبی اور غریب الوطنی کو سرفرازیاں عطا فرما دے چاہے تو یتیموں کو پیغمبر بنا دے اور چاہے تو مسکینوں کو مملکت عطا کر دے۔ اس ذات کا امر اور عمل اٹل ہے اس کے فیصلے آخیری ہیں ہم اس کے حکم کے تابع ہیں۔ انسان کی خوشیاں انسان کے خوف انسان کے جذبات اور احساسات سب اس کے تابع ہیں۔ وہی ذات ہے جو انسان کو بار بار حکم کرتی ہے کہ صبر کرو۔

یعنی اپنی زندگی میں میرے حکم سے پیدا ہونے والے حال کو سمجھنے سے پہلے تسلیم کر لو اور جو سمجھ میں نہ آ سکے اس پر صبر کرو۔ اور جو سمجھ میں آئے اس پر غور کرو صبر کی منزل ایک مشکل منزل ہے انسانوں کی دنیا میں محرومی سے بڑی کوئی کوفت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی دنیا میں محرومی سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔ انسانی دنیا میں محرومی کو کوئی پسند نہیں کرتا ۔ اس لئے کہ محرومی کا مطلب دکھ تکلیف، مایوسی، معذوری، بدحالی اور دوسروں سے پیچھے رہ جانا ہوتا ہے۔ ہر شخص زندگی کے کسی مرحلے پر محرومی کو پسند نہیں کرتا یہ محرومی انسانوں کو بدقسمتی لگتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان چاہے تو اس محرومی کو دنیا کی عظیم ترین طاقت میں تبدیل کر لے۔

دراصل اس دنیا میں انسان کو سب کچھ رب کی عطا ہی سے ملتا ہے۔ ایسے میں کوئی بندہ اگر ابر کرم کی اس برسات میں محروم رہ جائے تو اس پر ایک عظیم ترین دروازہ کھلنا ہوتا ہے۔ یہ پروردگار کے قرب کا دروازہ ہے۔ یہ دروازہ بڑی سے بڑی عبادت، انفاق حتیٰ کہ شہادت کے بعد بھی کھلوانا آسان نہیں ہوتا اس لئے کہ ہر عمل کو احتساب کے خدائی آپریشن سے گذرنا ہو گا۔ جس میں نیت خلوص اور محرکات کو پرکھا جائے گا۔ لیکن محروم آدمی صرف اور صرف اپنی محرومی کی وجہ سے اس آپریشن سے نہیں گزارا جائے گا۔ اس کے گناہوں کے لئے مغفرت کا پروانہ ہو گا اور نعمتیں ہوں گی۔ اس لئے کہ محرومی پر اس کا صبر ہر قربانی کا نعم البدل بن جائے گا۔

محرومی اللہ تعالیٰ کی قربت کا راز ہے۔ وہ اللہ جس کے ہاتھ میں آسمان اور زمین کے خزانے ہیں اور انکی بادشاہی ہے۔ جس شخص نے اس راز کو جان لیا اس کی یہ محرومی اسکی عظیم ترین راحت بن جائے گی۔ عام طور پر خلاف مزاج معاملہ کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ اور اکثر لوگ اس کو سخت حالات خیال کرتے ہیں کیونکہ اس میں نفس کو مشقت الجھن اور پریشانی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف جو معاملات مزاج کے موافق ہوتے ہیں چونکہ اس میں فرحت اور خوشی ہوتی ہے اس لیے ان کو اچھا خیال کیا جاتا ہے۔ اور انسان خواہش کرتا ہے کہ اس طرح کے حالات اور معاملات ہوتے رہیں۔ حالانکہ ان دونوں حالتوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ طبیعت کے موافق معاملہ ہو گا۔ اس میں بھی امتحان مقصد ہے۔ خلاف طبع امور پیش آئیں گے اس میں بھی مقصود امتحان ہے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ مزاج کے موافق جو معاملات پیش آتے ہیں اس میں

امتحان سخت ہوتا ہے۔ کیونکہ عموماً انسان نعمتوں میں گم ہوجاتا ہے اور انعام دینے والے کی طرف نگاہ نہیں کرتا۔ جس سے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی ہوجاتی ہے اس لئے قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے۔ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 17)

ترجمہ: ''اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں''۔

توجس حالت میں ہم خوش ہوتے ہیں اور جس حالت کی خواہش کرتے ہیں وہ سخت امتحان کا پرچہ ہے انسان راحت میں شکر کر کے اجر حاصل کرتا ہے اور تکلیف میں صبر کر کے اجر حاصل کرتا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ عجیب بات ہے وہ تکلیف دور کرسکتا ہے۔ لیکن صبر کرنے کو کہتا ہے۔ اور صبر پر اجر کا وعدہ کرتا ہے۔ انسان کی تسلیم ورضا کا روشن باب انسان کی انسانیت کا ارفع مقام ہے کہ وہ یہ سمجھ لے کے تکلیف دینے والا ہی راحت جاں ہے۔ یہ زندگی اس کی دی ہوئی اور اس کے حکم کی منتظر ہے۔ وجود اس کا بنایا ہوا ہے اس کے امر کے تابع ہے۔ وہ ستم کرلے تو ستم ہی کرم ہے۔ وہ تکلیف بھیجے تو یہ بھی راحت ہے۔ وہ ذات ہمارے جسم کو اذیت سے گزارے تو یہ بھی اس کا احسان ہے کہ اس کے بعد بھی اجر ہے۔ اور یہی وصال حق کا مقام ہے۔

حضرت زکریاؑ کی جان کے درپے یہودی ہوئے تو وہ شہر سے نکل کر جنگل میں چلے گئے انہوں نے یہودیوں کو اپنا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا تو درخت سے کہا "مجھے پناہ دو"۔ درخت چر گیا اور آپ اس میں روپوش ہوگئے۔ جب یہودی اس درخت کے قریب پہنچے تو شیطان نے سارا قصہ بیان کر کے انہیں درخت کو آری سے دولخت کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ کیوں آری سے کاٹ دیئے گئے؟؟؟ انہوں نے درخت سے پناہ مانگی۔

صبر کرنے والے اس مقام سے آشنا کروا دیئے جاتے ہیں کہ تکلیف دینے والا ہی صبر کی توفیق دے رہا ہے۔ اور اس مقام پر صبر ہی شکر کا درجہ اختیار کر لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے مقرب اذیت سے تو گزرتے ہیں لیکن بے زاری سے کبھی نہیں گزرتے۔ وہ شکر کرتے ہوئے وادیِ اذیت سے گزر جاتے ہیں۔

ہمیں ایک بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ انسانوں کی دنیا میں محرومی سے بڑی کوئی کوفت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی دنیا میں محرومی سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔ انسانوں کی دنیا میں محرومی کوئی پسند نہیں کرتا۔ محرومیاں انسانوں کو بدقسمتی لگتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان چاہے تو اس محرومی کو دنیا کی عظیم ترین طاقت میں تبدیل کر دے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں انسان کو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملتا ہے۔ اس پر ایک عظیم ترین دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہ دروازہ بڑی بڑی عبادت، بڑے سے بڑے انفاق، حتیٰ کہ شہادت کے بعد بھی کھلوانا آسان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ہر عمل کو 'احتساب' کے خدائی آپریشن سے گزرنا ہوگا۔ جس میں نیت خلوص اور محرکات کو پرکھا جائے گا۔ لیکن محروم آدمی صرف اپنی محرومی کی وجہ سے اس آپریشن سے نہیں گزرا جائے گا۔ اس کی محرومی اور اس کا صبر ہر قربانی کا نعم البدل بن جائے گا۔ اسکے گناہوں کے لئے مغفرت کا پروانہ ہوگا۔ اور نعمتیں دیتے وقت رحمت کے لامحدود پیمانے سے اسے دیا جائے گا۔ اللہ کا وعدہ سچ ہے۔ ہمیں اپنے وعدوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔ وہ تو دینے پر تلا ہوا ہے۔ سبحان اللہ محرومی اس کی قربت کا راز ہے۔ وہ اللہ جس کے ہاتھ میں آسمان اور زمین کے خزانے ہیں اور حقیقی بادشاہی اسی کی ہے جس شخص نے اس راز کو جان لیا اس کی محرومی اس کی عظیم ترین نعمت بن جائے گی۔

اٹلی روم کا دارالحکومت ہے وہاں 1953 میں سر الیگزینڈر فلیمنگ ایک یونیورسٹی میں لیکچر دے رہے تھے لیکچر دیتے ہوئے انہوں نے ایک بات کہی اور وہ یہ کہ دنیا میں سب سے زیادہ صبر کرنے والا scientist ہوتا ہے۔ کسی نے سوال کیا" سر یہ جو آپ ایجادات کرتے ہیں۔ اتنے رتبے کے scientist بنتے ہیں تو یہ سب آپ کو کیسے آجاتا ہے"؟ انہوں نے کہا" اس میں ہمارا کوئی اتنا بڑا کمال نہیں ہوتا۔ ہم تو بس لیبارٹری میں جاتے ہیں اور لیبارٹری میں حاضر رہتے ہیں صبر کرتے ہیں"۔ سوال کرنے والے نے کہا" سر یہ کیسے"؟ انہوں نے جواب دیا ''علم جو ہے وہ تو عالم مطلق کے پاس ہوتا ہے۔ اللہ کے پاس ہے انسان کے پاس نہیں ہوتا۔ اور وہ اپنی مرضی کے مطابق انسانوں کو جب چاہتا ہے۔ عطا کرتا رہتا ہے۔ نہ پہلے نہ بعد میں انسان اپنی کوشش اور جدوجہد سے اپنی ہمت سے علم حاصل نہیں کرسکتا لیکن ہم تو کوشش اور جدوجہد کے بندے ہیں کوشش کے بغیر تو ہم کو کچھ ملتا ہی نہیں ہے ہاں ہم کوشش ضرور کرتے ہیں لیکن اس کے بعد ایک مسلسل حاضری اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جھولی پھیلا کر کشکول لے کر حاضر رہنا ہوتا ہے۔ تب کہیں جا کر علم عطا ہوتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اس وقت دیتا ہے"۔ پھر انہوں نے کہا" کئی ہزار برس سے درختوں کے اوپر سے سیب زمین پر گر رہے تھے۔ کسی نے کوئی نوٹس ہی نہ لیا سیب تو گرتا ہی رہتا ہے نا پھر اللہ تعالیٰ نے علم عطا کرنا مقصود جانا۔ تو پھر اس نے ایک فرشتے سے کہا" جاؤ جو ایک شخص درخت کے نیچے سوچ بچار میں مصروف ہے۔ اس کے کان میں جا کر کہہ دے کہ یہ کشش ثقل ہے۔ سیب کا گرنا کشش ثقل کی وجہ سے ہوا ہے" تو فرشتے نے غالباً اس شخص کے کان میں جا کر کہا ہوگا" کشش ثقل۔ کشش ثقل" پھر اس آدمی نے اس شے کے گرنے پر توجہ دی اور اس کے اوپر اس نے کام کرنا شروع کر

دیا۔تو علم صرف قادر مطلق عطا کرتا ہے۔ہمیں کوشش کر کے صبر سے بس دعا کرنی چاہیے اور نتیجہ قادر مطلق کے حوالے کر دینا چاہئے''۔

یہ سائنسدان بھی کتنے عجیب ہیں انہوں نے مادیت سے اتنا نہیں سیکھا ہے جتنا روحانیت سے سیکھا ہے۔

دنیا دار جس مقام پر بیزار ہوتا ہے۔مومن اس مقام پر صبر کرتا ہے۔اور مومن جس مقام پر صبر کرتا ہے۔مقرب اس مقام پر شکر کرتا ہے۔کیونکہ یہی مقام وصالِ حق کا مقام ہے تمام واصلین حق صبر کی وادیوں سے بہ تسلیم ورضا گزر کر سجدہ شکر تک پہنچتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ اپنے طلبہ کو درس دینے میں مصروف تھے۔اتنے میں ان کے ایک خادم نے سرگوشی کرتے ہوئے ان کے کان میں کچھ کہا۔بزرگ اس خادم کی سرگوشی سننے کے بعد اٹھے اور جا کر دو رکعت نماز ادا کی اور واپس اپنی کرسی پر آ گئے اور کہا" **الحمدللہ رب العالمین** " تھوڑی دیر کے بعد خادم نے پھر کہا بزرگ پھر اٹھے دو رکعت ادا کیں اور پھر واپس آ کر شکر ادا کیا اس پر اُن طلبہ نے جو درس لے رہے تھے بزرگ سے دریافت کیا" حضور کیا معاملہ ہے "؟ بزرگ نے فرمایا" پہلی مرتبہ جب خادم نے مجھ سے کہا" آپ کا مال سے لدا ہوا جہاز بھنور میں پھنس گیا ہے۔تو میں نے دوگانہ ادا کیا کہ کہیں میرا دل مال کے نقصان پر پریشان تو نہیں؟ میں نے محسوس کیا کہ ایسا نہیں ہے اس لئے میں نے کہا **الحمدللہ رب العالمین** " ایک گھنٹہ کے بعد میرے خادم نے دوبارہ آ کر کہا" حضور جہاز بھنور سے نکل آیا ہے "۔پھر میں نے دو رکعت نماز ادا کی کہ کہیں میرا دل مال سے خوش تو نہیں ہوا۔میں نے محسوس کیا کہ ایسا نہیں ہوا اس لئے میں نے دوبارہ کہا **الحمدللہ رب العالمین** "۔

اس لئے کہا گیا ہے کہ مومن جس مقام پر صبر کرتا ہے۔مقرب اس مقام پر شکر کرتا ہے۔اس لئے کہ صبر کرنے والے اس مقام سے آشنا کرا دیئے جاتے ہیں کہ تکلیف دینے والا ہی صبر کی توفیق دے رہا ہے۔اور اس مقام پر صبر شکر کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے مقرب اذیت سے تو گزرتے ہیں لیکن بیزاری سے نہیں گزرتے وہ شکر کرتے ہوئے وادی اذیت سے گزر جاتے ہیں یہی انسان کی شان عبودیت ہے کہ انسان کا وجود تیروں سے چھلنی ہو۔دل یادوں سے زخمی ہو۔اور سرِ نیاز سجدہ میں ہو کہ ''اے خالق مجھے صبر و استقامت کی منزلیں عطا کرنے والے تیرا شکر ہے لاکھ بار شکر ہے کہ تو نے مجھے چُن لیا اپنا بندہ بنا لیا۔اپنا اور صرف اپنا تیری طرف سے آنے والے ہر حال پر ہم راضی ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہم اور ہماری زندگی بے مصرف اور بے مقصد نہ رہنے دینے والا تُو ہی تو ہے تُو نے ہی ہمیں تسلیم و رضا پہنا کر اہل دنیا کے لئے ہمارے صبر کا ذکر ہی باعث تسکین روح و دل بنایا''۔

مقاماتِ صبر کو مقاماتِ شکر بنانا خوش نصیبوں کا کام ہے۔ایسی خوش نصیبی کہ زمین والے ان کی تکلیف پر اظہار غم کریں اور آسمان والے ان کو سلام بھیجیں۔صبر والوں کی شان نرالی ہے۔ان کا ایمان قوی ہے۔ان کے درجات بلند ہیں ان کے جسم پر پیوند کے لباس ہیں اور ان کے در پر جبریلؑ جیسے غلام ہیں۔اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے۔

بیکسی کی داستان بننے والے امام عالی مقام بیکسوں کے لئے چارہ ساز ہیں۔یہ داستان اہل علم کے لئے نہیں یہ اہل نظر کا مقام ہے،اہل شکر کے لئے ہے۔ان کے لئے جو ہر حال پر راضی رہتے ہیں۔ان کی پیشانیاں سجدوں کے لئے بے قرار رہتی ہیں وہ تکلیف سے گزرتے رہتے ہیں لیکن ان کی زبانوں پر کلمات شکر رہتے ہیں۔

اس لیے حدیث میں ہے''مومن کا معاملہ عجیب ہے اس کا ہر حال خیر ہی خیر ہے۔اور یہ بات سوائے مومن کے اور کسی کو نصیب نہیں۔کیونکہ اگر اس کو راحت پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔اور اگر اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے۔''(مشکوۃ المصابیح)

ارشاد نبوی (خاتم النبیین ﷺ) ہے اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے''جب میں اپنے بندے کو اس کی محبوب ترین چیزوں کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے تو اس کے بدلے میں اس کو جنت عطا کرتا ہوں۔''(سنن الکبریٰ،بیہقی 385)

ابوسعید خدری جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ انصار کی ایک جماعت نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے کچھ مانگا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان کو دیا یہاں تک کہ جو کچھ تھا آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس ختم ہو گیا۔تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" میرے پاس جو کچھ بھی مال ہوگا، میں تم سے بچا نہیں رکھوں گا اور جو شخص سوال سے بچنا چاہے تو اللہ اسے بچا لیتا ہے، جو شخص بے پروائی چاہے تو اسے اللہ تعالی بے پرواہ بنا دے گا اور جو شخص صبر کرے گا اللہ تعالی اسے صبر عطا کرے گا اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور کشادہ تر نعمت نہیں ملی "۔(صحیح بخاری)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''قیامت کے روز جب مصیبت زدہ لوگوں کو (ان کے صبر کے بدلے بے حساب) اجر و ثواب دیا جائے گا تو اس وقت (دنیا میں) آرام و سکون (کی زندگی گزارنے) والے تمنا کریں گے " کاش! دنیا میں ان کی جلدیں قینچیوں سے کاٹ دی جاتیں (تو آج وہ بھی اِن

عنایات کے حقدار ٹھہرتے)۔''(جامع ترمذی)

آپ خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ " آدمی کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ ہوا کرتا ہے، جس پر وہ اپنے عمل کے باعث نہیں پہنچ سکتا، پس اللہ تعالیٰ اُس کے جسم پر کوئی مصیبت بھیج دیتا ہے کہ اِس کے باعث وہ درجہ اُس کو مِل جاتا ہے "۔(کسی بیماری میں مبتلا کر دیا جاتا ہے)(مسند احمد)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ذکر کرنے والی زبان اور شُکر کرنے والے دل کو بہترین مال قرار دیا ہے۔(جامع ترمذی)

حضرت ضحاکؒ کا فرمان ہے''جس شخص کو چالیس راتوں میں سے ایک رات بھی ایسی میسر نہ آئی جس میں رنج نہ ہو اس نے اللہ کے ہاں سے کیا خاک بھلائی حاصل کرنی ہے؟'' حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول ہے''جب بندہ مومن بیمار ہو جاتا ہے تو اس کے بائیں طرف کے فرشتے کو حکم ہوتا ہے اس کی کوتاہیوں کو لکھنا بند کر دو اور دائیں طرف والے فرشتے کو کہا جاتا ہے کہ بہترین نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج کر''۔

مصائب کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے " مصائب عارفین کا چراغ مریدوں کی بیداری۔مومن کی اصلاح،اور غافلوں کے لئے ہلاکت ہے۔اہل ایمان مصائب پر صبر کئے بغیر ایمان کی لذت کا مزہ چکھ ہی نہیں سکتے"۔

بنی اسرئیل میں !ایک نہایت بدکردار شخص تھا اہل شہر اس کی بدکرداری سے تنگ آ گئے تھے۔انہوں نے اس بدکردار شخص سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت موسیٰؑ کو اس شخص کو شہر سے نکالنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا" اگر وہ شخص اب شہر میں رہا تو پورے شہر پر آگ برسائی جائے گی"۔حضرت موسیٰؑ شہر میں گئے اور اس شخص کو باہر نکال دیا۔وہ دوسرے شہر میں گیا وہاں سے بھی نکالنے کا حکم ہوا۔وہ ایک الگ تھلگ غار میں جا کر رہائش پذیر ہوا۔اور اس غار میں بیمار ہو گیا۔اور بیماری کی حالت میں غار میں رہا بیماری زیادہ بڑھی تو اب وہ رونے لگا" کاش میرے ماں باپ ہوتے تو میری تیمارداری کرتے کاش میرے بیوی بچے ہوتے" پھر وہ رونے لگا اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگنے لگا اس نے رو رو کر کہا" اے رب میں بدکردار ہوں میرے جیسا کوئی بدکار بستی میں نہ تھا میری بدکاری کی وجہ سے مجھے دونوں بستیوں سے نکالا گیا ہے۔مجھے معلوم ہے کہ میرے گناہ کتنے ہیں۔باری تعالیٰ مجھے میرے گناہوں کی وجہ سے جہنم رسید نہ کرنا۔مجھے اپنی رحمت میں لے لے۔مجھے اپنی رحمت سے دُور نہ فرمانا۔مجھے معاف کر دے تُو معاف کرنے والا ہے"۔وہ اس طرح معافی مانگتا رہا۔اللہ تعالیٰ نے اس کی دلجوئی کے لیے ملائکہ کو اس کے والدین اور بیوی کی شکل میں بھیجا۔وہ انہیں دیکھ کر خوش ہوا اور مر گیا۔حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا''فلاں غار میں ہمارا دوست مر گیا ہے جا کر اس کی تجہیز و تکفین کرو''۔

آپ نے وہاں جا کر اس شخص کو دیکھا جس کو شہر اور بستی سے نکالا گیا تھا۔حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا"یہ تو وہ شخص ہے جسے شہر اور بستی سے نکالا گیا تھا"۔اس پر ارشاد ہوا"اس نے عاجزی کی توبہ کی اور اپنی تکالیف پر صبر کیا اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا۔ہم نے اس کے گناہ معاف کر دیئے"۔

جب کوئی مسافر۔حالت مسافری میں دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے دم واپسی سے قبل اللہ تعالیٰ فرشتے اس کے عزیز و اقارب کے روپ میں بھیج دیتا ہے۔جنھیں دیکھ کر وہ مسرور ہو جاتا ہے۔موت کے بعد یہی فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 19 فرمان الٰہی ہے:

اللّٰہُ لَطِیفٌ بِعِبَادِہٖ

ترجمہ:''اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔''

فریدالدین عطارؒ کا قول ہے انسان کا صدق اور کذب اس کی مصیبت اور اسکی شادمانی کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔جو شخص خوش حالی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں فریاد کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔کسی کو دونوں جہانوں کا علم عطا کر دیا جائے پھر اس پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑے اور وہ شکوہ و شکایت کرے تو اس کے لیے یہ علم بے کار ہے۔

تو صبر و شکر ان دونوں عبادتوں کا تعلق حالات و معاملات سے ہوا۔صبر کا تعلق طبیعت کے خلاف حالات سے ہے۔جبکہ شکر کا تعلق طبیعت کے موافق حالات سے ہے جب مزاج کے خلاف معاملہ پیش آئے تو حکم ہے صبر کرو۔اس لیے اس وقت صبر کرنا ہی عبادت و بندگی ہے جب طبیعت کے موافق معاملہ پیش آئے تو حکم ہے شکر کرو اس لیے کہ اس وقت شکر کرنا ہی عبادت و بندگی ہے۔

اس لیے یہ دونوں عبادتیں ہمہ وقت ہوتیں ہیں کبھی عبادت صبر کی صورت میں ہوگی اور کبھی عبادت شکر کی صورت میں ہوگی اس طرح اگر دیکھا جائے اور غور کیا جائے تو مومن ہر حال میں نفع میں ہوتا ہے۔کسی حال میں وہ خسارے میں نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ حدود کی رعایت کرے۔

****

اِنسانیت کی معراج (رات)

انسان کی زندگی میں جتنے دن ہوتے ہیں اتنی ہی راتیں ہوتی ہیں ۔یوں تو انسان کی نصف زندگی روشنی میں گزرتی ہے اورنصف اندھیرے میں دن کے اجالے اپنے ساتھ اپنے مسائل لاتے ہیں انسان پرکسب معاش کی فکرسورج کی روشنی کے ساتھ ہی نازل ہوتی ہے۔انسان تلاش معاش کے سلسلے میں گھر سے نکلتا ہے جس طرح پرندے اپنے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں۔

دن کی روشنی حقائق کی روشنی ہے۔تلخ ہے انسان کچھ بھی تونہیں چھپا سکتا۔اس کا چہرہ اس کے حالات اوراس کی حالت کا آئینہ بن کراحباب واغیار کے روبروہوتا ہے۔سورج کی روشنی اس کے تعاقب میں ہوتی ہے اوریوں انسان اپنے سائے سے ڈرتا ہے۔اپنے سائے کی تلاش میں کوسوں فاصلے طے کرتا ہے۔اپنے حاصل کی آرزو میں اپنی محرومیوں کا ہرمسافر دن کی روشنی میں جدوجہد میں مشغول رہتا ہے۔

رات آتی ہے رات ایک نعمت ہے۔رات آکرمحنت کے زخموں سے چورجسموں کونیند کی مرہم عطاکرتی ہے انسان کے لئے دھوپ سے تپتے صحرامیں نخلستان کی راحت رات کے دم سے ہے۔رات اپنے پراسراردامن میں بے پناہ خزانے سمیٹ کرلاتی ہے۔جنہیں وہ اہل حضرات کی خدمت ہی میں پیش کرتی ہے۔

سونے والوں کورات لوری دیتی ہے۔رات عجب راز ہے یہ رازسب پرآشکارنہیں ہوتارات انکشاف زبان ومکاں کرتی ہے۔رات کووقت کے لامحدود فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔رات کے پاس بڑے لمحات ہوتے ہیں۔یہ کبھی لمحوں کوصدیاں بنادیتی ہے۔اورکبھی صدیوں کوایک لمحہ۔رات کے پاس وہ قوت ہے کہ یہ ازل اورابد کو بیک وقت ایک نقطہ پراکٹھا کردیتی ہے۔ **راتوں کو جاگنے والے ماضی،حال اور مستقبل کی تقسیم سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔غورکرنے والے رات کی گہرائیوں سے انمول موتی نکالتے ہیں۔مشاہدات اورحقائق کے موتی یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کواحساس ولطافت کی دولت رات کوملتی ہے انسانیت کا عروج راتوں کوہوتا ہے۔بیدار راتیں اشکبارراتیں اورپھرہرعروج کاانتہائی عروج ''معراج'' رات ہی کا عطیہ ہے۔**

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کورات کے عالم میں،ہوکے عالم میں،مسجدحرام سے مسجداقصیٰ کی سیرکروائی۔بلکہ مکاں سے لامکاں تک اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو سیرکروائی توکیا کچھ نہ دکھایا ہوگا۔کون سازمانہ ہے جوآپ خاتم النبیین ﷺ کے روبرونہ لایا گیا ہوگا؟راکبِ وقت جب زمام گردش کھینچ لے۔توکونسی وسعت ہے جو دامن رحمت کے سائے سے نہ گزرے اورکونسازمانہ ہے جومحتاج نگاہِ رحمت عالم نہ ہو؟رفعتوں اوروسعتوں کوطے کرنے والی نگاہ میں آج بھی وقت کے فاصلے حائل نہیں۔

یہ رات کا اعجاز ہے کہ آج بھی پکارنے والوں کوجواب ملتا ہے۔چشم تمنارات کوچشم گوہربار بنتی ہے،چشم بینا بنتی ہے،انسان اوررب کی ذات سے تقرب رات کو ہوتا ہے سجدوں کوقبولیت کی سرفرازی حاصل ہوتی ہے۔مضطرب پیشانیوں کوراحت سنگِ درنصیب ہوتی ہے۔رات کا عالم عجیب عالم ہے خاموشی گویا ہوتی ہے۔سکوت نغمہ سراہوتا ہے۔سناٹے بولتے ہیں ہم کلام ہوتے ہیں آئینوں سے عکس آئینہ باہرنکلتا ہے۔اورصحرائے تشنہ قلزم رحمت سے ہمکنار ہوتا ہوا سیراب وسرشار ہوتا ہے۔

رات کی نوازشات کے قصے اہل دل اوراہل باطن کی زندگی کا اثاثہ ہوتے ہیں رات کی تنہائی میں انسان کی آنکھ سے ٹپکنے والے آنسوزمانے بدل دیتے ہیں۔طوفانوں کارخ موڑدیتے ہیں۔آہ وفغان نیم شب کے سامنے کوئی مشکل مقام مشکل نہیں رہتا ہرناممکن ممکن ہوجاتا ہے۔

رات کی خوشبو ہرخوشبو سے بہتر ہے۔یہ خوشبوافلاک سے نازل ہوتی ہے۔رحمت کی خوشبو،کائنات کی خوشبو،بلکہ حسنِ ذات کی خوشبو،یہ خوشبو کاروانِ شوق کی رہنما ہے۔جذب ومستی کی تمام رنگین داستانوں کا حرفِ اوّل اورحرف آخیر یہ خوشبوہی توہے۔جس کے متعلق سرورکائنات خاتم النبیین ﷺ نے اس طرح تاکید فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (سورۃ نبی اسرائیل،آیت نمبر79)

ترجمہ:''رات کے ایک حصے میں جاگ کرنماز پڑھا کرو(بطورصلہ)عنقریب تمہیں ہم ایسے مقام پرپہنچادیں گے کہ ایک دنیااس کی تعریف کرے گی''

احترام محبوبیت کا یہ مقام شب خیزی کے بغیرمیسرنہیں آتا۔قرآن پاک میں شب خیزی کے دواورفائدے بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

1۔ اس سے نفس سرکش پرضبط حاصل ہوتا ہے۔

2۔ دوسرے اس سے بات میں وزن پیدا ہوتا ہے۔یعنی الفاظ میں تاثیر آجاتی ہے۔

پہلی بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں، سحر خیز کی نظر آخیری منزل یعنی اللہ پر ہوتی ہے۔اور پھر، جہان رنگ و بو کی کوئی کشش اسے اپنے مقصد سے غافل نہیں کرسکتی۔رہی دوسری بات کہ اس سے بات میں وزن پیدا ہوتا ہے۔

''تو تجربے اور مشاہدے کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے گزشتہ برسوں میں نا جانے کتنے شعراء، ادیب اور مصنفین کے ناولوں اور کتابوں کے انبار لگ گئے'' ۔لیکن ان دفتر بے معنی کو پڑھنے والے نہ اس وقت موجود تھے نہ اب ہیں اس لئے کہ تحریر روح کی صدا ہوتی ہے۔یہ صدا ہی مفلس اور ضعیف ہو تو اس صدا کو کون سنے گا؟ دوسری طرف رومیؒ، غزالیؒ علامہؒ اقبال کی تصانیف میں وہ دلکشی، وہ حسن اور وزن ہے کہ صدیوں سے زندہ ہیں اور قرنوں تک زندہ رہیں گی ان کے ادب میں زندگی کہاں سے آئی؟ ان کی روح سے اور روح کو توانائی کہاں سے ملی؟ شب خیزی سے۔

خود باری تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: (سورۃ مزمل، آیت نمبر 6)

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا

ترجمہ: ''شب بیداری نفس کو کچلنے کے لئے مفید ہے۔اس سے بات میں وزن بھی آتا ہے''۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (سورۃ فاطر آیت نمبر 10)

اِلَيهِ يَصعَدُ الكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ العَمَلُ الصَّالِحُ يَر فَعُهُ

ترجمہ: ''پاکیزہ کلام عمل صالح کے پر لگا کر اللہ تعالیٰ کی طرف اڑتا ہے''۔

شب بیداری بیدار مغز، بیدار بخت انسان کے لئے نعمت ہے یہ اس کے لئے ایک عطائے پروردگار ہوتی ہے۔یہ احسان ہے خالق کا ان لوگوں پر جن کو بیدار راتوں کا عرفان نصیب ہو۔نیم شبی وجود آدم کی مقدس ترین عبادت کا نام ہے۔انسان، دل والے انسان، ایمان والے انسان کے آنسو نیم شب کے آنسو ستاروں سے زیادہ روشن اور شبنم سے زیادہ پاکیزہ ہوتے ہیں۔

یہ دنیا ان کے اشکوں کے دم سے آباد ہے۔دنیائے علم و آگہی، دنیائے عرفان، دنیائے باطن اور دنیائے حقیقت! کاش ہمیں بھی ایسی راتیں میسر آئیں۔ایسی ہی راتوں میں آنکھیں بینا ہوتی ہیں۔دل بینا ہوتے ہیں۔

ے دل بینا تو کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

جب انسان اپنے درد و کرب اور غم و الم کے بوجھ رات کے خاموش آنگن میں اتارتا ہے۔تو اسے عجیب احساس ہوتا ہے۔رات ہی اسے سمجھاتی ہے کہ اے ناسمجھ انسان جسے تو اپنے لئے کرب اور مصیبت سمجھ رہا ہے۔یہی تو تیرا حاصل ہے یہی ہے تیرے لئے تیرے مالک کی طرف سے دولت گراں نمایاں انسان رات کی گود میں ہنستا ہے اور روتا ہے۔اور رات اسے پیش کرتی ہے۔اس ہستی کے روبرو جس کو غم زدوں سے پیار ہے اور یوں رات ایک عظیم محسن بن کر شعور کی زندگی میں داخل ہو جاتی ہے محدود کو لامحدود سے نسبت راتوں کو ہی پیدا ہوتی ہے۔

انسان رات کے عالم میں کائنات کے بہت قریب ہوتا ہے۔وہ کائنات سے واصل ہوتا ہے۔وہ ذرے ذرے کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔وہ ہر ستارے کی جھلملاہٹ سے جلتا بجھتا رہتا ہے۔وہ چاند دیکھتا ہے اور چاندنی سے کھیلتا ہے ستارے کروڑوں ستارے پاس پاس نظر آتے ہیں اور ایک دوسرے سے کتنے دور ہوتے ہیں۔

اپنے اپنے مدار میں گردش کرنے والے ہمیشہ اپنے اپنے مدار ہی میں رہتے ہیں۔

یہی کائنات کا حسن ہے اور یہی اس کی بقا کا راز۔لیکن انسان کی دنیا اور اس کی بقا کا راز الگ ہے۔یہاں اپنا مدار اپنا نہیں ہوتا اپنی ذات اپنی ذات نہیں ہوتی کچھ بھی تو اپنا نہیں ہوتا۔کسی کا کہا ہوا۔کسی اور کا علم ہے۔ایک کا چہرہ دوسرے کی تمنا ہے۔دل اپنا ہوتا ہے اور اس میں درد دوسروں کا ہوتا ہے۔یاد کسی کی ہوتی ہے۔سرمایہ حیات کسی اور کا۔

انسان کی کائنات تو یہ ہے کہ اس کی کمائی بھی اس کی اپنی نہیں اس کی ذات بھی اس کی اپنی نہیں۔اس کی خلوت بھی اس کی اپنی نہیں اس کی جلوت بھی اس کی اپنی

نہیں۔جبین شوق اس کی ہے سنگ در کسی اور کا۔دل اس کا دلبری کسی اور کی آنسو اس کے عافیت کسی اور کی رَت جگے اس کے چراغ کسی اور کے۔

انسانی کائنات مربوط ہے ستاروں کی کائنات تنہا ہے ہر ستارے کا راہگزر الگ ہے اس کے مدار الگ ہیں۔یہ حسن کائنات ہے۔لیکن انسان کی کائنات، کائنات حسن ہے۔ہمہ رنگ، ہمہ جہت اور ہمہ سمت سب کی کائنات سب کے لئے **رات انسان پر نزول افکار کا ذریعہ ہے رات کی عبادت افضل عبادت کہلاتی ہے جس کی رات بیدار ہو جائے اس کا نصیب جاگ جاتا ہے۔رات کو روح کے حجابات اٹھتے ہیں انسانی روح انسان سے رات کو ہم کلام ہوتی ہے۔خود شناسی اور خود فہمی کے تمام مراحل رات کو آسان ہوتے ہیں۔رات بہت بڑا راز ہے۔بہت ہی بڑا راز۔**

صحرا کے مسافر پر جب رات اترتی ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے اس خوبصورت کائنات کو بنانے والا کون ہے؟اتنی بڑی تنہائی میں انسان رات سے باتیں کرتا ہے۔رات تمام باتیں سنتی ہے اور خاموش رہتی ہے۔یہ عمل جاری رہتا ہے۔اور پھر ایک رات بولتی ہے اور انسان سنتا ہے اور خاموش رہتا ہے دیکھتا ہے اور کسی کو دکھا نہیں سکتا کہ اس نے کیا دیکھا ہے؟

رات کا راز پہاڑوں پر آشکار ہوتا ہے اونچے اونچے پتھریلے پہاڑ۔ہوا کی سائیں سائیں۔انسان اور رات، رات اور انسان کی ہم کلامی کا دور جاری رہتا ہے۔رات خود کسی معصوم کی روح ہے۔کائنات پر محیط روح انسان سے ہم کلام ہونے کے لئے بے تاب روح انسان کو پکارتی ہے۔نیند میں ڈوبے ہوئے انسان کو جاگنے والی رات پکارتی ہے یہ اس کا نام لے کر پکارتی ہے کہ،

''اے غافل سن میں بول رہی ہوں دیکھ میں جلوہ آرا ہوں محسوس کر میں تیرے قریب ہوں بہت قریب اور تو نیند میں دھت مجھ سے دور ہے''۔

رات کا اعجاز (معجزہ) عجب اعجاز ہے۔اِس رات میں ہی انسان پر دعا اور دعا کی مقبولیت کا راز منکشف ہوتا ہے رات کے پاس بڑے خزانے ہیں۔بیدار راتیں قوموں کے مستقبل کی ضامن ہوا کرتی ہیں۔انسان پر عرفان ذات کی منزلیں آسان کرنے کا دعویٰ ہے تو صرف رات کے پاس رات کو زمین اور آسمان کے فاصلے ختم ہو جاتے ہیں رات کو یہاں اور وہاں کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔خاموش الفاظ بولنے لگتے ہیں۔رات کو خوش نصیبوں کی آنکھ تر ہوتی ہے۔اور ان کا دل معمور ہوتا ہے۔ان کے اذہان روشن ہوتے ہیں۔ان پر لوح و قلم کے مخفی رموز آشکار ہوتے ہیں۔دنیا کے علم و عرفان کے عظیم شاہکار رات کی تخلیق ہیں۔**خوش نصیبوں کی رات نجات و مناجات کی رات ہوتی ہے۔شب و فراق ہو یا شب وصال بیدار رات ہی انسان کے عروج کا قصہ ہے سکوت دو جہاں میں انسان کی دعا آہ و فغاں مکین لامکاں کے حضور پہنچی ہے اور پھر یہ رات لیلۃ القدر بن کر انسان کے مقدر کو بناتی ہے۔**

''آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔افکار نازل ہوتے ہیں۔پھر کبھی ''مثنوی'' اور کبھی ''سیف الملوک'' تحریر ہوتی ہے۔

شاعر جاگتا ہے۔باقی کام رات خود کرتی ہے۔فقیر بیدار رہتا ہے۔فقر خود نازل ہو جاتا ہے۔یہ شب بیداری ہی وہ ادارہ ہے جس کے متعلق حکیم مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

ے عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر خیزی

رات کو سجدہ گاہ جلوہ گاہ بنتی ہے بگڑی سنور جاتی ہے۔رات کبھی کبھی ناراض بھی ہو جاتی ہے۔پھر غضب ڈھاتی ہے۔فحاشی، عیاشی اور زنا کاری کی رات جیسے ہمارے ملک پاکستان میں 2 رمضان 8 اکتوبر 2005ء کو زلزلہ والی رات تھی پھر اس مصیبت کی رات میں انسان کے سر پر آسمان گرتا ہے اور وہ نہ کچھ کہہ سکتا ہے نہ کر سکتا ہے انسان درد میں مبتلا ہوتا ہے وہ کراہتا ہے کرب و درد میں، تفکرات میں اندیشوں میں رات بے حس ہوتی ہے۔بے یقین انسان ایمان سے عاری انسان رات کی بات کو نہیں سمجھ سکتا اس کے لئے صرف دعا ہے۔

یہ دعا صاحبان نصیب پر فرض ہے۔صاحبان علم و عرفان دعا ہی تو کرتے ہیں۔درد سے تو وہ بھی گزرتے ہیں۔لیکن ان کو یقین کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ان کے باطن میں ایمان و امید کے چراغ جلتے ہیں۔وہ درد کو متاع بے بہا سمجھ کر سینے سے لگاتے ہیں۔اور اپنے محسنوں کو کرب میں مبتلا لوگوں کو مصیبت میں گرفتار لوگوں کو دعا دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور یوں یہ مصیبت زدہ لوگ چین پاتے ہیں۔

رات انسان کو درد کی بھٹی سے ہی تو گزارتی ہے۔جو اصل ہے وہ کندن بن جاتا ہے۔اور جو نقل ہوتا ہے۔وہ بھسم ہو جاتا ہے۔یقین عرفان پر جاتا ہے (مشاہدہ) اور

بے یقینی محروم ایمان ہو جاتی ہے۔ اور مایوسی بن کر اپنی نوحہ گری کرنے لگتی ہے۔ اپنے مستقبل پر یقین نہ ہو، تو شب بیداری عذاب ہے۔
سمندر کی طرح صاحبانِ روح نیم شب کو جاگتے ہیں۔ ہر مشکل مقام پر ان لوگوں کی آہ فغاں نیم شب میں ہوتی ہے۔ رات کے وقت ان لوگوں کی بیداری ہی سونے والے انسانوں کے لئے رحم کی طالب ہوتی ہے۔ جاگنے والے سونے والوں کے لئے دعا کرتے ہیں کہ:

''اے اللہ ہمیشہ جاگنے والے اللہ، سونے والے انسانوں پر رحم فرما ان غافل انسانوں کو اپنے فضل سے محروم نہ کرنا''

یہی راتوں کو جاگنے والے۔ بیدار مغز اور بیدار روح انسان ہی قوموں کی نجات کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ قوموں کی تباہی کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ان سے نالہ نیم شب چھن جائے۔ راتوں کو جاگنے والے زندہ ہوں تو سونے والوں کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ راتوں کو جاگنے والے نہ رہیں تو سونے والے بھی نہ رہیں گے۔

گڈریا سو جائے تو بھیڑیے پورا ریوڑ کھا جاتے ہیں۔ کچھ کھاتے ہیں۔ کچھ زخمی کرتے ہیں۔ کچھ مار جاتے ہیں۔ نیند کو غفلت نہ بننے دیا جائے تو یہ راحت جان ہے۔ اگر رات غفلت میں گزارے تو انسان محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی کی صرف ایک ہی قیمت ہے۔ خواب غفلت سے بیداری مستقل اور مسلسل بیداری۔ انسان کو اپنے مستقبل کی خاطر جاگنا چاہیے۔ اسے رات کو غنیمت جاننا چاہیے۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری زندگی اور زندگی کے تمام مشاغل کسی اور زندگی کے لئے ہیں۔ سب سے **مبارک زندگی وہ ہے۔ جو نیند سے محروم بھی نہ ہو اور نیند سے مغلوب بھی نہ ہو۔**

ہماری یہ زندگی ہمیں عمل کے لئے دی گئی ہے۔ یہ ایک خواب کی طرح گزر جائے گی۔ اب بھی وقت ہے آنے والی رات کو غنیمت جانیں۔ اللہ کے آگے جھک جائیں اور خوب تڑپ تڑپ کر اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے اپنی اولاد کے لئے دعا کریں۔ ہماری بقا ہمارے بزرگوں کی دعا کا نتیجہ ہی تو ہے۔
ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ یہ مختصر سی زندگی موت کے انتظار کا دوسرا نام ہے۔ اگر انسان حاصل اور تمنا اور ان کی اصل سے واقف ہی نہ ہو تو پھر یہ انسان بھی کوئی انسان ہے۔

اک رات ستاروں سے کہا نجمِ سحر نے
آدم کو بھی دیکھا ہے، کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مرّیخ، ادا فہم ہے تقدیر
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
واقف ہو اگر لذّتِ بیداریِ شب سے
اُونچی ہے ثُریّا سے بھی یہ خاکِ پُراسرار

****

انبیاء کرامؑ عام انسانوں کی طرح نہیں

(1)　قرآن پاک سورۃ الزخرف آیت نمبر 45 میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِھَۃً یُّعْبَدُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اور جو رسول ہم نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے پہلے بھیجے ان سے پوچھیئے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور معبود بنائے جن کی عبادت کی جائے''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اے محبوب آپ خاتم النبیین ﷺ ان نبیوں سے پوچھیئے جو آپ خاتم النبیین ﷺ سے پہلے گزرے ہیں کہ کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور معبود بھی بنائے ہیں؟ پوچھا ان سے جاتا ہے جو زندہ ہو سنتا ہو اور جواب دے سکتا ہو تو جو انبیاءؑ اس عالم سے پردہ فرما گئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت ان انبیاء کرامؑ کو وفات پائے ہوئے ہزاروں لاکھوں سال گزر چکے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کو ان انبیاء کرامؑ سے پوچھنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاءؑ کو اللہ تعالیٰ وفات کے بعد نئی زندگی عطا فرما دیتا ہے۔ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں- سوال کرنے والوں کے سوالوں اور فریاد کرنے والوں کی فریادوں کو سنتے ہیں اور ان کا جواب بھی دیتے ہیں۔ اگر انبیاء کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ نہ ہوتے اور جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''انبیاء مر کر مٹی میں مل گئے وہ کچھ نہیں کر سکتے''۔ اگر ان کا یہ کہنا درست ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ کو ان انبیاءؑ سے مخاطب ہونے اور ان سے سوال کرنے کا حکم نہ دیتا۔ کیونکہ بے جان اور پتھروں سے سوال کرنے کے لئے نہیں کہا جا سکتا۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انبیاءؑ اپنی قبروں میں مقید نہیں ہیں بلکہ وہ جب چاہتے ہیں پورے عالم کی سیر بھی فرماتے ہیں۔ حج، عمرے اور طواف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے کلام بھی کرتے ہیں جیسے معراج کی شب تمام انبیاءؑ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اقتدا کے لئے مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے استقبال کے لئے آسمانوں پر پہنچ گئے۔

بعض لوگ جو نبیوں کی حیات اور زندگی کو نہیں مانتے وہ اعتراض کرتے ہیں اگر نبی مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں تو پھر ان کو غسل کیوں دیا جاتا ہے؟ دفن کیوں کیا گیا؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر، آیت نمبر 30 میں ان کے لئے یہ کیوں کہا ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ'''' بے شک آپ پر موت آنی ہے اور یقیناً انہیں بھی مرنا ہے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ روح کے جسم سے نکل جانے کا نام موت ہے اور یہ موت ایک دفعہ انبیاءؑ، اولیاءؒ اور عام انسانوں سب کو آئے گی یعنی جب کسی کا وقت آ جاتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم سے نکل جاتی ہے اس کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ''اِنَّکَ مَیِّتٌ'' بے شک آپ پر موت آنی ہے (سورۃ الزمر، آیت نمبر 30) اور ''کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ''، جو بھی زمین میں ہے سب کو فنا ہے۔ (سورہ الرحمن، آیت نمبر 26) اور ''کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ'' ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ (سورہ آل عمران، آیت نمبر 185) سے تعبیر فرمایا۔ اور اس کے باعث کفن دفن وغیرہ کے احکامات ان پر لاگو ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے مرنے اور انبیاء کرامؑ کی موت میں فرق یہ ہے کہ ہماری روح جسم سے نکل کر جسم کو چھوڑ دیتی ہے اس کی حفاظت نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے جسم گل سڑ جاتے ہیں۔ لیکن انبیاء کرامؑ کی ارواح اپنے جسموں کو چھوڑتیں نہیں بلکہ اپنے جسموں سے ان کا تعلق مزید قوی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جسم گلتے نہیں ہیں۔ خراب نہیں ہوتے۔ قیامت تک قبروں میں تروتازہ رہیں گے۔ ان کے سننے دیکھنے والی طاقتیں پہلی زندگی سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہیں اس لحاظ سے ان کو زندہ کہا جاتا ہے۔

(2)　اس طرح سورۃ ہود، آیت نمبر 27 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ مَا نَرٰکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ۝

ترجمہ: ''پس اس قوم کے سردار جو کافر تھے انہوں نے کہا ہم تو تمہیں اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں''۔

اس آیت مبارکہ میں کافروں کا قول نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ''تم تو ہم جیسے بشر ہو''۔ معلوم ہوا کہ نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہنا کافروں کا طریقہ اور ان کا دستور ہے۔ اور بطور توہین نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ بلکہ سورہ تغابن، آیت نمبر 5 اور 6 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پچھلے زمانے میں کافروں پر ہم نے دردناک عذاب اس لئے نازل کیا کہ وہ نبیوں کو بشر کہا کرتے تھے۔

ترجمہ:۔ ''کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا تو انہوں نے (دنیا میں) اپنے کام کا وبال چکھ لیا اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہے، یہ اس لئے کہ ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آتے تھے تو انہوں نے کہا کیا بشر ہمیں ہدایت کرے گا؟ اور وہ کافر ہو گئے اور انہوں نے روگردانی کی اور اللہ نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور اللہ بے نیاز اور حمد کیا ہوا ہے''۔ (سورۃ التغابن، آیت نمبر 5،6)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں پر عذاب اس لئے نازل ہوا کہ انہوں نے اپنے نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہا۔ جس کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب بھیج کر انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

بعض لوگ ہمارے اس زمانے میں بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن میں سورۃ الکھف، آیت نمبر 110 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ''۔ ''اے حبیب خاتم النبیین ﷺ آپ فرما دیجیے کہ میں تم جیسا بشر ہوں''

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قُلْ فرما کر اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ کو فرمایا ہے کہ آپ کہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم بشر ہو۔ ہمیں کہنے کا حکم نہیں ہے۔ لہٰذا نبی خود بطور تواضع اپنے آپ کو کہہ سکتے ہیں لیکن ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کو اپنے جیسا بشر کہیں اگر کہہ کر ان سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ کریں گے تو کافر ہو جائیں گے۔

قرآن پاک سے ثابت ہے کہ جس نے سب سے پہلے کسی نبی کو بشر کہا وہ شیطان تھا۔ اور اس کے بعد جنہوں نے بھی نبی کو اپنے جیسا بشر کہا وہ کافر تھے۔ کسی مسلمان کے قول کا قرآن پاک میں ذکر نہیں ہے ہاں البتہ نبیوں کا رب یا خود نبی اپنے آپ کو بطور تواضع کے کہہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں کئی مقامات پر انبیاء کرامؑ نے اسلئے اپنے آپ کو ''بَشَرٌ مِّثْلُكُم'' کہا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی ان کو یہ کہنا شروع کر دیں۔ ہم کہیں گے تو بے ادبی اور گستاخی کہلائے گی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے لئے ''ربنا ظلمنا انفسنا'' (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 23) کہا اور حضرت یونس علیہ سلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا ''اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 87) لیکن ہم یہ الفاظ اپنی طرف سے ان نبیوں کے لئے نہیں کہہ سکتے۔ اگر کسی نے معاذ اللہ حضرت یونس علیہ سلام کو ظالم کہہ دیا تو کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنے آپ کو اپنے امتیوں کا بھائی فرمایا۔ بطور تواضع آپ خاتم النبیین ﷺ کا فرمانا درست ہے لیکن ہمیں ایسے عام الفاظ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

قرآن پاک میں رب ذوالجلال نے فرمایا:۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط

ترجمہ:۔ ''رسول کے پکارنے کو ایسا نہ بنالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو''۔ (سورۃ النور، آیت نمبر 63)

یہ فرما کر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو بشر یا بھائی وغیرہ کے عام نام سے پکارنے سے منع فرما دیا ہے۔

(3) قرآن پاک سورۃ التوبہ، آیت نمبر 59 میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ

ترجمہ:۔ ''اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اس چیز پر جو اللہ اور اُس کے رسول نے اُن کو دیا اور کہتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے۔ ہمیں عنقریب دے گا اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں''۔

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اپنے فضل سے دیتا ہے اور اس کا رسول بھی دیتا ہے۔ اور ان دونوں کے دینے میں کوئی قید نہیں لگائی گئی کہ یہ کیا دیتے ہیں؟ بلکہ مطلق رکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ اللہ دیتا ہے وہ مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہر ایک کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے ملتی ہے اسی کو حدیث پاک میں وضاحت کے ساتھ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے بیان فرمایا کہ:

حدیث:۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ۔ کہ ''جو کچھ اللہ دیتا ہے میں اسے تقسیم کر دیتا ہوں'' (بخاری جلد 1 صفحہ 16۔ مشکوٰۃ صفحہ 32)۔

معلوم ہوا کہ عزت و دولت۔ شہرت و اولاد، بیوی بچے، وزارت و حکومت، بادشاہت و ولایت و نبوت الغرض اللہ کی ہر عطا مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے ملتی ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ دیتا ہے اور اس کا رسول بھی دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی عطا سے

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ بھی عطاء وبخشش فرماتے ہیں۔مخلوق کو فائدہ اور نفع پہنچاتے ہیں۔ان کی دستگیری فرماتے ہیں۔ان کی مشکلیں آسان فرماتے ہیں۔ان کی ہر آڑے وقت میں مدد فرماتے ہیں۔یہ سب عقائد رکھنے والا اللہ کا محبوب اور پسندیدہ ہے اور قرآن پاک ایسے شخص کی تعریف کر رہا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب شرک ہے اور دلیل کے طور پر وہ سورۃ الاعراف، آیت نمبر 188 میں پیش کرتے ہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

ترجمہ:۔"آپ خاتم النبیین ﷺ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کیلئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا ہو"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو نفع اور نقصان کی نفی کی گئی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اس کے مالک نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر اللہ کی عطا اور اس کی رضا کے مالک نہیں اور کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا اس کی اجازت کے بغیر۔ہاں اس کی عطا، اس کی رضا اور اس کی اجازت سے سب کچھ عطا کرتا ہوں۔نعمتیں بھی بانٹتا ہوں اور نفع نقصان کا مالک بھی ہوں اور دوسروں کو فائدہ بھی پہنچاتا ہوں۔اوپر والی آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ اللہ کی عطا سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہر چیز عطا فرماتے ہیں۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ داتا گنج بخش علی ہجویری کو داتا کہنا شرک ہے"داتا" صرف اللہ ہے۔دوسروں کو داتا ماننا شرک ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ میں بھی داتا ہوں اور یہ میرا رسول بھی داتا ہے تو کیا یہ شرک ہو گیا؟

یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی عطا بھی ذاتی ہے اور اس کے محبوبوں کی عطا بھی ذاتی ہے یہ شرک ہے۔لیکن یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی عطا ذاتی ہے۔یعنی وہ بغیر کسی سے لئے خود بخود دیتا ہے۔جب کہ اس کے پیارے اپنے رب سے لے کر دیتے ہیں لہٰذا اللہ کے دینے اور بندے کے دینے میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔

باری تعالیٰ کے داتا ہونے اور اس کے محبوبوں کے داتا ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔یہ عقیدہ رکھنا شرک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی تعریف کر رہا ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا کہ میں"رؤف ورحیم ہوں" اور اپنے محبوب کے لئے بھی فرمایا کہ وہ بھی "رؤف ورحیم" ہیں۔اللہ تعالیٰ کا رؤف ورحیم ہونا ذاتی ہے اور اس کے محبوب کا رؤف ورحیم ہونا باری تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہے۔

(4) قرآن پاک سورۃ آل عمران، آیت نمبر 49 میں ارشاد الٰہی ہے۔

وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ط

ترجمہ:۔"اور میں شفا دیتا ہوں، مادرزاد اندھے اور برص والے کو اور مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو"۔

بیماروں کو شفا دینا اور مردے زندہ کرنا یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے لئے فرما رہے ہیں کہ"میں اندھوں کو اور برص والوں کو شفا دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں"۔لیکن آگے انہوں نے فرما دیا کہ باذن اللہ یعنی"اللہ کے حکم سے"۔یعنی یہ سب کام میں اللہ کی اجازت اور اس کے حکم اور اس کی عطا سے کرتا ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے پیاروں کے لئے یہ کہنا اور عقیدہ رکھنا کہ نبی وولی مشکل کشا ہیں، پریشانیاں دور کرتے ہیں۔مصیبتیں ٹالتے ہیں۔بیماروں کو شفا دیتے ہیں۔اولاد دیتے ہیں اور یہ سب کچھ وہ اللہ کی اجازت سے اور اس کی عطا سے دیتے ہیں۔تو یہ شرک بدعت نہیں ہے۔اگر ایسا کہنا شرک ہوتا تو اللہ کے مقرب اور عظیم نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود ہرگز ایسا نہ فرماتا۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالذات مشکل کشا ہے اور شفا دیتا ہے اور مردے زندہ کرتا ہے اور اس کے بندے اس باری تعالیٰ کے دینے سے اور اس کی عطا سے اس قابل ہوتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ بندے کو بغیر اللہ کی عطا کئے خود بخود یہ قوت حاصل ہے تو یہ شرک ہو جائے گا۔جیسا کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے لئے یہی عقیدہ رکھتے تھے اس لئے وہ مشرک ہوئے اور یہی وجہ ان کے شرک کو قرآن پاک نے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دوزخ میں مشرکین اپنے بتوں سے کہیں گے کہ:

ترجمہ:۔"اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے کیونکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے"۔(سورۃ شعراء آیت نمبر 97،98)

برابر سمجھنے کے لفظ نے یہ واضح کر دیا کہ عرب کے مشرکین اس لئے کافر ہو گئے کہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتے تھے اور اللہ ہی کی طرح ان بتوں کو بھی مشکل کشا مانتے تھے۔ اس لئے مشرک کہلائے۔

تو ''بالذات'' مدد فرمانے والا اور مصیبتیں ٹالنے والا صرف وہی ہے۔ ہاں اس کی عطا اور اس کی اجازت جس کو مل جائے وہ بھی لوگوں کی مصیبتیں ٹالتے اور مدد کرتے ہیں۔

اسی طرح خود اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے لئے فرمایا:۔ (سورۃ التحریم آیت نمبر 4)

ترجمہ:۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا مددگار ہے۔ اور جبرائیلؑ اور نیک مومنین اور ان کے علاوہ اس کے فرشتے بھی مدد پر ہیں''۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ''۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا مددگار ہے۔ ''وَجِبْرِیْلُ'' اور جبرائیل۔ ''وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' اور نیک مومنین۔ ''وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ'' اور پھر اس کے فرشتے بھی مدد پر ہیں۔

اگر غیر اللہ کا مددگار ہونا اور مشکلیں آسان کرنا، مصیبتیں ٹالنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں کیوں فرماتا کہ مومنین اور ملائکہ اور جبرائیل حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے مددگار ہیں۔

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ ''تم جو گھروں میں کھاتے ہو اور جو ذخیرہ کر کے آتے ہو میں اس کو بھی بتا دیتا ہوں''۔ معلوم ہوا کہ جو چیزیں ہماری نگاہوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہیں۔ وہ نبیوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہوتیں اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو غیب کا وسیع علم عطا فرمایا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جب یہ حال ہے تو ساری کائنات کے نبی اور امام حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سرور کون و مکاں کے علم کا کیا عالم ہوگا؟ اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ بس اتنا سمجھ لیجیے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے تمام احوال و واقعات کا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو وسیع علم عطا فرما دیا تھا۔ کوئی شے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھی۔

اسی لئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے میرا رب (خواب میں) بہترین صورت میں نظر آیا، اور اس نے مجھ سے کہا: ''محمد''! میں نے کہا: ''میرے رب! میں تیری خدمت میں حاضر و موجود ہوں''، کہا: ''اونچے مرتبے والے فرشتوں کی جماعت کس بات پر جھگڑ رہی ہے''؟ میں نے عرض کیا: ''(میرے) رب! میں نہیں جانتا''، (اس پر) میرے رب نے اپنا دست شفقت و عزت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنی چھاتیوں کے درمیان (سینے میں) محسوس کی، اور مجھے مشرق و مغرب کے درمیان کی چیزوں کا علم حاصل ہوگیا، (پھر) کہا: ''محمد!'' میں نے عرض کیا: ''(میرے) رب! میں حاضر ہوں، اور تیرے حضور میری موجودگی میری خوش بختی ہے''، فرمایا: ''فرشتوں کی اونچے مرتبے والی جماعت کس بات پر جھگڑ رہی ہے''؟ میں نے کہا: ''انسان کا درجہ و مرتبہ بڑھانے والی اور گناہوں کو مٹانے والی چیزوں کے بارے میں (کہ وہ کیا کیا ہیں) تکرار کر رہے ہیں، جماعتوں کی طرف جانے کے لیے اٹھنے والے قدموں کے بارے میں اور طبیعت کے نہ چاہتے ہوئے بھی مکمل وضو کرنے کے بارے میں۔ اور ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کا انتظار کرنے کے بارے میں، جو شخص ان کی پابندی کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ زندگی گزارے گا، اور خیر (بھلائی) ہی کے ساتھ مرے گا، اور اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک و صاف ہو جائے گا جس دن کہ ان کی ماں نے جنا تھا، اور وہ گناہوں سے پاک وصاف تھا''۔ (جامع ترمذی، جلد سوم، باب: سورۃ ص سے بعض آیات کی تفسیر، حدیث نمبر 3234)

****

اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ عام انسانوں کی طرح نہیں

بندہ ہونے کے اعتبار سے تو تمام انسان اللہ کے بندے ہیں مگر تمام بندے ایک جیسے نہیں ہوتے کیونکہ بعض لوگ بندہ ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کے دوست بھی ہوتے ہیں جنہیں یہ مقام میسر آتا ہے ان میں اور عام بندوں میں بہت فرق ہوتا ہے کیونکہ ویسے تو کائنات عالم کی ہر ہر چیز اللہ کا بندہ ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ مریم، آیت نمبر 65 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا''۔

عبادت پر جم جانے والے لوگ ہی اپنے رب سے دوستی کا رشتہ استوار کر لیتے ہیں اس طرح ''ولی اللہ'' اللہ کا دوست بن جاتے ہیں۔ اور اللہ رب العزت ایسے بندوں کا دوست بن جاتا ہے۔ تصوف اسی ولایت (دوستی) کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس دوطرفہ تعلق کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال آیت نمبر 34)

ترجمہ: ''اس کے دوست تو صرف پرہیز گار لوگ ہیں لیکن اکثریت اس بات کو نہیں جانتی۔''

ایسے متقی افراد جو مقام ولایت کے حامل ہوتے ہیں وہ ایک طرف تو اللہ کے دوست ہوتے ہیں (جس کو سابقہ آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا) دوسری طرف اللہ ان لوگوں کا دوست ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں دوسری جگہ بیان فرمایا گیا۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 257)

ترجمہ: ''اللہ ایمان والوں کا دوست ہے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔''

پہلی آیت میں بندہ اللہ کا دوست ہے۔ دوسری آیت میں اللہ بندے کا دوست۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس آیت میں پہلے بندے کی طرف سے اللہ کے لیے دوستی اور محبت کا بیان نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے بندے کے لیے دوستی اور محبت کا بیان ہے گویا پہلے اللہ اپنے بندے کو چاہتا ہے اور اس کے ساتھ دوستی کرتا ہے (چاہنا اور دوستی کرنا، ایمان پر موقوف ہے) اور پھر بندہ اپنے رب سے محبت اور دوستی کرتا ہے۔ گویا بندے کو اللہ کی دوستی کی دولت اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک پہلے اللہ اپنے بندے سے محبت و دوستی نہ کرے اور بندہ رب کو اس وقت تک محبوب نہیں بنا سکتا جب تک کہ رب العزت اپنے بندے کو اپنا محبوب نہ بنا لے۔ اور رب بندے کو ایمان لاتے ہی دوست بنا لیتا ہے۔ بندے نے کلمہ پڑھا اور رب نے کہا ''اللہ ولی الذین آمنو'' اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ بندہ رب سے محبت کرتا ہے اور رب بندے کو محبوب بنا لیتا ہے۔ جس طرح یہ محبت دوطرفہ ہے اسی طرح رضا بھی دوطرفہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط (سورۃ البینہ آیت نمبر 8)

ترجمہ: ''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے''

پہلے اللہ اپنے بندوں سے راضی ہوا۔ اس کے اس کرم سے بندے کو توفیق نصیب ہوئی اور وہ اپنے رب سے راضی ہو گئے۔ تعلق یکطرفہ نہیں بلکہ دونوں طرف سے ہے۔ اسی طرح دوطرفہ تعلق کو ایک اور جگہ بیان کیا

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ (سورۃ الفجر آیت نمبر 28-27)

ترجمہ: ''اے وہ نفس جس نے اطمینان حاصل کر لیا ہے تو اپنے رب کی طرف واپس چل اس طرح کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی''۔

ان آیات مبارکہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بندے اور رب کے درمیان محبت و دوستی بھی دوطرفہ اور رضا بھی دوطرفہ ہے ایک حیثیت میں بندہ محب ہوتا ہے اور دوسری حیثیت میں محبوب۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 31)

ترجمہ: ''(اے حبیب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم کو محبوب رکھے گا''

اگر تم اللہ کا محب بننا چاہتے ہو تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے غلام بن جاؤ، آپ خاتم النبیین ﷺ کی غلامی واتباع کو اختیار کر لو تو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا یعنی یہ کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ایسے محبوب ہیں کہ جو ان کا غلام بن جاتا ہے اللہ رب العزت اسے بھی اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور بندے کا تعلق دوطرفہ ہو جاتا ہے۔

ولایت اور تقویٰ کا باہمی تعلق

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال آیت نمبر 34)

ترجمہ ''اللہ کے دوست تو متقی ہوتے ہیں لیکن اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی''۔

آیت مبارکہ میں اللہ کے دوستوں اور ولایت کے مقام پر فائز ہونے والوں کی ایک صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ متقی ہوتے ہیں یعنی ولایت اور تقویٰ دونوں لازم وملزوم ہیں۔تقویٰ کے بغیر ولایت کا تصور گمراہی ہے اور جو مقام ولایت کو پانا چاہتا ہے اسے تقویٰ کے لباس کو پہننا ضروری اور لازم ہوتا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بھنگ، چرس پینے والے اور شریعت مطہرہ کی مخالفت کرنے والے مقام ولایت پر کبھی فائز نہیں ہو سکتے۔نمازوں کے تارک شیطان دوست تو ہو سکتے ہیں اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے۔اللہ رب العزت نے اپنے دوستوں کی پہچان کرا دی ہے۔کہ وہ متقی پرہیزگار اور شریعت مطہرہ کی پابندی کرنے والے ہوتے ہیں۔اس آیت نے اس تصور کو مکمل طور پر باطل کر دیا جو جہالت کی بناء پر ہمارے اندر رواج پا گیا ہے کہ ''فلاں شخص نماز، روزے کا پابند تو نہیں ہے مگر ہے بڑا کامل ولی اللہ، شریعت کی پابندی و پاسداری کو اپنے اوپر لازم نہیں سمجھتا مگر بہت پہنچا ہوا اور بہت بزرگ ولی ہے''۔یہ سوچ سراسر اسلام کے خلاف اور دین دشمنی پر مشتمل ہے۔مجذوب (مدہوش) شریعت کا مکلف نہیں ہوتا۔اس لیے اس سے شریعت کے احکامات کی پابندی ساقط ہو جاتی ہے مگر صاحبان ہوش کے لیے مقام ولایت پر فائز ہونے کے لیے شریعت کی پابندی ہی اصل بنیاد ہے اور جو شریعت کا پابند نہ ہو وہ شیطان کی بارگاہ میں پہنچا ہوا تو ہو سکتا ہے اللہ کی بارگاہ کا قُرب اسے میسر نہیں آ سکتا ہے وہ ولی شیطان تو ہو سکتا ہے ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔پس لفظ ولی ولایت سے ہے اور ولایت کے معنی امارت، بادشاہی اور حکمرانی ہے۔ہمارے پیش نظر صرف دوصورتیں

1۔ ولی اللہ		2۔ ولی عبد

بندہ اللہ کا ولی ہے جس کو

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (سورۃ یونس آیت نمبر 62)

ترجمہ: '' یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں''۔

اور اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (سورۃ الانفال آیت نمبر 34)

ترجمہ: ''اس کے دوست تو سوا متقیوں کے اور اشخاص نہیں''۔

میں بیان کیا ہے اور اللہ بندے کا ولی ہے جس کو اللہ ولی الذین امنو کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

اللہ رب العزت بندے کا ولی ہے اور ولی العبد کا معنی ولی کے پہلے معنی کی رُو سے یہ ہوا کہ بندے نے اپنا تصرف کا مقام ختم کر کے اسے اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا اور اس نے اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں اپنے ارادے اور مرضی سے دستبردار ہو کر اپنے تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اللہ نے اسے قبول کر لیا۔رب اپنے بندے کا ولی ہو گیا۔اب اس بندے کے تمام معاملات وہ خود نبھائے گا کیونکہ بندے نے اپنے تمام اُمور اپنے مولا کریم کو تفویض کر دیئے ہیں اور اعلان کر دیا ہے

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط (سورۃ المومن آیت نمبر 44)

ترجمہ: ''میں اپنا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد کرتا ہوں''

یعنی میں اپنی زندگی کے جملہ اُمور کو اپنی مرضی سے نکال کر تیری مرضی کی تحویل میں دیتا ہوں۔اپنے اختیار سے دستبردار ہو کر اپنا سب کچھ تیرے اختیار کے حوالے کرتا ہوں۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 162)

ترجمہ: '' آپ فرما دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے''۔

جب بندہ اپنا جینا مرنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، عزت وآبرو، شہرت ناموری، بیماری وصحت سب کچھ اللہ رب العالمین کے سپرد کر دیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''لوگو میں اپنے بندے کا ولی ہوں اس کے جملہ معاملات میں نے اپنے ذمہ لے لیے ہیں اور اپنے وہ معاملات جو بندوں کی رشد و ہدایت اور ان کی اصلاح احوال سے متعلق تھے۔ وہ اپنے اس بندے کو دے دیئے ہیں تو اب سن لو کہ اس کے تمام معاملات میں خود سنبھال لوں گا''۔

ولی کے دوسرے معنی کی رُو سے ولی العبد کا معنی یہ ہوا کہ اس بندے پر اگر حکمرانی ہے تو وہ صرف اللہ کی ہے۔ اس بندے نے اپنے آپ کو اللہ کی حکمرانی میں دے دیا ہے۔ اب دنیا کا کوئی فرد اس پر حکمران نہیں ہوسکتا۔ اس پر حکمرانی صرف اپنے رب کی ہوتی ہے۔ نہ وہ کسی سے خوف کھاتا ہے اور نہ ڈرتا ہے۔ ڈرتا ہے تو صرف اپنے رب سے وقت کا بڑے سے بڑا فرعون اور قارون بھی اپنے مال و دولت اور سرمایہ سے اسے خرید نہیں سکتا وہ صرف اس طرف چلتا ہے جہاں رب چلاتا ہے وہاں جُھکتا ہے جہاں رب جُھکاتا ہے۔ اس نے اپنے اوپر صرف رب کی حکمرانی قائم کی ہوتی ہے اور اللہ اسے دنیا کی حکمرانی دے دیتا ہے۔ اللہ اس کا ولی ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کا ولی ہوتا ہے وہ بندے کا ولی کیسے اور کس معنی میں ہوتا ہے۔؟ حدیث پاک ہے:

مَنْ کَانَ اللّٰہُ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

ترجمہ: ''جو اللہ کا ہوا۔ اللہ اُس کا ہوا''۔ (مشکوۃ شریف۔تفسیر روح البیان)

جو اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے لیے وقف کر دے اور اپنے معاملات کو بھول جائے تو اس کے معاملات کی ادائیگی اللہ رب العزت اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ سے کسی نے سوال کیا کہ آپؓ کے کام زیادہ ہوتے ہیں، خلافت کی مصروفیات، لوگوں کے مسائل، جہاد کے معاملات وغیرہ اتنے زیادہ کام آپ کیسے سرانجام دے لیتے ہیں؟۔ ان تمام کے لیے آپ وقت کیسے نکال لیتے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا کہ ''میں اپنی بساط کے مطابق اپنے رب کے کام کرتا رہتا ہوں اور جب کبھی میرے ذاتی کام اور اللہ کے کام میں تعارض پیدا ہو یعنی ایک وقت میں یا اللہ کا کام ہوسکتا ہے یا اپنا کام تو ایسی حالت میں میری زندگی کا معمول یہ ہے کہ میں اپنا کام چھوڑ دیتا ہوں اور اللہ رب العزت کا کام کرتا ہوں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میرا ذاتی کام میرے کرنے سے بھی بہتر طریقے سے سرانجام پاتا ہے کہ ایسی صورت میں میرا کام میرا رب اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ جبکہ میں اس کا کام اپنے ذمہ لیتا ہوں کیونکہ ایسی صورت میں اللہ رب العزت اپنے بندے کا ولی بن جاتا ہے اور اس کا سرانجام دیا ہوا کام ہر قسم کے نقص و کمی سے محفوظ ہوتا ہے اور وہ بندے کے سرانجام دینے کی نسبت ہزار ہا گنا بہتر ہوتا ہے''۔

ولی اللہ:

اللہ کو کسی معاملہ میں بھی کسی دوسرے کی ولایت کی حاجت نہیں وہ اس سے پاک اور بے نیاز ذات ہے لیکن اس نے محض اپنے فضل و احسان سے اپنے خاص بندوں کو نوازنے کے لیے بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت ان کی اصلاح احوال کے بہت سے معاملات ان کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اللہ کی طرف سے بندے کو ان معاملات کی سپردگی کو ولایت کہتے ہیں اور یہ معاملات جس کے سپرد کئے جاتے ہیں اس کو ''ولی اللہ'' کہتے ہیں۔ اگر وہ ولایت میں کامل ہو تو جو فیصلہ وہ کرتا ہے وہی رب کا فیصلہ ہوتا ہے چونکہ وہ اللہ کا ولی ہے اور اللہ نے ان امُور پر اس کو متصرف بنایا ہے۔

مقام ولایت جس کو عطا کیا جاتا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

ترجمہ: ''جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔'' (ابن ماجہ حدیث 3989۔ السلسلۃ الصحیحۃ حدیث 979)

کیونکہ اس کا معاملہ اس کا معاملہ ہی نہیں بلکہ وہ تو میرا معاملہ ہو گیا ہے۔ اس سے محبت کرو گے تو مجھ سے محبت ہوگی اس سے دشمنی کرو گے تو مجھ سے دشمنی ہوگی۔ یہ میرا بندہ ہے میں نے اپنے دین کے کام اپنی مخلوق کی بھلائی کے کام ان کی رشد و ہدایت کے کام جو کچھ اس کے سپرد کرنا چاہا کر دیئے اور وہ کام اس بندے نے اپنے ذمہ لے لیے تو وہ بندہ میرا ولی ہو گیا اور اس بندے نے اپنے سارے کام میرے سپرد کر دیئے تو میں اس کا ولی ہو گیا''۔

حضرت اویس قرنیؒ اور مقام ولایت

ایک شخص حضرت اویس قرنیؒ کے پاس زیارت کے لیے حاضر ہوا اور دیکھا کہ ایک بھیڑیا آپ کی بھیڑوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ اور آپ عبادت میں مصروف ہیں۔ آپ فارغ ہوئے تو ماجرہ دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ آپؒ نے فرمایا ''بات سادہ سی ہے کہ جو بندہ رب کے کام میں لگ جاتا ہے رب کی مخلوق اس کے کام میں لگ جاتی ہے''۔ اس لیے اللہ کے ولی کے پاس جانا ان سے تعلق ارادت قائم کرنا گویا اللہ کے غیر کے پاس جانا نہ ہوا بلکہ اللہ ہی کی بارگاہ کی طرف رجوع ہوا۔ جب بندہ اللہ کا ولی

بنتا ہے تو وہ اپنے بندے کو صاحب ولایت بنا دیتا ہے اور ولایت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العزت یہ اعلان کرتا ہے کہ لوگو میں نے اس بندے کو تمہارا حکمران بنا دیا۔ میری طرف سے میرا یہ بندہ تمہارا بادشاہ بنا دیا گیا'' ہے۔ اب اگر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ دریا کی مچھلیوں کو حکم دیں گا کہ میری سوئی لے کر نکل آؤ تو مچھلیاں فوراً اس حکم کی تعمیل پر نکل آتی ہیں۔ کیونکہ یہ مچھلیوں پر بھی حکمران ہیں۔ دریا کی لہریں اور لوگوں کے دلوں کی سرزمین سب ان کی حکمرانی میں داخل ہیں۔

غوث اعظمؒ اور مقام ولایت

حضرت غوث اعظمؒ کی مجلس وعظ میں ہزاروں کا مجمع ہوتا اور بغیر لاؤڈ سپیکر کے آپؒ کی آواز تمام لوگوں تک برابر پہنچتی۔ جب آپ باہر تشریف لاتے تو مجمع کھڑا ہو جاتا اور آپؒ کی زیارت کے لیے لوگوں کے جذبات قابل دید ہوتے اور ایک ہنگامہ سا برپا ہو جاتا مگر ایک دن ایسا ہوا کہ آپؒ مجمع کو چیرتے مجمع کے درمیان آ گئے اور آپؒ کے استقبال کے لیے ایک شخص بھی کھڑا نہ ہوا۔ کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضور آج کیا بات ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا ''لوگوں کے دلوں کی حکمرانی ہمارے پاس ہے ہم چاہیں تو اٹھنے دیں اور چاہیں تو نہ اٹھنے دیں''۔ انہوں نے اتنی سی بات آہستہ سے کہی اور اچانک سارا مجمع اٹھ کھڑا ہوا۔ فرمایا ''نہ اٹھنے کا رنگ بھی دیکھ لیا اب اٹھنے کا رنگ بھی دیکھ لو''۔

جب اللہ اپنے کسی بندے کو مقام ولایت عطا فرماتا ہے تو اسے خلق خدا کے دلوں پر حکمرانی عطا فرماتا ہے اور یہ حکمرانی ہماری دنیا کی حکمرانی سے مختلف ہوتی ہے۔ دنیا کی حکمرانی موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف اللہ کے ولی کی حکمرانی ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کو اس دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے ساڑھے نو سو برس گزر گئے ہیں مگر آپؒ کے مزار مبارک پر جا کر دیکھیں، لوگوں کے دلوں پر آپؒ کی حکمرانی نظر آئے گی۔ اسی طرح غوث پاکؒ حضرت خواجہ معین الدینؒ حضرت بابا فریدؒ اور دیگر بے شمار اولیاء کرام جن کو وصال فرمائے صدیاں گزر گئیں مگر ان کی حکمرانی جو اللہ نے انہیں انسانوں کے دلوں پر عطا کی وہ اب بھی قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گی۔

مفہوم ولایت حدیث قدسی کی روشنی میں

حضرت غوث الاعظم نے اپنی کتاب ''سرالاسرار'' میں ولایت کا ماحصل اور نتیجہ یوں بیان کیا ہے۔

''انسان اپنے اندر اخلاق الٰہیہ پیدا کرے، بشری صفات کا لباس اتار کر صفات الٰہی کا لباس پہن لے''۔

جب انسان بشری لباس اتار پھینکے اور اخلاق الٰہیہ کا لباس پہن لے، بشریت کا رنگ ختم کر کے اپنے آپ کو اللہ کے اوصاف اور اللہ کے اخلاق کے رنگ میں رنگ دے۔ اس مقام کو حدیث قدسی کے ذریعے بیان کیا گیا ہے: حدیث قدسی

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو شخص میرے کسی پسندیدہ شخص سے دشمنی رکھے تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے، اور میرا بندا جن جن عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے وہ عبادت مجھے بہت محبوب ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے عطا کر دیتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دے دیتا ہوں، میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے کرنے میں مجھے کبھی اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کسی مومن کی جان قبض کرتے وقت تردد ہوتا ہے وہ موت کو ناگوار جانتا ہے اور میں اس کی ایذا کو ناگوار جانتا ہوں، حالانکہ وہ (موت) تو اسے ضرور آنی ہے۔''

(رواہ البخاری۔مشکوۃ المصابیح)

اوصاف بشریت کا لبادہ اتار کر انسان جب اخلاق خداوندی کا جامہ زیب تن کر لیتا ہے تو سنتا انسان ہے مگر سننے کی قوت اللہ رب العزت کی ہوتی ہے۔ دیکھتا تو بندہ ہے مگر دیکھنے کی قوت اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ پکڑتا بندہ ولی ہے مگر گرفت اللہ رب العزت کی ہوتی ہے، بولتا انسان ہے مگر قوت گویائی اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ چلتا بندہ کامل ہے مگر پاؤں کی قوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ گویا اس حدیث قدسی کی روشنی میں ولایت کا معنی یہ ہے کہ انسان قرب کی منزل طے کرتا ہوا اللہ کی بارگاہ میں اس طرح پہنچے کہ بندہ اللہ کا ہو جائے اور اللہ بندے کا ہو جائے۔ بندہ اللہ کا ولی ہو جائے اور اللہ اپنے بندے کا ولی بن جائے۔

قُربِ نوافل، قُربِ فرائض اور جمع بین المقرابین

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی کتاب ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء'' میں

1۔ قُربِ نوافل 2۔ قُربِ فرائض 3۔ جمع بین المقرابین

کے نام سی قُربِ خداوندی کی تین منازل میں ولی اللہ کے تین مختلف احوال کا ذکر فرماتے ہیں۔

قُربِ نوافل و قربِ فرائض:

بندہ کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ مقام حاصل ہوتا ہے جبکہ اللہ تبارک تعالیٰ کا تعلق قُرب بطور آلہ اس کے عمل وفعل کا ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں سننا، دیکھنا، بولنا، پکڑنا اور چلنا انسان کا فعل ہوتا ہے مگر تمام افعال کا محرک اور ذریعہ اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے یعنی اس کے کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور ذرائع آلہ افعال واعمال خود خدا ہوتا ہے۔ یہ **قُربِ نوافل** ہے اور اس سے ترقی کر کے جب انسان **قُربِ فرائض** کے مقام پر پہنچتا ہے تو حالت بدل جاتی ہے کہ یہاں بندہ صرف آلہ رہ جاتا ہے۔ فاعل خود رب ذوالجلال ہوتا ہے۔ قُرب نوافل میں فاعل بندہ تھا اللہ تعالیٰ کا تعلق اس فعل کا آلہ تھا مگر یہاں قرب فرائض میں پہنچ کر انسانی عمل وفعل کا فاعل خود اللہ رب العزت ہو جاتا ہے اور انسان صرف آلہ کار اور ذریعہ رہ جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ قرب نوافل میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میں کان بنتا ہوں، سنتا بندہ ہے، میں زبان بنتا ہوں، تو بولتا خود بندہ ہے۔ مگر قُرب فرائض میں ترتیب بدل جاتی ہے۔ سنتا میں ہوں کان بندے کے ہوتے ہیں، بولتا میں ہوں زبان بندے کی ہوتی ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے متعلق قرب فرائض کے مقام کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ

بے شک اللہ رب العزت نے حق بات کو حضرت عمر کی زبان پر اور ان کے دل میں رکھ دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرب فرائض یہ ہوا کہ زبان حضرت عمرؓ کی ہوتی ہے اور بولتا اللہ رب العزت ہے

پھر ولایت ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ رب کی دوستی انسان کو اللہ کی بارگاہ کے قریب سے قریب تر کرتی چلی جاتی ہے۔ بشریت کا رنگ اترتا چلا جاتا ہے اور صفات الہیہ کا نیا رنگ چڑھتا چلا جاتا ہے اور یوں راہ پر ترقی کرتے کرتے قرب کا تیسرا درجہ

جمع بین المقربین:

آ جاتا ہے۔ جہاں بندہ نہ فاعل رہتا ہے نہ آلہ ذریعہ بلکہ فاعل بھی اللہ رب العزت بن جاتا ہے اور آلہ بھی وہ خود ہوتا ہے۔ یہاں بندے کا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ بس بندہ خالی بندہ ہی رہ جاتا ہے مگر اس میں ساری قوتیں رب کی کارفرما ہوجاتی ہیں گویا بندہ مقام محبوبیت کو پالیتا ہے اپنے ارادہ وفعل کو اللہ کے ارادہ وفعل میں گم اور فنا کر دیتا ہے تو یہ تیسرا درجہ جمع بین المقربین کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اب وجود تو انسان کا ہے مگر اس کی ساری قوتیں معدوم ہوگئیں۔ اس کے ارادے، نیتیں، اور فاعلیت سب کچھ عدم ہوگئے۔ اب فاعلیت بھی رب کی ہے، ارادہ بھی اسی کا ہے، نیت بھی اسی کی ہے اور فیصلہ بھی اس کا ہے اَب بندہ ایک قسم کا پتلا ہے۔ جدھر رب چلا رہا ہے چل رہا ہے۔ بھیج رہا ہے جا رہا ہے۔ وہ ہنسا رہا ہے تو ہنس رہا ہے وہ رُلا رہا ہے تو رو رہا ہے۔ اس کے ظاہر پر تصرف اللہ رب العزت کا ہے۔ یہ مقام جمع بین المقربین ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی ذات میں یہ تینوں قرب جمع فرما دیئے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (سورۃ انفال، آیت نمبر 17)

ترجمہ: ''اے (رسول خاتم النبیین ﷺ) جس وقت آپ نے مٹھی بھر خاک دشمن پر پھینکی تھی تو آپ نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات کا ذکر کیا ہے۔ (ومارمیت) اے محبوب خاتم النبیین ﷺ آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں یہ قرب خداوندی ہے۔ ''اذرمیت'' جب آپ نے پھینکیں تھیں۔ اس میں قرب نوافل کا بیان ہے (ولکن اللہ رمی) بلکہ وہ تو اللہ نے ماریں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نہ آلہ فعل رہے نہ فاعل رہے بلکہ فاعل بھی رب اور آلہ فعل بھی وہ خود ہو گیا تو قرب کا یہ مقام جمع بین المقربین ہے۔ (سبحان اللہ)

****

زندگی اور موت برابر

1۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے: (سورۃ النساء، آیت نمبر 64)

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ: ''اگر یہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے امتی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں (گناہ کر گزریں) اور پھر آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی خدمت میں آجائیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اللہ کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) بھی ان کی مغفرت کی سفارش کریں تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان پائیں گے''۔

مکین گنبد خضرا ں خاتم النبیین ﷺ ابتدائے افرینش سے تا قیامت خالق و مخلوق میں واسطہ اور ذریعہ ہیں۔ عالم ارواح میں انبیاء کرام علیہ السلام کی روحوں نے جو علوم و معارف حاصل کئے وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے واسطے اور وسیلے سے کئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''دیتا خدا ہے اور بانٹتا میں ہوں''۔ (صحیح بخاری) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے تصرفات بدستور جاری ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت میں قطب وابدال اور اوتاد تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ خاتم النبین ہیں اور تمام عالم کے لئے رحمت اور بعد از وفات بھی یہ ''وصف رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین ﷺ میں موجود ہے''۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میری زندگی اور موت دونوں تمہارے لیے بہتر ہیں''۔ اپنے ظہور اقدس سے متعلق آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی گندھی ہوئی مٹی میں تھے''۔ (جامع ترمذی۔ مشکوٰۃ)۔

جس روز حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک تعالیٰ سے بواسطہ محمد خاتم النبیین ﷺ مغفرت کی دعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا تھا۔ نبی امی خاتم النبیین ﷺ کی سیرت طیبہ کا دور اسی روز شروع ہو چکا تھا اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے قدموں کا صدقہ ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ جلیلہ ہی ہر دعا کو قبولیت کی سند عطا کرتا ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ براہ راست اپنے خالق سے بارش کی دعا فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا۔ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ وصال نبی خاتم النبیین ﷺ کے بعد حضوور پاک خاتم النبیین ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی جاتی رہی۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب قحط پڑتا، حضرت عمر فاروقؓ نماز استقا کے لئے نکلتے ان کے ساتھ حضرت سیدنا عباسؓ بھی ہوتے۔ پس حضرت عمر فاروقؓ دعا کرتے ''اے اللہ جب ہم قحط زدہ ہوتے تھے تو تیرے نبی خاتم النبیین ﷺ کے توسل سے بارش مانگتے تھے۔ آج ہم تیرے نبی خاتم النبیین ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے وسیلے سے دعا مانگتے ہیں۔ تو ہم پر بارش بھیج''۔ راوی کہتے ہیں کہ بارش شروع ہو جاتی تھی۔ اس حدیث مبارکہ سے جہاں ہمیں قبولیت دعا اور بعد از وفات معجزات نبی خاتم النبیین ﷺ کا پتہ چلتا ہے وہاں وسیلے کا تصور بھی واضح ہو جاتا ہے۔ وسیلہ تو صحابہ کرامؓ کی سنت ہے۔ اس وسیلہ سے آج بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور قیامت تک در خالق انہیں قبولیت کی سند عطا ہوتی رہے گی۔ (صحیح بخاری جلد اص 536 ص 137) فتح الباری جلد دوئم ص 494)

اسلام اور مسلمانوں کو انشاء اللہ پھر عروج حاصل ہوگا ضروت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو حبیب خاتم النبیین ﷺ خدا کے سپرد کر دیں اور مفکر اسلام کے اس پیغام کو خصوصی طور پر عملی جامعہ پہنانے کا فیصلہ کر لیں۔

2۔ "اگر یہ پیغمبران کے لئے بخشش مانگتے تو اللہ کو معاف کرنے والا پاتے"

حافظ ابو عبداللہ محمد بن موسیٰؒ بن نعمان اپنی کتاب ''مصباح الظلام'' میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابو سعید سبعانیؒ نے بروایت علیؓ بن ابی طالبؓ نقل کیا ہے کہ صادق و امین خاتم النبیین ﷺ کے دفن اقدس کے تین دن کے بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اس نے اپنے آپ کو قبر مبارک پر گرا دیا اور قبر شریف کی کچھ مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا ''یا رسول اللہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے جو ارشاد فرمایا وہ ہم نے سن لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ پر قرآن پاک نازل فرمایا جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اگر یہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے امتی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں (گناہ کر گزریں) اور پھر آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی خدمت میں آجائیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اللہ کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) بھی ان کی مغفرت کی سفارش کریں تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان پائیں گے'' ''میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اب میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس آیا ہوں کہ میرے حق میں مغفرت طلب فرمائیں۔ قبر مبارک سے آواز آئی ''تجھے بخش

دیا گیا‘‘(دفاالعرفا جرو ثانی ص 412 سیرت رسول ﷺ صفحہ 844 القرطبی رواہ علیؓ)

3۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے"

مولانا صدرالدین رفاعی خطیب مدنی مسجد سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی نے یہ خواب تحریر کر کے بھیجا ہے۔مولانا میر محمد جان بھامڑی (بھان بھامڑہ بھارت میں ایک جگہ کا نام ہے) بڑے عالم اور بزرگ تھے قیام پاکستان سے قبل ایک مرتبہ سخت بیمار ہوگئے۔بیماری کی حالت میں ان کو خیال آیا کہ حدیث مبارکہ میں صلہ رحمی کی جزاء میں لمبی عمر کا ملنا آیا۔میں منت مانتا ہوں کہ اگر زندہ بچ گیا تو اپنی پھوپھی اور خالہ جو بیوہ اور محتاجِ امداد تھیں ان کی ماہوار نقد رقم کے ذریعے خدمت کیا کروں گا۔ساتھ ہی یہ خیال آیا۔اس حدیث کی سند کی تحقیق کر لیتا تو اچھا تھا۔لیکن بوجہ کمزوری ونقاہت یہ تحقیق ان کے امکان میں نہ تھی۔اسی اثناء میں حالت غنودگی میں جناب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی آپ خاتم النبیین ﷺ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو ارشاد فرمایا کہ واقعی یہ میری حدیث ہے۔اللہ نے تمہاری منت قبول کر لی ہے۔اس کے بعد غالباً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری عمر میں 30 سال کا اضافہ کر دیا ہے۔اس واقعے کا ذکر وہ اپنے واعظوں میں بھی کر دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس حساب کے مطابق میری عمر ابھی اتنی باقی ہے خواب کی بشارت کے عین مطابق عمر پا کر فوت ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے مال و دولت اور اولاد میں بڑی برکت عطا فرمائی۔ان کے بیٹے اور پوتے بھی ان کی زندگی میں صاحب اولاد ہو کر بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوگئے تھے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے میں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ اس کے رزق میں وسعت دی جائے۔اس کی عمر بڑھے اسے چاہیے کہ صلہ رحمی (اپنوں سے اچھا سلوک) سے کام لے"۔’’بلاشبہ صلہ رحمی کرنے سے گھر والوں میں محبت، مال میں برکت اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے‘‘۔(صحیح بخاری، مسلم، ترمذی)

4۔ دعا حزب البحر آپ خاتم النبیین ﷺ نے تعلیم فرمائی

شیخ ابوالحسن شاذلیؒ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ امام شاذلیؒ کے بڑے مدح تھے۔معتبر علماء نے مندرجہ ذیل واقعہ کو بیان کیا ہے کہ’’شیخ ابوالحسن شاذلیؒ ایک بار قاہرہ میں مقیم تھے۔حج کے ایام نزدیک آرہے تھے۔ایک دن شیخ نے اپنے دوستوں سے ذکر کیا کہ اس سال مجھے غیب سے حج کرنے کا حکم ہوا ہے۔لہٰذا جہاز تلاش کرلو۔بڑی مشکل سے ایک بوڑھے عیسائی کے جہاز کا پتہ چلا۔جب کوئی اور جہاز نہ مل سکا تو شیخ اپنے ہمرایوں کے ساتھ اس بوڑھے عیسائی کے جہاز میں سوار ہوگئے۔قاہرہ کی آبادی سے نکلتے ہی نہایت تیز وتند مخالف ہوا نے جہاز کو گھیر لیا اور جہاز رک گیا۔ہفتہ بھر ایسا ہی رہا۔اب شیخ کے مخالفین نے انہیں طعنے دینے شروع کر دیئے "آپ کو تو غیب سے حج کرنے کا حکم ہوا تھا۔یہاں تو یہ حال ہے حج کرنے کا سوال ہی ختم ہوتا نظر آرہا ہے"۔ان طعنوں نے شیخ کو بے چین کر دیا۔مگر وہ ضبط کرتے رہے۔ایک دن دوپہر کے وقت شیخ نیم غنودگی کے عالم میں تھے کہ انہیں سرور کائنات محمد خاتم النبیین ﷺ کی زیارت ہوئی۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے شیخ کو وہ دعا تعلیم فرمائی جو بعد میں دعائے حزب البحر کے نام سے مشہور ہوئی۔شیخ نے وہ دعا پڑھی پھر بیدار ہو کر جہاز کے لنگر اٹھائے جانے کا حکم دیا۔کپتان نے کہا "اگر ہم لنگر اٹھائیں گے تو مخالف ہوا ہمارا منہ پھیر دے گی"۔شیخ نے فرمایا "اللہ پر بھروسہ کرو جیسے میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو"۔لنگر اٹھایا گیا اور اسی وقت ہوا کا رخ پھر گیا اور جہاز سلامتی کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ گیا، جہاز کے کپتان کے بیٹے یہ سب کچھ دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔جہاز کا عیسائی کپتان امداد الٰہی کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا لیکن اسے اپنے بیٹوں کا اسلام لانا ناگوار گزرا، بہت دل گرفتہ ہوا اسی شب اس نے خواب میں دیکھا۔شیخ شاذلیؒ ایک بڑی جماعت کے ساتھ جنت میں جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ اس کے مسلمان بیٹے بھی جا رہے ہیں۔اس نے بھی ان کے پیچھے جانا چاہا لیکن فرشتوں نے یہ کہہ کر اسے روک دیا "تمہارا دین مختلف ہے۔اب تمہارا ان سے کیا واسطہ"؟ صبح جب اٹھا تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے اس کا سینہ کھول دیا اور وہ بھی ایمان لے آیا۔شیخ شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دعا کا ایک ایک حرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی زبان سے حاصل کیا ہے۔جو کچھ اس دعا میں ہے وہ سب کچھ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ہندوستان، پاکستان میں یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ اور امداد اللہ مہاجر مکی تک پہنچتا ہے۔

5۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "لوکی کے تین سو تیرہ فائدے ہیں"

مؤلف کتاب ’’سیرت النبی ﷺ‘‘ بعد از وصال نبی خاتم النبیین ﷺ اپنا خواب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مفصل اور طویل خواب دیکھا جو مختصر ترین الفاظ میں اس طرح ہے کہ’’خواب میں حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ آگرہ میں میرے مکان پر میری اہلیہ مرحومہ کے نانا معین الدین احمد صاحب صدیقی کے ہمراہ تشریف لائے ہیں۔میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو تین بار فرشی سلام کرتا ہوں۔آپ خاتم النبیین ﷺ جواب عنایت فرما کر تبسم فرماتے ہیں اور ایک موڑھے پر جلوہ افروز

ہوجاتے ہیں۔میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی پشت مبارک کی جانب کھڑا ہوں اور برابر مہر نبوت دیکھ رہا ہوں۔آپ خاتم النبیین ﷺ میرے بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں دست مبارک میں لے کر میری ہتھیلی کو 9 بار دباتے ہیں۔پھر ارشاد فرماتے ہیں لوکی (گھیا کدو) کا عرق نکال کر ہاتھوں پر ملا کرو اس کے 313 فائدے ہیں۔اس کے بعد میرے سامنے ایک بڑا تختہ سیاہ آیا۔جس پر نہایت خوبصورت الفاظ میں (لوکی) لکھا ہوا تھا اور نیچے جسم کے تمام اعضاء کے لئے اس کے فوائد درج تھے پھر میری آنکھ کھل گئی۔گرمی کا موسم تھا صبح کے 4 بجے تھے اذانوں کی آوازیں آ رہی تھیں منہ پر درود شریف تھا آنکھوں میں آنسو تھے اور مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔اس وقت میں 25 برس کا تھا 4 برس کی عمر سے مجھ کو برابر ایک تکلیف تھی کہ میری ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھٹی رہتی تھیں اور خون چھلکتا رہتا تھا۔نمک، مرچ اور صابن کے استعمال سے جان نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔21 سال سے دنیا بھر کے علاج کئے لیکن کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔لوکی کا عرق جو ملنا شروع کیا تو ایک ہفتہ کے اندر اندر آرام آ گیا اور اس کے بعد آج تک ہاتھ میں کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''جب ہنڈیا پکاؤ تو لوکی زیادہ ڈال لیا کرو۔کہ رنجیدہ قلب کو قوت دیتی ہے اور اس کے استعمال سے دماغ بڑھتا ہے، زود ہضم ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ اس کو برتن میں تلاش کر کر کے کھایا کرتے تھے''۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو لوکی (گھیا کدو) بہت پسند تھی۔(بخاری، مسلم)

6- آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت مبارکہ

حضرت مولانا جامی کی اولاد میں سے تھے آپ کا بیان ہے کہ میری آرزو تھی کہ مجھے خواب میں حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی زیارت نصیب ہو۔میری والدہ نے ایک دعا چند بار بڑے شوق و لگن سے پڑھنے کو بتائی۔میں نے یہ بھی سنا تھا کہ جو شخص شب جمعہ کو تین ہزار بار درود شریف پڑھے گا اس کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت نصیب ہو جائے گی۔غرض میں یہ دونوں عمل کر کے سو گیا۔خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں گھر سے باہر ہوں اور میری والدہ میرے انتظار میں ہیں۔حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ میرے گھر میں رونق افروز ہیں میں گھر آتا ہوں تو والدہ فرماتی ہیں کہ میں تمہارے انتظار میں تھی کہ تمہیں بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں لے چلوں۔پھر والدہ میرا ہاتھ پکڑ کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گئیں۔میں نے دیکھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے گھر اچھا خاصا مجمع ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کچھ تحریر کروا رہے ہیں اور یہ تحریریں اطراف عالم میں بھیج رہے ہیں اور مولانا اشرف الدین عثمان زیارت گاہی جن کا شمار علمائے ربانی میں ہوتا ہے وہ لکھ رہے ہیں۔میری والدہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا یہ وہی لڑکا ہے جس کی آپ خاتم النبیین ﷺ نے بشارت دی تھی'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے میری جانب ایک نظر ڈالی اور تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ وہی لڑکا ہے۔مولانا شمس الدین محمد رومی فرماتے ہیں ''میرا ایک ہی بھائی تھا جو میری ولادت سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔میرے والدین بہت غمگین رہنے لگے تھے۔ایک رات میری والدہ کو حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی زیارت ہوئی۔میری والدہ سے فرمایا: ''رنجیدہ نہ ہو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا فرزند عطا فرمائے گا جو دراز عمر، دولت مند اور بزرگ صفت ہوگا''اس کے بعد ہی میں پیدا ہوا (تاریخ اولیا حصہ دوم ص 295)

7- آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''عدل و انصاف سے حکومت کرنا''

ایک بار شیر شاہ سوری نے خواب میں دیکھا کہ وہ دربار رسول خاتم النبیین ﷺ میں حاضر ہیں۔نصیر الدین ہمایوں بھی موجود ہیں۔جس نے تاج پہنا ہوا ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہمایوں کے سر سے تاج شاہی اتار کر شیر شاہ کے سر پر رکھ دیا اور فرمایا ''عدل و انصاف سے حکومت کرنا'' پھر شیر شاہ کی آنکھ کھل گئی۔اس خواب کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد شیر شاہ کی قلیل اور ہمایوں کی کثیر فوج کے درمیان زبردست مقابلہ ہوا جس میں شیر شاہ کامیاب رہا اور ہمایوں شکست کھا کر بمشکل جان بچا کر ایران چلا گیا اور پندرہ برس وہیں رہا۔(سیرت النبی بعد وصال النبی خواب نمبر 175 ص 232)

8- آپ خاتم النبیین ﷺ نے دعا فرمائی

شیخ شمس الدین محمد بن محمد جزری شافعی متوفی 734ھ اپنی مشہور کتاب حصن حصین من کلام سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے دیباچہ میں اپنے استغاثہ کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ جب میں اس کتاب کی ترتیب اور تہذیب پوری کر چکا تو مجھے ایسے دشمن نے طلب کیا (امیر تیمور) کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی دفع نہ کر سکتا تھا۔میں اس دشمن سے چھپ کر بھاگ گیا۔اس کتاب کو میں نے اپنا حصین (قلعہ۔پناہ) بنایا۔میں نے مستجاب دعا خاتم النبیین ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے بائیں طرف بیٹھا ہوں اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ فرما رہے ہیں ''تو کیا چاہتا ہے''؟ میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ میرے اور مسلمانوں کے لئے دعا کیجئے''۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اپنے دست مبارک دعا کے لئے دراز کر دیئے۔دعا مانگی اور دست مبارک چہرے پر ملے۔یہ زیارت جمعرات کی

شب ہوئی اور اتوار کی شب دشمن بھاگ گیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی دعا سے مجھے اور تمام مسلمانوں کو دشمن کے شر سے بچا لیا۔

9۔ "آپ خاتم النبیین ﷺ سے ہر معاملے میں فریاد کر سکتے ہیں"

ابو محمد عبداللہ بن محمد ازوی کحالؒ جو اندلس کا ایک نیک شخص تھا بیان کرتا ہے کہ اندلس میں ایک شخص کا بیٹا رومیوں کی قید میں چلا گیا۔اپنے بیٹے کے بارے میں رہائی کا کوئی ظاہری وسیلہ نہ رکھتا تھا چنانچہ اپنے نبی خاتم النبیین ﷺ سے فریاد کرنے کی غرض سے اپنے شہر سے نکلا راستے میں اس کا ایک واقف کار مل گیا۔اس نے کہا کہ کہاں جاتے ہو اس شخص نے جواب دیا میرے بیٹے کو رومیوں نے قید کر لیا ہے۔اور فدیہ میں تین سو دینار مانگ رہے ہیں۔میرے پاس تو کچھ نہیں ہے میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے فریاد کرنے جا رہا ہوں۔اس شخص نے کہا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے ہر بات ہر معاملہ میں فریاد کرنا مفید نہیں ہے مگر وہ شخص نہ مانا اور اپنے ارادے پر قائم رہا۔مدینہ منورہ پہنچ کر روضہ اطہر پر حاضری دی اور اپنا حال بیان کیا اور فرمایا ''رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ فرما رہے ہیں تم اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ'' جب ارشاد پاک کے مطابق واپس اپنے شہر پہنچا تو وہاں اپنے بیٹے کو موجود پایا۔اس سے حال دریافت کیا تو بیٹے نے کہا کہ فلاں رات کو مجھے اور دوسرے بہت سے قیدیوں کو اللہ تعالیٰ نے رہائی دی۔یہ وہی رات تھی جس میں اس شخص نے اپنے بیٹے کی خاطر روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر آپ خاتم النبیین ﷺ سے فریاد اور التجا کی تھی۔(شواہد حق سیرت رسول ص 855)

10۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلہ سے دعا

علامہ یوسف نبہانی کثیر بن محمد بن رفاعہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص عبدالملک بن سعید بن خیار بن جبرؒ کے پاس آیا یہ اس وقت کے نامور طبیب تھے اس شخص کے پیٹ میں تکلیف تھی۔عبدالملک بن سعید نے اس شخص کے پیٹ کا معائنہ کیا اور کہا تمہاری بیماری لا علاج ہے اس شخص نے پوچھا مجھے بیماری کیا ہے؟۔ عبدالملک نے جواب دیا اس بیماری کو دبیلہ کہتے ہیں اس میں معدے کے اندر زخم ہو جاتے ہیں اور ہمارے پاس ان زخموں کا کوئی علاج نہیں ہے۔یہ سن کر وہ شخص لوٹ آیا پھر اس نے تین بار اس طرح دعا کی ''اللہ، اللہ، اللہ تو میرا پروردگار ہے میں تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا'' یا اللہ میں تیری بارگاہ میں تیرے محبوب کے وسیلے سے پیش ہوتا ہوں۔یا محمد خاتم النبیین ﷺ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے سے پیش ہوتا ہوں کہ مجھ پر ایسی رحمت فرمائیں کہ اس بیماری میں کسی غیر کی محتاجی سے مجھے بے نیاز کر دے''۔اس دعا کے بعد پھر عبدالملک طبیب کے پاس گئے۔انہوں نے پھر پیٹ کا معائنہ کیا اور بتایا" تو تندرست ہے تجھے کوئی بیماری نہیں ہے"۔

11۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی"

نشاط النساء بیگم مولانا حسرت موہانی رحمۃ اللہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔1885 میں پیدا ہوئی اور 18 اپریل 1937 کو وصال فرمایا۔وصال سے چند ماہ پہلے جسم کا نصف حصہ بالکل بے حس ہو گیا تھا اور نئی نئی تکالیف پیدا ہو گئیں تھیں۔مگر زبان سے اس کے سوا کہ " جو اللہ کی مرضی اور اس کی مصلحت کا تقاضہ'' میں نے کبھی کوئی حرف شکایت نہ سنی۔کبھی کبھی فرماتی تھیں کہ جب مرض کی تکلیف کی یہ شدت ہے تو موت کی تکلیف کی شدت کیا ہوگی؟ وصال سے ایک روز قبل نماز فجر کے اول وقت ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا اب مجھے کسی تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے۔اس لئے کہ ابھی ابھی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے تھے۔میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کا دامن تھام کر عرض کیا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ مجھے مدینہ لے چلئے''۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''گھبراؤ نہیں ہم تمہیں جلد ہی بلا لیں گے'' اور تکلیف جان کنی کے لئے فرمایا کہ ''ہم ذمہ دار ہیں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی'' چنانچہ اب مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔مولانا حسرت موہانی فرماتے ہیں "الحمد للہ نتیجہ اسی طرح ظاہر ہوا اور میرے سوا کسی کو آخری وقت تک اس بات کا احساس تک نہ ہوا کہ خاتمہ اس درجہ قریب ہے"۔(حیات بیگم حسرت وموہانی زیارت نبی بحالت بیداری ص 7 تا 77)

12۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ابھی تمہاری بہت عمر باقی ہے"

مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو سخت بیمار ہو گئے۔21ویں شب کو شاہ مدینہ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔بشارت سے سرفراز فرمایا اور آخر میں ارشاد فرمایا ''فرزند اشرف ابھی تمہاری بہت عمر باقی ہے۔غم نہ کرو۔بہت سے مسلمان تمہارے وسیلے سے دروازہ وصول تک پہنچیں گے اور بہت عوام تمہارے ذریعے خواص کی منازل میں جگہ پائیں گے"۔بشارت کے بعد صبح ہوتے ہی صحت کے آثار نمودار ہوئے اور چند روز میں مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے۔120 سال کی عمر میں وفات پائی۔(لطائف الاشرفی حصہ اول ص 40)

جھوٹے مدعیان نبوت

آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے دورِحیات کے آخری حصے میں دو بد باطن افراد اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب نے عقیدہ ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے جھوٹا دعوی نبوت کیا۔ اسی دوران آپ (خاتم النبیین ﷺ) پر مرض الموت طاری ہوا - اسی بیماری کے اثناء میں آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ایک خواب دیکھا کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے دونوں ہاتھوں میں کنگن ہیں - آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو ان سے نفرت محسوس ہوئی - آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ان پر پھونک ماری - جس سے وہ دونوں اڑ گئے - اس کی تعبیر آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے یہ بتائی کہ ان کنگنوں سے دو جھوٹے مدعیان نبوت مراد ہیں (یعنی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب) اور یہ دونوں عنقریب میرے جانثاروں کے ہاتھوں انجام بد تک پہنچیں گے - (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3621)

بعد میں یہ پیشنگوئی اسی طرح حرف با حرف سچ ثابت ہوئی - اسود عنسی یمن کا باشندہ تھا، شعبدہ باز تھا - اس نے ایک گدھا سدھایا ہوا تھا - اسی وجہ سے اس کا لقب ذوالحمار (گدھے والا) تھا - اس کی موت حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی زندگی ہی میں ہوئی اور اس کو نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے جانثار صحابی حضرت فیروز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا - (دیلمی)

حضور اکرم (خاتم النبیین ﷺ) کے دعویٰ نبوت سے لے کر وصال نبوی تک 23 سال کے لگ بھگ جو عرصہ بنتا ہے اس میں 27 غزوات ہوئے اور 47 سرایا، پھر جتنے تبلیغی وفود دھوکہ سے شہید کئے گئے اور کفار کے مظالم سے جو صحابہ کرامؓ شہید ہوتے رہے ان کی کل تعداد 259 ہے یعنی پورے دورِ نبوت (خاتم النبیین ﷺ) میں اسلام کے لئے جو کل صحابہؓ شہید ہوئے ان کی تعداد 259 ہے اور صرف جنگ یمامہ میں مسئلہ ختم نبوت کے لیے جو صحابہؓ شہید ہوئے ان کی تعداد 1200 ہے۔ جن میں سے 700 حفاظ قرآن ہیں۔

جب بارہ سو صحابہ کرامؓ ختم نبوت پر نچھاور ہوئے:-

یہ صدیق اکبرؓ کا عہد خلافت ہے۔ یمامہ کے میدان میں بارہ سو صحابہ کرامؓ کی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ کسی کا سر تن سے جدا ہے، کسی کا سینہ چیرا ہوا ہے، کسی کا پیٹ چاک ہے، کسی کی آنکھیں نکلی ہوئی ہیں، کسی کی ٹانگ نہیں ہے، کسی کا ہاتھ نہیں ہے، کسی کا بازو کندھوں سے جدا ہے، کسی کی ٹانگ جسم سے الگ پڑی ہے اور کسی کا جسم ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ **ان عظیم ہستیوں نے کس مسئلے کے لیے پردیس میں جا کر اپنی جانیں نچھاور کیں؟ کس مسئلہ کے لئے انہوں نے اپنی شمشیر کو بے نیام کیا اور گھوڑوں پر بیٹھ کر بجلی کی سرعت سے یمامہ کی طرف لپک گئے؟ وہ مسئلہ جسے آج ہم نے منبر و محراب سے نکال دیا ہے۔ جو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھایا نہیں جاتا۔ یعنی "مسئلہ ختم نبوت"۔**

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے پردہ فرما جانے کے فوراً بعد طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو گئے تھے - اسی زمانے میں مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا دعوی کیا - مسیلمہ کذاب کے پاس 40000 کا لشکر اور مال و دولت کے ڈھیر تھے -

حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب کے لشکر اور مال و دولت کی پرواہ نہ کی اور اس کی سرکوبی کے لئے پہلا لشکر حضرت شرجیلؓ کی قیادت میں روانہ کیا لیکن مسیلمہ کذاب نے اس لشکر کو شکست دی۔ دوسرا لشکر حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کی قیادت میں روانہ کیا لیکن مسیلمہ کی فوج نے اس لشکر کو بھی شکست دی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ہمت نہ ہاری اور دونوں کو ہدایت جاری کی کہ "مدینہ لوٹ کر مت آنا، تمہارے آنے سے بددلی پھیلے گی۔ تم دونوں وہیں انتظار کرو۔ میں تمہاری مدد کے لیے خالدؓ بن ولید کے لشکر کو روانہ کر رہا ہوں"۔

خالدؓ بن ولید یمامہ پہنچتے ہیں۔ دونوں طرف سے گھمسان کی جنگ ہوتی ہے۔ مسلمان بڑی جانثاری سے لڑتے ہیں لیکن مسیلمی لشکر سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑا ہے۔ آخر حضرت خالدؓ بن ولید میدان جنگ میں کھڑے مسیلمہ کذاب کو دیکھ کر عقاب کی طرح اس کی طرف لپکتے ہیں اور ساتھیوں کے ساتھ یکبارگی زبردست حملہ کرتے ہیں۔ جس سے مسیلمہ کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ مسلمان شیروں کی طرح دھاڑتے ہوئے مسیلمہ کذاب کی فوج پر پل پڑتے ہیں اور انہیں تیزی سے قتل کرنے لگتے ہیں۔ اللہ پاک مسلمانوں کو فتح عطا کرتے ہیں۔ مسیلمہ کذاب کے چالیس ہزار لشکر میں سے 27 ہزار سپاہی میدان جنگ میں مارے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی

مسیلمہ کذاب بھی جہنم واصل ہو جاتا ہے اور اس کی جھوٹی نبوت بھی مجاہدین ختم نبوت کے ہاتھوں میدان یمامہ میں ہمیشہ کے لئے دفن ہو جاتی ہے لیکن اس جنگ میں مسلمانوں کا بھی ایسا نقصان ہوتا ہے جو اس سے قبل اسلامی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ 1200 صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے جن میں 700 حفاظ قرآن تھے۔

صحابہؓ کے عہد کا جھوٹا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب تھا اور ہمارے عہد کا جھوٹا مدعی نبوت مرزا قادیانی ہے۔ جتنے خطرناک مسیلمہ کے پیروکار تھے اس سے کہیں زیادہ خطرناک مرزا قادیانی کے پیروکار ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات زندگی:-

مرزا غلام احمد قادیانی کی قوم مغل اور گوت برلاس تھی۔ باپ کا نام غلام مرتضی، دادا کا نام عطا محمد اور پردادا کا نام گل محمد تھا۔ مرزا قادیانی کے آباؤ اجداد نے سکھوں کے زمانے میں مسلمانوں کی بجائے سکھوں کا ساتھ دیا۔ 1857 کی جنگ آزادی میں مرزا غلام مرتضی نے سیالکوٹ کے محاذ پر انگریزوں کی حمایت میں اپنی طرف سے 50 گھوڑے خرید کر اور 50 جوان بھیج دیئے۔ اس غداری کے نتیجے میں اسے دربار گورنری میں کرسی مل گئی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی ولادت بھارت کے صوبہ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک قصبے قادیان میں 1839 یا 1840 میں ہوئی۔

مرزا قادیانی کے والد نے 1857 کی جنگ آزادی میں برطانوی حکومت کی حمایت کی بنا پر انعام کے طور پر انگریز سے جائیداد حاصل کی۔ مرزا غلام احمد کے والد کی وفات کے بعد اس کا بڑا بھائی مرزا غلام قادر حکومت برطانیہ کا وفادار رہا۔

انگریز حکومت نے متحدہ ہندوستان میں بھانپ لیا کہ مسلمانوں کو جور وستم سے نہیں مغلوب کیا جا سکتا۔ چنانچہ انگریز حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا جس نے پورے ہندوستان کا سروے کیا اور برطانوی پارلیمنٹ کو یہ رپورٹ دی کہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد کو مٹانے کے لئے کسی ایسے شخص سے نبوت کا دعوی کروایا جائے جو انگریز حکومت کا وفادار ہو۔ ان دنوں مرزا غلام احمد قادیانی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں معمولی درجہ کا کلرک تھا۔ مسیحی مشن کے ایک فرد نے مرزا غلام احمد قادیانی سے ملاقات کی اور مرزا قادیانی نے ملازمت چھوڑ دی، قادیان چلا گیا۔ مسیحی مشن کا وہ فرد بھی برطانیہ روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد مرزا غلام قادیانی نے بھرپور طور پر مسئلہ جہاد پر بحث ومباحثہ شروع کیا اور اپنی تحریروں میں جہاد کو حرام قرار دیا اور اطاعت انگریز کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس نے اپنے آپ کو حکومت برطانیہ کا خود کاشتہ پودا قرار دیا۔ اس ضمن میں اس کی چند تحریریں ملاحظہ ہوں:

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں"۔ (بحوالہ: تریاق القلوب، صفحہ 27، مندرجہ روحانی خزائن، جلد 15، صفحہ 155، از مرزا قادیانی) 1989 میں مرزا نے مجدد ہونے کا دعوی کیا۔

1901 میں مرزا قادیانی نے کتابچہ "ایک غلطی کا ازالہ" لکھا اور نبوت کا دعوی کر دیا۔ مرزا قادیانی نے ظلی اور بروزی نبی ہونے کا دعوی کیا۔ **بروزی اور ظلی نبی ہندوآنہ نظریہ ہے۔ یعنی حضور اکرم (خاتم النبیین ﷺ) کی روح مرزا قادیانی میں آگئی ہے اور مرزا قادیانی حضور اکرم (خاتم النبیین ﷺ) کا دوسرا جنم ہے"۔ (نعوذ باللہ)**

اس کے بعد مرزا نے کھلم کھلا اپنی تحریروں میں اس کافرانہ عقیدے کا پرچار کیا۔ مثلاً "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"۔ (بحوالہ: روحانی خزائن، جلد 18، صفحہ 231) (نعوذ باللہ) "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں"۔

حکیم نور الدین: سب سے پہلے جس خبیث الفطرت انسان نے مرزا قادیانی کی نبوت کو تسلیم کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی، وہ حکیم نور الدین تھا۔ قادیانی جماعت میں مرزا قادیانی کے بعد اس کا مقام ہے۔ مرزا قادیانی کی موت کے بعد وہ مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کا پہلا خلیفہ کہلایا۔ قادیانی اسے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

مرزا قادیانی کے چند کفریہ عقائد:-

اب مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ عقائد کی تفصیل ملاحظہ ہو جو اس کی مختلف کتابوں میں درج ہے:

1- مرزا قادیانی اللہ کا نبی، رسول اور رحمۃ اللعالمین ہے۔ (نعوذ باللہ)

2- حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت پہلی رات کے چاند کی طرح ہے اور مرزا قادیانی کی نبوت چودھویں کے چاند کی طرح ہے۔ (نعوذ باللہ)

3- کلمہ طیبہ میں جہاں لفظ محمد (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) آتا ہے اس سے مراد محمد عربی نہیں بلکہ ان کی دوسری بعث محمد عجمی ہیں یعنی مرزا قادیانی ہے۔ (نعوذ باللہ)

4- اب جہاد حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ اب جو جہاد کرتا ہے یہ اللہ کا نافرمان ہے۔ اب جو جہاد کرے گا وہ اللہ اور رسول کا باغی ہے۔ (نعوذ باللہ)

5- اللہ اور اس کے فرشتے مرزا قادیانی پر درود بھیجتے ہیں۔ (نعوذ اللہ)

6- قرآن پاک مرزا قادیانی پر دوبارہ نازل کیا گیا ہے اور قرآن پاک میں جہاں حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کیا گیا ہے اب سے مراد مرزا قادیانی ہے۔ (نعوذ باللہ)

7- نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) دین کی مکمل اشاعت نہ کر سکے وہ مرزا قادیانی نے کی ہے۔ (نعوذ باللہ)

8- مرزا قادیانی کو احادیث پر حکم بنا کر بھیجا گیا ہے، وہ جس حدیث کو چاہے صحیح کہے یا غلط کہے۔ (نعوذ باللہ) (حکم کے معنی ثالث کے ہیں۔)

9- مرزا قادیانی کی بیوی ام المومنین اور گھر والے اہل بیت ہیں۔ (نعوذ باللہ)

10- قادیان اور ربوہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی طرح ہیں۔ (نعوذ باللہ)

(بحوالہ: مرزائی کسے کہتے ہیں؟ از قلم محمد طاہر عبدالرزاق، مرکز سراجیہ (ناشر)، لاہور، تاریخ اشاعت نامعلوم، صفحات 5-3)

محافظین ختم نبوت کے ایمان افروز واقعات:-

مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنی تالیف تحریک ختم نبوت 1953 میں چند ایک واقعات درج فرمائے ہیں:

1- حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ گولڑوی: حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ گولڑوی نے مرزا قادیانی کو چیلنج کرتے ہوئے کہا "حسب وعدہ شاہی مسجد میں آؤ، ہم دونوں اس کے مینار پر چڑھ کر چھلانگ لگاتے ہیں، جو سچا ہوگا وہ بچ جائے گا، جو کاذب ہوگا مر جائے گا"۔ مرزا قادیانی نے جواب میں اس طرح چپ سادھی گویا دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ (تحریک ختم نبوت، صفحہ 52، کاشمیری)

2- حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ صاحب: حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، صبح بہار سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے متعدد بار ذکر کیا کہ میں عالم رؤیا میں حضور سرور کائنات (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار عالی میں پیش ہوا۔ نہایت ادب و احترام سے صلوۃ و سلام عرض کیا۔ حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا؛ "محمد علی تم وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہو اور قادیانی میری ختم نبوت کی تخریب کر رہے ہیں۔ تم ختم نبوت کی حفاظت اور قادیانیت کی تردید کرو"۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیری فرمایا کرتے تھے "اس مبارک خواب کے بعد نماز فرض، تہجد اور درود شریف کے علاوہ تمام وظائف ترک کر دیئے، دن رات ختم نبوت کے کام میں منہمک ہو گیا"۔ (روائید مجلس، صفحہ 14، 1982)

3- سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ: سید عطاء اللہ شاہ بخاری قادیانیت کے لیے درۂ عمر فاروقؓ تھے۔ ساری زندگی مرزا قادیانی کی جعلی نبوت کے تعاقب میں صرف کر دی۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا رسول خانؒ نے جو بہت بڑے محدث تھے فرمایا کہ آنحضرت (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) جماعت صحابہ میں تشریف فرما ہیں۔ حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں (ایک سنہری طشت میں) آسمان سے ایک دستار مبارک لائی گئی۔ آنحضرت (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) نے جناب صدیق اکبرؓ کو حکم دیا کہ اٹھو اور میرے بیٹے عطا اللہ شاہ کے سر پر باندھ دو۔ میں اس سے خوش ہوں کہ اس نے میری ختم نبوت کے لیے بہت سارا کام کیا ہے۔ (تقاریر مجاہد ملت، ص 7)

4- اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ: قادیانیوں کے کفریہ عقائد کی بنا پر اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ نے مرزائی اور مرزائی نوازوں کے بارے میں فتویٰ دیا کہ "قادیانی مرتد منافق ہیں، مرتد منافق وہ کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر اللہ عزوجل یا رسول اللہ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) یا کسی نبی کی توہین کرنا یا ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہے۔ اس کا ذبیح محض نجس، مردار حرام قطعی ہے، مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب قادیانی کو مظلوم سمجھنے والا

اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم اور ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے اور جو کافر کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر"۔(اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی، احکام شریعت، ص 177،112،122)

5- خواجہ قمرالدین سیالویؒ: تحریک ختم نبوت 1953 میں برکت علی اسلامیہ ہال میں بلائے گئے۔ تمام مکاتب فکر کے کنونشن میں پیکر جرات وغیرت قمرملت خواجہ قمرالدین سیالویؒ نے انتہائی جذباتی انداز میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا" قادیانیوں کا مسئلہ باتوں سے حل نہیں ہوگا آپ مجھے حکم دیں میں قادیانیوں سے نمٹ لوں گا اور چند روز میں ربوہ کو صفحہ ہستی سے مٹادوں گا"۔(تعارف علماء اہل سنت، مولانا محمد صدیق ہزاروی)

6- علامہ محمد اقبالؒ: صاحبزادہ محمد اللہ شاہ استاد مظاہر العلوم سہارنپور بیان کرتے ہیں کہ سید آغا صدر چیف جسٹس ہائی کورٹ نے لاہور کے عمائد اور مشاہیر کو کھانے پر مدعو کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ بھی مدعو تھے۔ اتفاق سے اس محفل میں جھوٹے نبی کا جھوٹا خلیفہ حکیم نورالدین بھی بلا دعوت آ ٹپکا۔ جب عاشق رسول علامہ اقبالؒ کی نظر اس کذاب کے منحوس چہرے پر پڑی تو غیرت ایمانی سے علامہ اقبال کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور ماتھے پر شکن چڑھ گئے، فوراً اٹھے اور میزبان کو خطاب کر کے کہا" آغا صاحب! آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ باغی ختم نبوت اور دشمن رسالت مآب (خاتم النبیین ﷺ) کو مدعو کیا ہے اور مجھے بھی"۔ اور کہا" میں جاتا ہوں ایسی محفل میں ایک لمحہ بھی نہیں بیٹھ سکتا"۔ حکیم نورالدین چور کی طرح فوراً حالات کو بھانپ گیا اور نو دو گیارہ ہوگیا۔ اس کے بعد میزبان نے علامہ اقبالؒ سے معذرت کی اور کہا کہ "میں نے اسے کب بلایا تھا یہ تو خود ہی گھس آیا تھا"۔

7- مولانا عبدالستار خان نیازی: مجاہد ملت مرد غازی مولانا عبدالستار خان نیازی کو 1953 کی تحریک ختم نبوت میں پروانہ شمع ختم نبوت ہونے کے جرم میں سزائے موت کا حکم ہوا۔ جیل میں اور پھر موت کی سزا سن کر مولانا نے جس جرات اور استقامت کا مظاہرہ کیا وہ عشق رسالت کا ایک روشن باب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں" جب تحریک ختم نبوت کے مقدمہ کے بعد میری رہائی ہوئی تو پریس والوں نے میری عمر پوچھی"- اس پر میں نے کہا" میری عمر وہ سات دن اور آٹھ راتیں ہیں جو میں نے ناموس مصطفی (خاتم النبیین ﷺ) کے تحفظ کی خاطر پھانسی کی کوٹھری میں گزاردی ہیں کیونکہ یہی میری زندگی ہے اور باقی شرمندگی۔۔ مجھے اپنی اس زندگی پر ناز ہے"۔

8- شورش کاشمیری: جب 1974 کی تحریک ختم نبوت چلی۔ اس وقت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ملک کے وزیر اعظم تھے۔ دوران تحریک آغا شورش کاشمیری اپنے پیارے دوست مولانا تاج محمود کے ساتھ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملے۔ اس ملاقات کی روداد ہفت روزہ چٹان 29 اکتوبر 1979 میں موجود ہے۔ جو مسٹر بھٹو کی بیان کردہ ہے۔ اس روداد کی تلخیص یوں ہے:

بھٹو صاحب کہتے ہیں:" شورش اپنے دوست مولانا تاج محمود کے ساتھ میرے پاس آئے۔ شورش نے چار گھنٹے تک مسلسل مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیوں کے پاکستان کے بارے میں عقائد وعزائم پر گفتگو کی۔ دوران گفتگو شورش نے عجیب حرکت کی۔ شورش نے باتوں کے دوران انتہائی جذباتی ہو کر میرے پاؤں پکڑ لیے۔ شورش جیسے بہادر اور شجاع آدمی کو ایسی حالت میں دیکھ کر میں لرز اٹھا۔ شورش کی عظمت کو دیکھ کر میں نے اسے اٹھا کر گلے سے لگالیا۔ مگر وہ ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا" بھٹو صاحب ہم جیسی ذلیل قوم کسی ملک نے آج تک پیدا نہیں کی ہوگی کہ ہم اپنے نبی (خاتم النبیین ﷺ) کے تاج وتخت ختم نبوت کی حفاظت نہ کر سکے"۔ پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر کہا بھٹو صاحب میں آپ سے اپنے اور آپ کے نبی (خاتم النبیین ﷺ) کے ختم المرسلین کی بھیک مانگتا ہوں۔ آپ میری زندگی کی تمام خدمات اور نیکیاں لے لیں، میں خدا کے حضور خالی ہاتھ چلا جاؤں گا۔ خدا کے لئے محبوب خدا (خاتم النبیین ﷺ) کی ختم نبوت کی حفاظت کر دیجئے، اسے میری جھولی نہ سمجھئے بلکہ فاطمہ بنت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کی جھولی سمجھ لیجئے"۔

اب اس سے زیادہ مجھ میں سننے کی تاب نہ تھی۔ میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آ گئی۔ میں نے شورش سے وعدہ کرلیا کہ میں قادیانی مسئلہ ضرور بالضرور حل کروں گا۔

9- ذوالفقار علی بھٹو: 1974 کی تحریک ختم نبوت اسلام اور مرزائیت کی ایک زبردست ٹکر تھی۔ یہ ٹکراؤ سڑکوں پر بھی ہوا اور میدانوں میں بھی۔ لیکن اس معرکہ حق وباطل کا فیصلہ کن راؤنڈ قومی اسمبلی میں لڑا گیا۔ یہ ذوالفقار علی بھٹو کا سب سے بڑا کارنامہ ہے-

10- مفتی محمود: تحریک ختم نبوت، 1974 قومی اسمبلی میں مرزائیت کی طرف سے قادیانی پیشوا مرزا ناصر وکیل بن کر آیا اور اہل اسلام کی طرف سے جو شخص سپہ سالار بن کر آیا وہ صاحب مقام محمود (خاتم النبیین ﷺ) کی عزت وناموس ختم نبوت کا محافظ مفتی محمود تھے، جن کے ایمانی اور حقانی دلائل کے سامنے مرزا ناصر خس و

خاشاک کی طرح بہہ گیا اور پاکستان کی منتخب قومی اسمبلی نے 7 ستمبر 1974 کو قادیانیوں کو متفقہ طور پر کافر قرار دے دیا۔(ایمان پرور یادیں، ص45)

مخالفین ختم نبوت کے عبرتناک انجام:-

مسئلہ ختم نبوت کی تحریک پوری ایک صدی تک چلتی رہی۔علماء کرام، مجتہد حضرات اور عوام الناس اس میں بھرپور طریقے سے حصہ لیتے رہے اور اپنی جانیں نچھاور کرتے رہے۔

آغا شورش کاشمیری نے مضمون بعنوان "تحریک ختم نبوت 1953" کے مخالفین کے عبرتناک انجام میں چند واقعات درج کیے ہیں:

1953 میں ملت اسلامیہ پاکستان نے ایک طوفانی اور تاریخی تحریک چلائی، لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ جنرل اعظم خان کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا۔اس پتھر دل مرزائی نواز جرنیل نے نہ صرف شہر لاہور میں دس ہزار عاشقان مصطفی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کیا اور ہزاروں علماء اور عوام کو جیلوں میں ٹھونس دیا۔ شہداء کی لاشوں کو سڑکوں پر گھسیٹا جاتا اور انہیں کارپوریشن کی کوڑا کرکٹ اٹھانے والی گاڑیوں میں بھر کر دور دراز علاقوں میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا جاتا۔ دریائے راوی کی لہروں کے سپرد کر دیا جاتا۔ یہ تحریک قہراً کچل دی گئی۔ جنرل اعظم انتہائی عبرتناک موت مرا۔

ملک غلام محمد: ملک کے اس وقت کے گورنر جنرل ملک غلام محمد تھے۔انہوں نے تحریک کے بعد اپنے رشتہ دار جسٹس منیر کو انکوائری کمیشن کا چیئرمین بنا کر وہاں علماء اور اہل حق کی تذلیل کا سامان کیا۔اس غلام محمد کو فالج ہوا۔مفلوج حالت میں نہایت ذلت کی زندگی کا آخری حصہ گزرا۔اس کی آخری زندگی ایک جانور سے بھی بدتر ہوگئی۔مرنے کے بعد لوگوں نے اسے چوڑھوں کے قبرستان میں دفن کر دیا۔

سکندر مرزا : دوسرے نمبر پر تحریک کا دشمن سکندر مرزا تھا جو پاکستان کا پہلا صدر تھا۔سکندر مرزا پر بھی خدا کی گرفت آئی۔اس کا جوان بیٹا ائیر فورس کا آفیسر تھا، جہاز تباہ ہونے سے بھسم ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد ایوب خان کمانڈر انچیف نے سکندر مرزا سے اقتدار چھین لیا اور اسے مال بردار جہاز میں سوار کرا کے انتہائی ذلت کے ساتھ کوئٹہ اور وہاں سے لندن بھیج کر جلاوطن کر دیا سکندر مرزا نے لندن میں ایک معمولی ہوٹل کے ملازم کے طور پر بقیہ زندگی برتن دھو کر گزاری اسی بے کسی میں لندن میں مرگیا۔اس کی بیوی نے امانتاً لندن میں دفن کیا۔ پھر شہنشاہ ایران سے رابطہ کر کے اسے ایران لا کر دفن کیا کیونکہ سکندر مرزا کی بیوی ناہید ایرانی تھی۔تھوڑے دنوں بعد شہنشاہ ایران کو اپنا تخت چھوڑنا پڑا وہاں پر خمینی کی حکومت آگئی اس کے رضا کاروں نے سکندر مرزا کی قبر اکھاڑ کر میت کا تابوت باہر پھینک دیا جسے کتے اور جنگلی جانور کھا گئے ہڈیاں وغیرہ سمندر میں ڈال دیں گی۔

مسٹر دولتانہ: پنجاب کا وزیراعلی۔۔اس نے بھی تحریک کو کچلنے اور بدنام کرنے میں بہت زیادہ حصہ لیا آخر ذلت اور رسوائی کی گٹھڑی سر پر اٹھائے انتہائی عبرتناک موت مرگیا۔

ڈپٹی کمشنر غلام سرور: یہ سیالکوٹ میں تعینات تھا اس نے تحریک کے رضا کاروں پر بے تحاشہ ظلم وستم کیا قدرت کا انتقام دیکھئے کہ یہ پاگل ہوگیا۔ڈپٹی کمشنر ہاؤس سے لا کر پاگل خانہ میں بند کر دیا گیا۔

میجر راجہ نادر خان: قدرت کا انتقام دیکھئے کار کے ایک حادثہ میں ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پاکستان سے لندن تک ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔اس کا قابل رحم حالت میں انتقال ہوا۔

سربراہان قادیان کی عبرتناک موت کے واقعات:-

چند قادیانیوں کی موت کے عبرتناک واقعات اس نیت سے درج کیے جاتے ہیں تاکہ شاید قادیانیوں میں خوفِ خدا پیدا ہوجائے اور ان کے دلوں پر لگے ہوئے کفر کے قفل ٹوٹ جائیں۔یہ واقعات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ننکانہ صاحب نے اپنے کتابچے قادیانیوں کے عبرتناک انجام میں درج کیے ہیں۔یہ واقعات من وعن ملاحظہ ہوں:-

1- **مرزا غلام احمد قادیانی کا انجام:** مرزا قادیانی کو انتہائی خوفناک ہیضہ ہوا۔اس کے منہ اور مقعد دونوں راستوں سے غلاظت بہنے لگی۔اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ رفع حاجت کے لیے لیٹرین تک جاسکے، اس لیے چارپائی کے پاس ہی غلاظت کے ڈھیر لگ گئے۔ مسلسل پاخانوں اور الٹیوں نے اس قدر نچوڑ کر رکھ دیا کہ وہ اپنی ہی

غلاظت پر منہ کے بل گرا اور زندگی کی بازی ہار گیا۔ کائنات میں شاید ہی کسی کو ایسی ہولناک اور عبرتناک موت آئی ہو۔ اس کی تدفین تک اس کے منہ سے غلاظت بہتی رہی۔ جسے بڑی کوشش کے باوجود بند نہ کیا جاسکا۔ جس تابوت میں مرزے کا جنازہ لاہور سے قادیان گیا، اس تابوت اور تابوت میں پڑے بھوسے (توڑی) کو حکومت نے آگ لگوا کر خاکستر قرار دیا تاکہ اس تابوت سے علاقہ میں کوئی بیماری نہ پھیل جائے۔

مرزا 26 مئی 1908 کو بروز منگل بوقت 10:30 بجے رات جہنم واصل ہوا۔ اس کی موت انتہائی عبرتناک تھی۔ وہ قادیان میں مدفون ہوا۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کا کشف: حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ نے ایک دفعہ مراقبہ کیا اور مرزا قادیانی کو قبر میں ایک باؤلے کتے کی شکل میں دیکھا کہ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی ہے اور وہ انتہائی خوفناک آوازیں نکال رہا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی بڑی پھرتی سے گھوم گھوم کر دم پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ غصے میں آ کر وہ کبھی اپنی ٹانگوں کو کاٹتا ہے اور کبھی اپنا سر زمین پر پٹختا ہے۔ (اللہ تعالی اس لعین کے عذاب میں مزید اضافہ فرمائے۔ آمین!)

2- **قادیانیوں کے پہلے خلیفہ حکیم نور الدین کا انجام:** مرزا غلام قادیانی کے آنجہانی ہونے کے بعد اس کا پہلا خلیفہ حکیم نور الدین تھا جو خود مرزا جی کی ہی روایت کے مطابق ایک ایسا غلیظ المزاج اور بدبودار شخص تھا کہ جو مدتوں تک نہ نہاتا تھا اور نہ ہی اپنے بال اور ناخن تراشتا تھا۔ مگر اس کے گھوڑے پر بیٹھنے کا انداز انتہائی تکبرانہ اور شاہانہ ضرور تھا۔ یاد رہے کہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ علیہ ہر اس محفل میں شرکت کرنے سے صاف انکار کر دیتے تھے، جہاں یہ بدبخت شخص مدعو ہوتا تھا۔ ایک دن یہ بدبخت گھوڑے پر سوار ہو کے نکلا تو گھوڑے کے بدکنے پر نیچے گرتے ہوئے اپنا ایک پاؤں گھوڑے کی رکاب میں پھنسا بیٹھا۔ پاؤں رکاب میں پھنسا رہا اور گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا خلیفہ جی کو گھسیٹتا اور اس کی ہڈیاں چٹختا رہا۔ اس حادثے میں نامراد خلیفہ زندہ تو بچ گیا مگر قدرت کو اس منکر ختم نبوت کی عبرتناک موت زمانے کو دکھانا منظور تھا۔ زخم ناسور کی شکل اختیار کر کے پہلے اذیت ناک اور مابعد جان لیوا ثابت ہوئے۔ سارے قادیانی حکیم اور قادیانیوں کے سرپرست انگریز ڈاکٹرز تک اس بدبخت حکیم کا علاج کرنے میں ناکام رہے۔ اور یوں مرزا قادیانی کا جانشین، یہ خلیفہ اول بسترِ مرگ پر انتہائی دردناک انداز میں ایڑیاں رگڑتے رگڑتے دنیا میں ہی جہنم کا مزہ اور عذاب الہی جھیلتے ہوئے اپنے جھوٹے نبی مرزا غلام احمق کی قربت میں مقام ہاویہ کو سدھار گیا۔

3- **قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین کا عبرتناک انجام:** حکیم نور الدین کے دردناک انجام کے بعد مرزا کا بیٹا مرزا بشیر الدین محمود جانشین ہوا۔ موت سے کافی عرصہ قبل قادیانیوں کا دوسرا خلیفہ مرزا بشیر الدین درجنوں بیماریوں کا شکار ہو چکا تھا۔ زناکاری اور شراب نوشی نے اس کے دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ فالج نے رہی سہی کسر نکال دی تھی۔ اللہ کے عذاب نے اسے کس طرح اپنے جبڑوں میں پھنسایا ہوا تھا۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

مرزا بشیر الدین اپنی غلاظت کھاتا تھا: جب مرزا بشیر الدین کی حالت زیادہ بگڑ گئی تو اسے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرے میں پاخانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے پاخانے کا کچھ حصہ کھاتا اور کچھ حصہ منہ پر مل لیتا۔ کمرے میں چیختا چلاتا اور ڈراونی آوازیں نکالتا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کر دیا کہ مجھے میرے ماں باپ کے پاس قادیان لے چلو۔

مرزا بشیر الدین کا عبرتناک انجام: انہی لاعلاج اور مہلک بیماریوں کے ہاتھوں سے سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بشیر الدین جہنم واصل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ آخری وقت وہ کتے کی طرح بھونکنے لگ گیا تھا۔ وہ شام کے سات بجے مردار ہوا لیکن اس کی موت کا اعلان رات دو بجے کیا گیا۔ موت کا اعلان سات گھنٹے بعد کیوں کیا گیا؟؟؟ سات گھنٹے تک یہ خبر قصر خلافت سے باہر کیوں نہ آئی؟ وجہ یہ تھی کہ بشیر الدین کئی مہینوں سے نہایا نہیں تھا۔ ناخن، داڑھی اور سر کے بال کٹوائے نہیں تھے۔ اس کے جسم پر غلاظت کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ قادیانی جب اسے ان امور کے بارے میں کہتے ہیں تو وہ ننگی گالیاں دیتا تھا۔ مرنے کے بعد بشیر الدین کے جسم کو رگڑ رگڑ کر دھویا گیا۔ ناخن کاٹے گئے، سر اور داڑھی کے بالوں کو کاٹ کر آراستہ کیا گیا۔ جسم کی بدبو ختم کرنے کے لئے بہترین خوشبو چھڑکی گئیں۔ چہرہ پر پاؤڈر لگایا گیا۔ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سرخی ملی گئی۔ اس کے علاوہ منہ پر چمک پیدا کرنے والے کیمیکل لگائے گئے اور اس کی چارپائی باہر دلان میں رکھ دی گئی۔

4- **قادیانیوں کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد کا عبرتناک انجام:** قادیانی جماعت کے خلیفہ دوم کی تدفین کے بعد اس کے عزیز و اقارب اور پوری جماعت احمدیہ نے سکھ کا سانس لیا۔ پھر موروثی وراثت اور چندوں کے نام پر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھنے کے خاطر اسی کا بڑا بیٹا مرزا ناصر احمد گدی نشین ہوا۔ یہ گھوڑوں کی ریس کا بڑا شوقین تھا۔ اس شہنشاہی شوق نے چناب نگر سابقہ ربوہ میں گھڑ دوڑ کے دوران ایک غریب شخص کی جان بھی لے لی۔ خلیفہ مرزا ناصر احمد نے ۷۸ سال کی عمر میں فاطمہ جناح میڈیکل کی ایک ۲۷ سالہ طالبہ کو یہ کہتے ہوئے اپنے عقد میں لے لیا کہ ''آج دولہا اپنا نکاح خود ہی پڑھائے گا'' اس ۷۸ سالہ بوڑھے دولہا نے اپنے از کار

رفتہ اعضاء میں جوانی بھرنے کے لیے کشتوں کا استعمال شروع کر دیا اور کشتوں کے راس نہ آنے پر خود ہی کشتہ ہو گیا۔ اس کا جسم پھول کر کپا ہو گیا اور آناً فاناً خدائے قہار کے قہر کی گرفت میں آ کر کشتوں ہی کی آگ میں جھلس کر ملک عدم کو سدھار گیا۔

5- قادیانیوں کے چوتھے خلیفہ مرزا طاہر احمد کا عبرتناک انجام: جب مرزا ناصر احمد کی موت کے بعد مرزا طاہر احمد گدی نشین ہوا تو ان کے بڑے سوتیلے بھائی مرزا رفیع احمد خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہوئے میدان میں آ گئے۔ مرزا طاہر احمد چاہتے تھے کہ عورتیں صرف احمدی لڑکے ہی پیدا کریں جن میں ذات پات یا نسل کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ قادیانیوں کو ''نرنسل'' پیدا کرنے کی گولیاں دیتے رہے۔ شاید قدرت ان کے ان ہتھکنڈوں پر ہنس رہی تھی دوسروں کو لڑکے دینے والا یہ ڈاکٹر اپنی بیوی کو لڑکا نہ دے سکا اور ان کے اپنے ہاں تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جن سے دنیا حقیقت جان گئی۔ اس کے ذہنی توازن کا یہ حال تھا کہ امامت کے دوران عجیب وغریب حرکتیں کرنے لگتا۔ کبھی باوضو نماز پڑھاتا تو کبھی بے وضو ہی پڑھا دیتا۔ رکوع کی جگہ سجدہ اور سجدہ کی جگہ رکوع۔ کبھی دوران نماز ہی یہ کہتے ہوئے گھر کو چل دیتا کہ ٹھہرو! ابھی وضو کر کے آتا ہوں۔ غرضیکہ اپنے پیشروؤں کی طرح گرتے پڑتے اٹھتے بیٹھتے لیٹتے روتے مرزا طاہر احمد کی بھی بڑی مشکل سے جان نکلی پھر پرستاروں کے دیدار کے لیے جب لاش رکھی گئی تو چہرہ سیاہ ہونے کے ساتھ ساتھ لاش سے اچانک تعفن اٹھا اور ان پرستاروں کو فوراً کمرے سے باہر نکال دیا گیا اور لاش بند کر کے تدفین کے لیے روانہ کر دی گئی۔ لوگوں نے یہ مناظر براہِ راست قادیانی ٹی وی پر دیکھے۔

6- عبدالکریم قادیانی کا انجام: وہ حکیم نورالدین مرتد کی ارتدادی تبلیغ سے مرتد ہوا۔ بڑا جوشیلا مقرر تھا۔ ایک دن عبدالکریم کے جسم پر ایک پھوڑا نمودار ہوا۔ بڑا علاج معالجہ کرایا گیا لیکن پھوڑا بڑھتا ہی گیا اور آخر اس کا پورا وجود پھوڑا بن گیا۔ ڈاکٹروں نے اس کا سارا بدن چیر دیا۔ مرتد عبدالکریم اور مرزا غلام احمد قادیانی ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ اوپر کی منزل پر مرتد عبدالکریم رہتا تھا اور نیچے کی منزل پر مرزا غلام احمد قادیانی۔ درد کی شدت سے مرتد عبدالکریم ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخیں مارتا تھا۔ جس سے سارا مکان ہل ہل جاتا تھا۔ اس کا کٹا پھٹا اور چیرا پھاڑا ہوا وجود تڑپ تڑپ کر چارپائی سے نیچے گرتا جسے پھر چارپائی پر رکھ دیا جاتا۔

7- سر ظفر اللہ کا ہولناک انجام (منہ سے غلاظت نکلنا): فتنہ قادیانیت کا پوپ ظفر اللہ بستر مرگ پر بے ہوش پڑا ہے۔ کبھی کبھی معمولی سی آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد کھڑے لوگوں کو ہلکی نظر سے دیکھ لیتا ہے۔ کھانے پینے سے عاجز ہے۔ غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے گلوکوز کی بوتل چڑھا رکھی ہیں لیکن گلوکوز کا پانی پیلے رنگ کا محلول بن کر منہ کے راستے باہر نکل جاتا ہے اور اس پیلے رنگ کے محلول سے پاخانے جیسی بدبو آ رہی ہے۔ ڈاکٹر ٹشو پیپر سے بار بار اس غلاظت کو صاف کر رہے ہیں لیکن غلاظت رکنے کا نام نہیں لیتی۔ سر ظفر اللہ بستر پر پیشاب کر رہا ہے کمرے میں شدت کی بدبو ہے کہ ٹھہرنا مشکل ہے- بدبو اور دیگر حفاظتی تدابیر کو مدنظر رکھتے ہوئے قادیانی ڈاکٹر نے اپنے منہ پر ماسک چڑھا رکھے ہیں- عام ملاقات پر سخت پابندی ہے کیونکہ سر ظفر اللہ کا یہ ہولناک انجام دیکھ کر کوئی بھی قادیانی قادیانیت سے تائب ہو سکتا ہے- اسی حالت میں ظفر اللہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا ہے لیکن مرنے کے بعد بھی اس کے منہ سے غلاظت جاری رہتی ہے- جس سے بچنے کے لیے قادیانی ڈاکٹر اس کا منہ کھول کر گلے میں روئی ٹھونس دیتے ہیں لیکن خدائی عذاب بھلا کیسے رک سکتا ہے؟؟؟

8- عبدالرحیم شاہ کا انجام: مانسہرہ سے اگر بالاکوٹ کی طرف جائیں تو عطر شیشہ کے قریب ایک گاؤں پھگلہ نامی ہے جس میں اکثر آبادی سادات کی ہے۔ اس قصبہ میں سب سے پہلے عبدالرحیم شاہ نامی ایک شخص نے مرزائیت قبول کی اور مرزائیت کا مبلغ بن کر مرزائیت کی تشہیر شروع کر دی۔ قادیانی عبدالرحیم شاہ کو 1947 میں اللہ تعالیٰ نے ایسی مہلک بیماری میں مبتلا کیا کہ اس کے جسم میں کیڑے پڑ گئے اور عام لوگ اس کے کمرے میں نہ جا سکتے تھے۔ کمرے میں داخل ہونے سے ہی سخت بدبو آتی تھی۔ بالآخر کافی مدت ایسی کیفیت میں رہنے کے بعد عبدالرحیم شاہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

9- امیر مند کا انجام: کوٹ قیصرانی تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں ایک امیر مند نامی قادیانی مر گیا۔ اس مردے کو قادیانیوں نے مسلمانوں کی مسجد کے صحن میں دفن کر دیا۔ مقامی مسلمان اس حادثہ سے چیخ اٹھے۔ ان غریبوں کی احتجاجی آواز کو قادیانیوں نے دبانے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی پکار پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ان کی مدد کے لئے بجلی کی سرعت سے پہنچی۔ خانقاہ تونسہ کے چشم وچراغ خواجہ مناف صاحب عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار سے مسلح ہو کر خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے۔ جلوس نکالے گئے، کانفرنسیں ہوئیں اور حکام سے مطالبہ کیا گیا "قادیانی مردے کو مسجد سے نکالا جائے"۔ حکومت نے ٹال مٹول کر کے ہتھیاروں سے کام لیا۔ لیکن عوام کے طوفانی احتجاج کے سامنے حکومت بے بس ہو گئی اور اسے مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ چوہڑوں کے ذریعے مردے کی قبر کشائی کی گئی۔ جونہی قبر کھلی، بدبو کے

طوفان اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس شدت کی بدبو کہ لوگوں کے سر چکرا گئے اور آنکھوں سے پانی نکل گیا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ غلیظ اور کٹی پھٹی لاش باہر نکلی تو مارے خوف کے چوہڑے بھی کانپ گئے۔ لاش قادیانیوں کے حوالے کر دی گئی، جنہوں نے چوہڑوں کے ذریعے ہی اسے اپنے گھر کے صحن میں دفن کر دیا لیکن چند دنوں میں گھر میں ایسا تعفن پھیلا کہ گھر میں رہنا مشکل ہو گیا۔ آخر قادیانیوں نے تنگ آ کر اسے وہاں سے نکال کر اپنے کھیتوں میں دفن کر دیا۔ چشم دید گواہ کہتے ہیں کہ جب دوسری مرتبہ قادیانی کی لاش کو نکالا گیا تو اس کی بدبو کئی میلوں تک گئی اور لوگ کئی دنوں تک اس کی بدبو کو محسوس کرتے رہے۔ اس عبرتناک واقعہ کو دیکھ کر بہت سے قادیانی مسلمان ہو گئے جن میں سے کچھ مردے کے خاندان سے بھی تھے۔

10- امام الدین کا انجام: آدھی کوٹ ضلع خوشاب کے نزدیک امام الدین نامی ایک قادیانی رہتا تھا۔ جب 1974 کی طوفانی تحریک ختم نبوت اٹھی تو مسلمانوں کے غیظ وغضب کو دیکھتے ہوئے امام الدین قادیانی نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لیا لیکن وہ منافق اندر ہی اندر قادیانیوں سے رابطے رکھتا تھا اور انھیں مسلمانوں کی ساری خبروں سے آگاہ کرتا تھا۔ ایک دن امام الدین قادیانی بیمار ہوا اور چل بسا۔ مسلمانوں نے اسے غسل دیا، کفن پہنایا، نماز جنازہ پڑھائی اور لحد تک ساتھ گئے۔ جب قبر میں اترے اور انہوں نے اس کا چہرہ مخالف سمت سے قبلہ رخ کیا ایک زوردار جھٹکا لگا اور مردے کا منہ دوسری طرف ہو گیا۔ مولوی صاحب نے سمجھا شاید میرا پاؤں لگ گیا ہے انہوں نے دوبارہ اس کا منہ قبلہ رخ کیا، لیکن پھر ایک جھٹکا لگا اور منہ دوسری طرف ہو گیا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں جب تیسری دفعہ بھی اس کا چہرہ قبلہ کی طرف سے ہٹ گیا تو میرے دل میں یہ القاء ہو گیا کہ یہ شخص قادیانی ہے اور اس نے صرف مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہوئے اسلام قبول کرنے کا ڈرامہ رچایا تھا۔ سارے حاضرین اس واقعہ کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور جلدی جلدی قبر پر مٹی ڈال کر اپنے گھروں کی طرف بھاگ گئے۔

11- حاجی ولد مونداکا انجام: روڈہ ضلع خوشاب میں ایک انتہائی گستاخ قادیانی حاجی ولد موندا رہتا تھا۔ وہ انتہائی فحش گالیاں بکتا تھا اور گلی کوچوں میں اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتا تھا۔ اس کی ناپاک زندگی کی صبحیں اور شامیں اسی غلاظت سے اٹی پڑی تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب قادیانیوں کو ابھی آئینی طور پر کافر قرار نہیں دیا گیا تھا اور قادیانی حج پر جا سکتے تھے۔ یہ رذیل بھی مسلمانوں کے ساتھ مکہ مکرمہ چلا گیا۔ وہ وہاں بھی اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑاتا تھا، جگہ جگہ پر کھیسانی ہنسی ہنستا، قہقہے لگاتا اور بکواس کرتا تھا کہ میں تو یہاں صرف سیر کرنے آیا ہوں کیونکہ اب حج تو صرف ربوہ میں ہوتا ہے۔ یہ گستاخ رسول جب مرا تو اسے قادیانیوں کے الگ قبرستان میں دفن کیا گیا۔ سورج غروب کے بعد جلد ہی رات کا اندھیرا پہلے کی نسبت قدرے گہرا ہونا شروع ہو گیا۔ رات کو اردگرد کی آبادیوں نے یہ خوفناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور وہ چشم دید گواہ آج بھی اس واقعہ کے شاہد ہیں کہ آگ کا ایک بہت بڑا سرخ گولا عین اس کی قبر کے اوپر آ کر گرا اور غائب ہو گیا۔ پھر پے در پے گولے برسنے لگے تو رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اپنی آنکھوں سے اس قادیانی کو دیکھا مگر قادیانیوں کو کوئی عبرت نہ ہوئی شاید ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے تھے۔

12- سیالکوٹ کے ایک قادیانی کا انجام: محمد رمضان صاحب گجرات کے رہنے والے ہیں اور آجکل سیالکوٹ میں رہائش پذیر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سیالکوٹ میں ایک بڑا گستاخ قادیانی رہتا تھا۔ قدرت نے اسے دولت بھی خوب دے رکھی تھی، جس نے اسے انتہائی متکبر بنا رکھا تھا۔ میں اکثر قبروں کی کھدائی کا کام کرتا تھا۔ ایک دن کچھ قادیانی میرے پاس آئے اور مجھے قبر کھودنے کو کہا اور بتایا کہ فلاں قادیانی مر گیا ہے۔ میں نے اس قادیانی کی قبر کھودی لیکن جب اس گستاخ رسول کو دفنانے لگے تو مجھ سمیت جنازے میں شامل تمام مرزائیوں نے یہ منظر دیکھا کہ اس کی قبر آہستہ آہستہ سانپوں سے بھرنے لگ گئی اور تھوڑی دیر میں سانپ ہی سانپ ہو گئے۔ قادیانیوں نے مجھے دوسری جگہ قبر کھودنے کے لئے کہا میں نے جب دوسری جگہ قبر کھودی تو قبر سے ڈراؤنی آوازیں آنے لگیں اور آگ کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔ سب لوگ ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ آخر اس مردے کو اسی قبر میں دفن کر دیا گیا۔

13- ڈیرہ غازی خان کے ایک قادیانی کا انجام: ڈیرہ غازی خان کے قصبے اللہ آباد میں ایک بدزبان قادیانی ماسٹر کی موت واقع ہوئی۔ وہ قادیانیت کا مبلغ تھا۔ تدفین کے بعد اس کی قبر میں زبردست آگ لگ گئی اور یہ کیفیت مقامی لوگ تین دن تک دیکھتے رہے۔ قبر میں ایک بڑا گڑھا بن گیا۔ قادیانیوں نے اپنی بے عزتی ہوتے دیکھ کر قبر کے گڑھے کو پتھروں سے بھروا دیا اور اس کے اوپر قبر کا چبوترا قائم کر دیا۔

مجھے کلمہ پڑھائیے:

جرمنی میں پاکستان سے گئی ہوئی ایک تبلیغی جماعت اپنے تبلیغ میں مصروف تھی۔شام ہونے کو تھی جماعت نے مغرب کی نماز راستے میں آنے والی ایک مسجد میں پڑھی اور رات وہیں بسر کرنے کا ارادہ کیا۔عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد امام مسجد سے جماعت کی گفتگو ہوئی اور امام مسجد سے وقت کا مطالبہ کیا۔امام مسجد نے جماعت کے ساتھ تین دن چلنے کا وعدہ کیا۔صبح ہوئی تو پتا چلا کہ مذکورہ مسجد تو قادیانی عبادت گاہ ہے اوران کی عبادت گاہ کا امام اس علاقے کی قادیانی جماعت کا سربراہ ہے۔جب اس کو پتا چلا تو اس نے جماعت کے امیر سے کہا کہ "اگرچہ میں قادیانی ہوں لیکن میں دین کی باتیں سیکھنے کے لیے آپ کے ساتھ چلوں گا"۔ چنانچہ وہ جماعت کے ساتھ تین دن کے لیے اسی وقت روانہ ہوگیا۔اسے گھر سے نکلے یہ پہلی رات تھی کہ اسے ایک خواب آیا۔خواب میں اس نے دیکھا کہ سرکاردوعالم (خاتم النبیین ﷺ) تشریف فرما ہیں اور ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ بھی بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ فاصلے پر ایک خنزیر زنجیر سے بندھا ہوا ہے۔ حضور (خاتم النبیین ﷺ) اس قادیانی سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں "تم اس خنزیر کے پاس تو جاتے ہو، ہمارے پاس کیوں نہیں آتے"؟ خواب نے اسے ہلا کر رکھ دیا لیکن اس نے کسی سے ذکر نہ کیا۔اگلی رات سویا تو پھر یہی خواب دیکھا لیکن اس نے خواب کی بابت کسی سے کوئی بات نہ کی۔تیسری رات اس نے پھر خواب دیکھا کہ حضور (خاتم النبیین ﷺ) اسے غصے اور ناراضگی سے فرمارہے ہیں "تم خنزیر کے پاس تو جاتے ہو لیکن ہمارے پاس کیوں نہیں آتے"۔رات بھر وہ چین سے سو نہ سکا صبح ہوئی تو وہ سر جھکائے جماعت کے امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ماتھے پر ندامت کا پسینہ تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔وہ امیر صاحب سے کہنے لگا "میاں صاحب مجھے کلمہ پڑھائیے اور مسلمان کیجئے"۔

قادیانیوں سے تعلقات کے بارے میں تمام مکاتب فکر کا متفقہ فتوی:-

حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) اللہ تعالی کے آخری نبی اور رسول ہیں۔آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے بعد کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مبارک عقیدے کو "عقیدہ ختم نبوت" کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ قرآن پاک کی سو آیات اور نبی پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی 210 احادیث مبارکہ اس مبارک عقیدے پر دلالت کرتی ہیں۔اللہ تعالی کی وحدانیت اور تمام نبیوں کی نبوت ورسالت کی صداقت عقیدہ ختم نبوت سے وابستہ ہے۔اس عقیدہ کا تعلق براہ راست آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی ذات اقدس کے ساتھ ہے- اسی لئے اس کے محافظین سے شفاعت محمدی (خاتم النبیین ﷺ) کا وعدہ ہے۔لیکن آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے بعد کئی بدبختوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے۔انہیں بدبختوں میں ایک مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔اس نے انگریز کے کہنے پر 1901 میں جھوٹی نبوت کا دعوی کرکے فتنہ قادیانیت کی بنیاد رکھی۔

قادیان کے گندے خمیر سے جنم لینے والے اس بدبخت نے اسلام، پیغمبر اسلام (خاتم النبیین ﷺ)، اہل اسلام اور شعائر اسلام کے بارے میں نہایت غلیظ زبان استعمال کی اور دعویٰ کیا کہ محمد رسول (خاتم النبیین ﷺ) دنیا میں دو مرتبہ آئے ہیں پہلی مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ میری شکل میں قادیان میں۔(استغفر اللہ)

انہی کفریہ عقائد کی بناء پر تمام مکاتب فکر کے حضرات مفتیان کرام نے فتوی دیا کہ "قادیانی زندیق اور ملحد ہیں"-زندیق اس کافر کو کہتے ہیں جو ظاہرا اسلام کا کلمہ بھی پڑھتا ہو مگر اندرونی طور پر کفریہ عقائد رکھتا ہو اور قرآن وحدیث میں تحریف وتاویل کرکے اپنے کفریہ عقائد کو اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہو۔زندیق کا حکم کافر اور مرتد سے بھی سخت ہے اور اس کی کوئی انسانی حرمت نہیں ہے۔اس لیے مرزائیوں کے ساتھ معاشی ومعاشرتی تعلقات مثلاً خوشی وغمی، سلام وکلام، دوستیاں، رشتے داریاں، اٹھانا بیٹھنا سب حرام ہے-اسی طرح مرزائی کی عیادت کرنا، مرجائے جنازے پر جانا، ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا، اس کو ملازم رکھنا یا اس کے ہاں ملازمت کرنا، اس سے خرید وفروخت کرنا یا اس کی مصنوعات کو استعمال کرنا یہ سب حرام ہے، اور قادیانیوں کے ساتھ تعلقات رکھنے والے گمراہ، ظالم اور مستحق عذاب جہنم ہیں۔قادیانیوں کو مسلمان سمجھنے والا یا مسلمانوں سے اچھا کہنے والا بھی کافر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خودشناسی کا زمانہ۔آگاہی کے ایام (بڑھاپا)

جب تک انسان آنے والے زمانے کے لئے پلاننگ کرتا ہے۔ جوان رہتا ہے۔اور جب جانے والے زمانوں کی یاد شروع کرتا ہے۔تو آغاز پیری ہوتا ہے۔ جب زندگی کا تمام اثاثہ صرف ماضی کی یاد ہو حسرتوں کا شمار ہو ندامتوں کی بازگشت ہو۔ ہاتھ سے نکلے ہوئے مواقع کا افسوس ہو غلط فیصلوں کا احساس ہو تو سمجھ لیجیے کہ اب جوانی ختم ہوگئی ہے۔اور بڑھاپا شروع ہوگیا ہے۔

اس لئے کہ جوانی اور بڑھاپا عمر کے کسی حصے کا نام نہیں ہے۔ یہ صرف انداز فکر کا نام ہے۔ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص 40 سال میں بوڑھا ہو جائے اور کوئی ساٹھ سال میں بھی جوان ہو۔

بوڑھے آدمی کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا وہ یہ ہی دیکھتا رہتا ہے کہ اس کے ساتھی ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔وہ سوچتا ہے کہ اس کا اپنا وقت بھی کسی وقت آسکتا ہے۔ بوڑھے انسان کا تجربہ ہوتا ہے کہ نہ کوئی خوشی مستقل ہوتی ہے نہ غم۔ زندگی خود مستقل نہیں ہے۔ بڑھاپے میں انسان کے احساسات زندگی کے حادثات، صدمات اور واقعات سب منجمد ہو کر رہ جاتے ہیں۔وہ روتا ہے تو اس کے آنسوؤں میں گریا ہوتا ہے۔وہ ہنستا ہے تو اس کی ہنسی میں بے ساختہ پن ہوتا ہے۔عہد رفتہ کے مناظر اس کی زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ وہ ان کو دیکھتا ہے جن کو وہ نہیں دیکھ سکتا وہ اس زمانے کو یاد کرتا ہے۔جب وہ جوان تھا اس کی جوانی بھی کیا جوانی تھی۔ وہ سوچتا ہے۔ کہ اب وہ کیسا ہو گیا ہے؟ یہ کیوں اور کیسے ہوا؟

بوڑھا انسان آئینوں سے ڈرتا ہے۔ وہ نہ جانے کیوں آئینے کو منہ نہیں دکھاتا۔ آئینہ اسے حال دکھاتا ہے۔اور حال سے ماضی یاد آنے لگتا ہے۔ وہ اپنے مختلف روپ دیکھتا ہے بوڑھا آدمی سوچتا ہے۔کہ ایک انسان میں کتنے انسان ہوتے ہیں۔ایک چہرے میں کتنے چہرے بدلتے ہیں۔بچپن کا چہرہ اور جوانی کا اور ڈھلتی جوانی کا اور بڑھاپے کا اور ایک آنکھ میں کتنے منظر ہوتے ہیں اور ایک زندگی میں کتنی اموات ہیں۔ ہر دور مر جاتا ہے۔ نیا دور شروع ہوتا ہے جوانی ہاتھ سے یوں اڑ جاتی ہے۔ جیسے مہندی کا رنگ۔ بڑھاپا آتا ہے تو بس ٹھہرنے کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

بڑھاپے کے مسائل دراصل ایک ہی مسئلے کے مختلف حصے ہیں۔ بوڑھے آدمی کا سب سے بڑا مسئلہ صحت ہے۔صحت کا خیال ہے۔ بوڑھے آدمی کو پہلی بار محسوس ہوتا ہے کہ صحت ریت کی دیوار ہے اپنے ہی بوجھ سے گر جاتی ہے۔ بھاگنے دوڑنے والا جسم اب صرف آرام چاہتا ہے۔اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ جسم اس کا اپنا جسم نہیں ہے۔ یہ شکل اس کی اپنی شکل نہیں ہے۔وہ گھبرا کر آئینے کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔

بوڑھا آدمی اپنی موجودہ صورت کے ساتھ کسی مقام اور کسی محفل میں جانا پسند نہیں کرتا۔وہ سوچتا ہے کہ آخر لوگوں سے اتنا میل میلاپ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

جوانی عشرت تلاش کرتی ہے۔ پیرانہ سالی صرف گوشہ عافیت ڈھونڈتی ہے۔جوانی حرکت کا زمانہ ہے۔ بڑھاپا جمود کا۔جوانی گرمی رفتار گرمی افکار، گرمی رخسار کا زمانہ ہے۔ دلچسپیوں کے ایام ہیں۔ اپنے آپ میں دلچسپی، دوسروں میں دلچسپی، ہر شے میں دلچسپی جوانی وابستگی کا دور ہے، وارفتگی کا دور ہے۔

جوانی دریا کی جواں موجوں کی طرح تند ہے۔لیکن بڑھاپا سکوت اور سکون کا زمانہ ہے۔سکوت ساحل کی طرح۔ جوان انسان کچھ کرنے کا متمنی رہتا ہے۔لیکن بوڑھا آدمی اب کسی اور عمل کی خواہش نہیں کرتا۔وہ اپنے پرانے اعمال کے نتیجے کی وصول میں مصروف ہوتا ہے۔ یہ نتیجہ کچھ لوگوں میں اضطراب پیدا کرتا ہے۔اور کچھ لوگوں میں سکون۔جس بوڑھے کو اپنے ماضی پر ندامت ہو جو اپنے گزشتہ زندگی پر شرمسار ہو اس کا عمل استغفار ہے اس کی آنکھ اشکبار رہتی ہے۔

جس کو اپنے ماضی پر شکایت نہ ہو وہ جانتا ہو کہ اس نے وہی کہا اور وہی کیا تھا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ تو وہ بوڑھا پر سکون ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت شکر ادا کرتا ہے۔ وہ دوسروں کو بھی ایسے اعمال کی دعوت دیتا ہے۔جو انہیں آئندہ شرمندگی اور شرمساری سے بچائیں دراصل یہ زندگی اپنے اندر ہی اپنے اعمال کا محاسبہ کرتی رہتی ہے۔

انسان کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہو۔ یہ زندگی اس کی اپنی زندگی، اس کا اپنا ضمیر اس کا اپنا باطن اس کا اپنا آپ اندر ہی اندر مصروف رہتے ہیں اس کے اعمال ظاہر نتیجہ دیں یا نہ دیں اس کے باطن میں نتیجہ ضرور برآمد ہو جاتا ہے۔ پھر یہ نتیجہ سکون یا اضطراب کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

غلط عمل ایک بچھو کی طرح انسان کے باطن میں موجود رہتا ہے۔اور پھر اس کے بڑھاپے میں اس کو اندر سے ڈستا ہے۔ انسان بھاگتا ہے۔فرار چاہتا ہے قرار چاہتا ہے لیکن اس کے لئے نہ فرار ہوتا ہے نہ قرار انسان اپنے آپ سے بھاگ کر کہاں جائے؟ وہ خود ہی ظالم ہے۔خود ہی مظلوم۔ وہ اپنا قاتل بھی خود اور اپنا نوحہ گر بھی خود ہی ہے۔ انسان

اپنی پسند کے نام پر ایک ناپسند حاصل تک پہنچتا ہے۔ ضرورت کے نام پر غیر ضروری اشیاء کا حصول اسے بعد میں پریشان کرتا ہیں۔ انسان کی یہی جوانی اپنی بداعتدالیوں کی وجہ سے بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگر جوانی حدود اور حفاظت میں رہے تو بڑھاپا فاصلے پر ہی رہتا ہے۔ جب جوانی اپنے آپ سے باہر ہوتی ہے تو بڑھاپا اندر داخل ہوتا ہے۔ انسان سمجھ ہی نہیں پاتا کہ یہ کیوں؟ کب اور کیسے ہو گیا؟

جوانی کی خوش خوراکی اور بسیار خوراکی معدے کی بیماری بن کر بڑھاپے کی شکل اختیار کر لیتی ہے جوانی اپنے حلقہ دوستاں کو وسیع کرتی ہوئی دائرہ دشمنان تک پہنچ کر بڑھاپے کا روپ دھار لیتی ہے۔ جوانی کی بغاوتیں ندامت کا بوجھ بن کر جوانی کو دبوچ لیتی ہیں اور انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ زندگی کے سمندر میں بوڑھا انسان یا تو لاش بن کر تیرتا ہے۔ یا پھر موتی بن کر سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔

بڑھاپا ہی دراصل شعور کی جوانی کا دور ہے۔ جسم اور جسم کی حرکات اور جسم کی طاقت کم ہو کر انسان کو باطن کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ انسان جان جاتا ہے کہ اب اسے کسی شے اور کسی انسان کا انتظار نہیں ہے۔ وہ خاموشی سے اپنے باطن کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اس کے تجربات اس کے مشاہدات اس کے علم میں اضافہ کر کے اسے نئی جہت دیتے ہیں۔ بڑھاپا اندرون بینی کی طرف مائل کرتا ہے۔ وہ خود ہی روبرو ہے۔ اور خود ہی اپنا نظارہ ہے۔

بوڑھا انسان خود ہی آواز ہے خود ہی گوش بوڑھا آدمی جوانوں کے لئے دعا گو ہوتا ہے۔ ایسی دعائیں جو اس کو اس کی جوانی میں کسی نے نہیں دیں۔ وہ جوانوں کو بلند منزلوں کی طرف دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ جوانوں کو اپنے بڑھاپے کے پلیٹ فارم سے دعوت اخلاق دیتا ہے۔ بوڑھا جوانوں کو بہت کچھ سنانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ جوان سنتے ہی نہیں ہیں یہ اس لئے کہ اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے کی نگاہ سے کوئی نہیں دیکھتا۔ اگر جوانی میں انسان اپنے آنے والے کل کا خیال رکھے گا تو بڑھاپے میں حسرتوں کا شمار بہت کم ہو گا۔ جوانی مسافرت کی قائل ہے۔ بڑھاپا قیام کا خوگر۔ بوڑھا آدمی گھر میں ہی رہنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ جبکہ گھر کے باقی افراد شاید اس کا یہ عمل پسند نہ کرتے ہوں۔

بڑھاپا دراصل جوانی اور جواں فکری سے الگ ہو جانے کا نام ہے۔ وہی بات کہ بڑھاپا عمر کے کسی حصے کا نام نہیں بلکہ انداز فکر کا نام ہے۔ ایسے ایسے بوڑھے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو جوان محفلوں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ جب کہ جوان محفلیں ان کی موجودگی کو پسند نہیں کرتیں۔ عجب بات ہے۔ انسان کب پیری میں داخل ہوتا ہے۔ کب جوانی کو الوداع کہتا ہے۔ جب اس کو بیٹا کہنے والا کوئی نہ ہو۔ جب اس کو پیار سے پکارنے والا کوئی نہ ہو۔ جب اس کو اس کے فرائض یاد دلانے والا کوئی نہ ہو۔

دراصل بڑھاپا ہی حاصل ہستی ہے۔ زندگی کے اولین زمانے دوڑ دھوپ کے زمانے ہیں۔ غفلت اور عجلت کے ایام ہیں یعنی جوانی ابتدائے عمل ہے۔ اور بڑھاپا نتیجہ ہے۔ بوڑھا انسان ایک جزیرہ ہے۔ تنہا سہا ہوا۔ اس کا انتظار۔ کسی بڑی خبر کا انتظار ہے۔ سب سے خوش قسمت بوڑھا وہ ہے۔ جس کو ماں باپ کی دعائیں ملی ہوں اور اسے بیوی بچوں کا تعاون حاصل ہو۔ اولاد کا مودب ہونا ایک نعمت ہے۔ مودب اولاد اپنی پیری میں اولاد کو مؤدب پائے گی۔ سب سے زیادہ بدقسمت وہ بوڑھا ہے۔ جس کو بڑھاپے میں بھی گناہوں کی تمنا ہو۔ جوانی میں تو توبہ شیوہ پیغمبری ہے۔ بڑھاپے میں گناہ عذاب کے علاوہ کیا ہے؟

قابل قدر ہے وہ بڑھاپا جو دوسروں کے لئے نافع ہو۔ جو آگاہ راز ہو اور دوسروں کو آگاہ کرنے کی کوشش کرے۔

جوانی میں اقبال اور تھا بڑھاپے میں اقبال اور تھا۔ آج جو اقبال ہماری فکر میں بہار لاتا ہے۔ ہمارے جذبات میں گرمی پیدا کرتا ہے۔ ہمارے باطن میں چراغاں کرتا ہے۔ ہماری خودی کی دھار کو تلوار سے کاٹنے کو کہتا ہے۔ اور ہمیں ہماری منزل کی خبر دیتا ہے۔ وہ بڑھاپے کا اقبال ہے۔ جوان اقبال ناخوش و بیزار ہے۔ وہ خوشہ گندم کو جلانے کا حکم دیتا ہے۔ سلطانی جمہور کا قائل ہے۔ اور بوڑھا اقبال دہر میں اسم محمد خاتم النبیین ﷺ سے اجالا چاہتا ہے۔ محمد خاتم النبیین ﷺ سے وفا کا قائل ہے۔

مقصد یہ کہ زندگی ہر دور سے گزرتی ہے اور پھر آخر کار بڑھاپے تک آجاتی ہے۔ اور یہی اس کا حاصل ہے جوانی کی آنچ مدھم ہو جائے تو کیمیائے پیری یا پیرانہ سالی حاصل ہوتی ہے۔ یہی زندگی ہے۔ یہی آگاہی ایام ہیں۔

کاش آنے والے جوان اس تجربہ سے فائدہ اٹھاتے لیکن ہر کوئی اپنا تجربہ چاہتا ہے۔ بڑھاپے کا زمانہ تو خودشناسی کا زمانہ ہے۔ خودشناسی کے دن خداشناسی کا زمانہ، زندگی کی معرفت کا دور موت کے یقین کا زمانہ مابعد کی حقیقت کی جلوہ گری کا وقت۔ تقرب الٰہی کی گھڑی۔ خوش نصیب ہے وہ بوڑھا جو اس زمانے میں حسرت اور ندامت سے آزاد ہو۔ جو مطمئن ہے جو پرسکون ہے آشنائے راز ہے۔ آگاہ حقیقت ہے محرم ہستی ہے مکاں اور لامکاں کے فرق کو جانتا ہے۔ جو قطرے اور قلزم کی وحدت سے آشنا ہے۔ جو لذت وجود سے آزاد ہے اور ہوس زر سے بے نیاز ہے جس کا حاصل کبھی بھی لاحاصل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اس کا حاصل اس کی خودشناسی ہے اور جس نے اپنے آپ کو دریافت کر لیا۔ اس نے سب کچھ پا لیا۔ اس نے رب کو پا لیا۔ اور اس نے اپنی ذات کی نفی کر دی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ ہمہ حال صاحب حال ہو گیا۔

خودی کیا ہے؟

خودی کیا ہے؟ خودی کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ خودی کیسے محکم بنتی ہے؟

خودی کیا ہے؟ خودی اپنی ذات یا اپنے تشخص کی پہچان کا نام ہے (یعنی خود شناسی)۔

خودی کی تربیت کے لئے تنہائی کا ہونا ضروری ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک ''خودی ایک پراسرار (چھپی ہوئی) طاقت ہے جو پہلے ضمیر کے وجود میں جنم لیتی ہے اور پھر زندگی پر چھا جاتی ہے۔ اس سے دل میں نور آتا ہے اور محویت و مستی کی دولت ملتی ہے اور صاحب خودی کی توجہ من کی طرف (اپنے باطن میں) ہو جاتی ہے ایسا انسان اپنی ذات یا اپنے تشخص کی پہچان کے قابل ہو جاتا ہے''۔

وہ خلوت پسند بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ ایسی فضاؤں میں پہنچ جاتا ہے جہاں کسی قسم کی کوئی پابندی نہ ہو۔ خودی کی ناؤ امواج حوادث کے تھپیڑے سہتے اور تلاش وطلب کی راہیں بدلتے ہوئے مسلسل سرگرم سفر رہتی ہے۔ خودی دل کی گہرائیوں سے وہ قوت حاصل کرتی ہے جو اپنی ایک ڈانٹ سے سمندروں کو خشک اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرسکتی ہے۔

آغوشِ صدف جن کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر

علامہ اقبال نے اس شعر میں جلوت پر خلوت کی بڑائی کو ایک قدرتی مثال سے سمجھایا ہے۔ ایک خاص قسم کی بہار کا بادل جب برستا ہے تو وہ سیپ جو سمندر کی سطح پر منہ کھولے تیر رہے ہوتے ہیں ان قطروں کو اپنی آغوش یا اپنے پیٹ میں لے لیتے ہیں اور پھر برسوں سمندر کی تہہ کی تنہائیوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور اس طرح بارش کے قطرے ان کے پیٹ میں موتی بن جاتے ہیں۔ اگر کوئی سیپ تنہائی اختیار نہ کرے، قطرہ بے شک اس کے پیٹ میں چلا جائے تو یہ قطرے چاہے ابر نیساں کے کیوں نہ ہوں موتی نہیں بن سکتے۔ (ابر نیساں ایک خاص قسم کا ابر ہے جو خاص موسم میں ہوتا ہے۔ پاکستان میں یہ غالباً اپریل مئی کے موسم میں ہوتا ہے۔) تو ایک خاص چیز بتائی ہے کہ یہ تنہائی ہی ہے جو اللہ کی معرفت کے لئے ضروری ہے۔

ہمارے ہاں مسلمان صوفیائے کرام اپنی ابتدائی زندگی میں اپنی اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے جب ریاضت اور محنت کرتے تھے تو آبادیوں کے شور وغل سے دور بیابانوں میں جا کر یاد خدا میں مشغول ہو جاتے تھے اور یوں وہ قدرت کے نظاروں کے قریب تر ہوتے تھے۔ لیکن آبادیوں کے اندر رہ کر کھوئی ہوئی خودی کو تلاش کرنا بہت مشکل کام ہے۔ کوئی کوئی باعظمت انسان یہ کام کرسکتا ہے ورنہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لئے جب وہ صوفیاء کرام جو بالکل خلوت میں جا کر اللہ کی اس نعمت یعنی عرفان باری تعالیٰ کو حاصل کر لیتے تھے تو پھر وہ خود شناسی کی دولت سے آشنا ہو جاتے تھے (جو خود شناسی کی دولت سے آشنا ہو جاتا ہے وہ اپنی ''میں'' مار دیتا ہے۔) پھر اس خود شناسی کی دولت لے کر دنیا کو ہدایت دینے کے لیے جلوت میں آجاتے تھے۔ یہاں علامہ اقبال کا کہنا یہ ہے کہ یہ تنہائی جو اپنی اور اپنے خدا کی معرفت کے لیے لازمی ہے، آج کل نہ کعبے میں نظر آتی ہے نہ مندر میں۔ مراد یہ ہے کہ آدمی کے اندر جلوت اور خودنمائی کی اتنی ہوس پیدا ہو چکی ہے کہ وہ خلوت کو پسند ہی نہیں کرتا اور اگر وہ خلوت میں بھی ہوتا ہے تو وہ بات اس کی بن نہیں پاتی جو کہ معرفت کے لئے ضروری ہوتی ہے، جو کہ خود شناسی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

خودی ازل سے ظہور کامل (خودی جو ایک پراسرار طاقت ہے یہ شروع ہی سے اپنے آپ کو ظاہر کرنے) کے لیے بے تاب تھی۔ اس نے ہزار مناظر تلاش کئے۔ کوہساروں میں عظمت، سمندروں میں جلال۔ ماہ وانجم میں نور اور رگ تاک میں سرور بن کر سمائی لیکن مطمئن نہ ہوئی۔ بالآخر جب پیکر آدم میں جلوہ گر ہوئی تو کائنات میں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ یعنی عرش کے باسیوں نے پردگیان لامکاں (لامکاں کے باسیوں) کو آواز دی "ہوشیار ہو جاؤ کہ کائنات میں ایک صاحب نظر پیدا ہو گیا ہے جس کی نگاہ تماشا بین سے اب تم چھپے نہیں رہ سکتے"۔ اور خودی نے (اس پراسرار طاقت نے) اللہ کا شکر ادا کیا کہ اسے عیاں (ظاہر ہونے) ہونے کا ایک راستہ مل گیا۔

خودی کیونکر پیدا ہوتی ہے؟

1- حیات خودی :- خودی ایک سنگم ہے جہاں سے کئی راہیں نکلتی ہیں۔ایک راہ "سیاست کی" ہے۔دوسری "علم وحکمت کی" اور تیسری "دنیائے دل کی" راہرو کے سامنے کوئی منزل نہ ہوتو قدم اٹھتے ہی نہیں۔حیات کے سامنے کوئی مقصد نہ ہوتو وہ موت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔آرزو وہ شہپر (عمل کی قوت یا طاقت) ہے جس سے انسان اپنا نشیمن عرش پر بنالیتا ہے۔آغاز آفرینش میں تمام ذی روح مٹی میں رینگ رہے تھے۔رفتہ رفتہ ان مٹی کے کھلونوں میں مختلف خواہشات (آرزو) پیدا ہوئیں۔کسی نے پرواز کی آرزو کی، اسے پر مل گئے۔یہی خواہش جب عشق کی شکل اختیار کرتی ہے تو ایک زبردست طاقت بن جاتی ہے جس کے کرشمے کائنات میں ہر سونمایاں ہوجاتے ہیں۔زمین تشنہ کو گھٹاؤں کی تلاش تھی اور ابتدا ہی سے اس پر بادل برستے چلے آتے ہیں۔آرزو متحرک عمل ہے۔اور مقصد محرک آرزو۔

اگر شعلہ آرزو بجھ جائے تو سینے تاریک ہوجائیں۔ہنگامہائے شوق سرد پڑ جائیں۔پاؤں سے طاقت رفتار چھن جائے اور زندگی کی تمام راہیں سونی ہوجائیں۔

تو ہے میرے کمالات ہنر سے
نہ ہو نا امید اپنے نقش گر سے
مرے دیدار کی ہے ایک ہی شرط
کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے

2- خودی اور عشق :- ہر جاندار اور بے جان چیز کی خودی مختلف مراحل سے گزر کر کامل بنتی ہے۔ہلال کا کمال یہ ہے کہ بدر منیر بن جائے۔کلی کا کمال یہ کہ وہ پھول بن کر فضائے چمن میں لہلہائے، ذرے کا یہ کہ وہ طواف کرتے کرتے خورشید تک پہنچ جائے اور قطرے کا کمال یہ کہ وہ گوہر بن جائے۔

بدیگر الفاظ جب تک کوئی شے تکمیل کی تمام منازل طے نہ کرے اس کی خودی نہاں (چھپی ہوئی) رہتی ہے۔

انسان رب کائنات کی بہترین تخلیق ہے۔ان معنوں میں نہیں کہ وہ زمین سے زیادہ فیاض، مہر وماہ سے زیادہ حسین، اشجار سے زیادہ ثمرور اور طوفان سے زیادہ تندرو ہے، بلکہ ان معنوں میں کہ **انسان کی مختصر ہستی میں لامحدود امکانات مضمر ہیں۔یہ علم کی کمند پھینک کر شمس وقمر کو مسخر کرسکتا ہے یہ عشق میں مبتلا ہوکر جبرائیل علیہ السلام اور اللہ تک پہنچ سکتا ہے اور پھر تماشہ صفات کے ساتھ ساتھ مشاہدہ ذات بھی کرسکتا ہے۔طور پر برق تجلی کا رقص دیکھنے والا ایک انسان ہی تو تھا۔**

ارشاد خداوندی ہے:　مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝　ترجمہ: ''اُس (خاتم النبیین ﷺ) کی آنکھ نے غلطی نہیں کی اور نہ بھٹکی''۔(سورۃ النجم 53:17)

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ ترجمہ: ''اُس (خاتم النبیین ﷺ) کے دل نے اس کے مشاہدے کی تصدیق کی"-(یہ سند ایک بشر ہی کو ملی۔)(سورۃ النجم 53:11)

تماشہ صفات اس آنکھ کا کام ہے جس میں علم سے نور پیدا ہوا اور مشاہدہ ذات اس آنکھ کا جو صرف عشق سے کھلتی ہے۔جب تک یہ دونوں آنکھیں نہ کھلیں روح کے درودیوار پر دھند لکے چھائے رہتے ہیں اور زندگی ہر قدم پر ٹھوکر کھاتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک ایسی ذات سے عشق ممکن ہے جو نہ صرف یہ کہ آنکھوں کو نظر نہیں آتی بلکہ ہمارے دل و دماغ میں بھی اس کی کوئی جھلک نہ ہو؟۔

ہاں ممکن ہے۔کیا ہم تاج محل کو دیکھ کر اس کے معمار کی تعریف نہیں کرتے؟ کیا ہم ایک اچھی غزل سن کر یا پڑھ کر شاعر کو داد نہیں دیتے؟ کیا ہم ایک بہترین نعت سن کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات میں گم نہیں ہوجاتے؟ کیا ہم غالب، رُومی، حافظ، خیام، سینا، اور رازی جیسے باکمال افراد سے بن دیکھے محبت نہیں کرتے؟ کیا ہم شام صحرا کے سکون میں غروب آفتاب کا مست ساز منظر دیکھ کر جھوم نہیں جاتے؟ جب بہار کی رنگینیوں سے دامن کوہسار جنت کا نمونہ دیتا ہے جب چشموں کے رواں پانی کی دلکش آواز سے دشت وجبل گونج اٹھتے ہیں۔جب نیلی نیلی فضاؤں میں اودی اودی گھٹائیں لہرانے لگتی ہیں تو ہم بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں۔واہ، واہ سبحان اللہ'' اس کا نام تسبیح ہے۔جس میں گہرائی آجائے تو عبادت بن جاتی ہے اور عبادت بالآخر عشق میں تبدیل ہوجاتی ہے۔والدین سے بچوں کو عشق ہوتا ہے، ماں ذرا سی دیر کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہوجائے تو بچہ بے چین ہوجاتا ہے۔یہ عشق کیوں ہے؟ اس لیے کہ والدین بچوں کے محافظ اس کی روزی کے کفیل اور اس کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔کیا اللہ ہمارا محافظ اور رب نہیں ہے؟

ہمارے دل کی مشین کون چلا رہا ہے؟ آنکھوں میں نور کون بھر رہا ہے؟۔ ہماری پیاسی کھیتیوں پر بارش کس کے حکم سے برستی ہے؟۔زمین کا سینہ چیر کر درخت اور پھل کون پیدا کرتا ہے؟۔قرآن پاک میں سورہ عبس (آیت 32-24) میں ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ: ''انسان ذرا اپنی روزی پر غور کرے (کہ کہاں سے آتی ہے؟) ہم نے پہلے گھٹائیں برسائیں، پھر سینۂ زمین کو چیرا، اس سے غلہ، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغ، میوے اور چارہ اگایا جو تمہاری اور تمہارے مویشیوں کی زندگی کا سہارا ہے''۔

پھر والدین کی شفقت و ربوبیت میں خود غرضی کا بھی ایک پہلو ہوتا ہے کہ بچہ بڑا ہو کر ان کا سہارا بنے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ انسان سے جو محبت کرتا ہے اس میں کسی غرض کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ مجسم رحمت ہے اور اس کی مقدس ہستی سے رحمت کے دھارے یوں رہتے ہیں جیسے ہمالیہ کے دامن سے چشمے رواں دواں ہیں۔ انسان فطرتاً مسرت و رحمت کے اس سرچشمہ اول سے محبت کرنے پر مجبور ہے۔ اسی محبت کا تقاضا ہے کہ وہ حمد و ثنا کے گیت گاتا اس کی دہلیز پر سر نیاز جھکاتا، روتا اور گڑگڑاتا، خلوت میں اس کے تصور سے باتیں کرتا اور سکوت شب میں اپنی تمام طاقتوں کو سمیٹ کر اس پر یوں دھیان جماتا ہے کہ اسے وحدت و ہم آہنگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ پھر یہ احساس شدت اختیار کرتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں عاشق کا ہاتھ محبوب کا ہاتھ بن جاتا ہے۔ جہاں ماسویٰ اللہ سے تمام تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں۔ جہاں عبد، معبود کی رضا میں گم ہو جاتا ہے۔ جہاں کائنات کی تمام مخفی طاقتیں اس کی مددگار بن جاتی ہیں۔ جہاں اسے اپنے بازوؤں میں ایک غیر معمولی اور ناقابل فہم قوت کا احساس ہوتا ہے۔ جہاں تقدیریں اس کے اشارہ ابرو کے مطابق تشکیل پاتی ہیں اور جہاں بعض بے لگام زبانیں ''انا الحق'' کا نعرہ لگا دیتی ہیں۔

خودی کو دو ہی چیزیں محکم بناتی ہیں۔ علم اور عشق۔ خودی نہ جسم کا نام ہے نہ روح کا بلکہ یہ ایک قوت ہے جو ضمیر ہستی میں نمایاں ہے، اور یہ فکر و مستی، آہ سرگاہی اور گریہ نیم شبی سے عیاں ہوتی ہے۔ خودی کو ایک چراغ سمجھیں جو عشق سے نور حاصل کرتا ہے۔ ہر دل میں ایک محبوب نہاں ہے۔ جس کا جلوہ صرف عاشق کی آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے۔ دل میں عشق کی جوت جگانے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ اپنے آپ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف آؤ۔

خودی کیسے محکم بنتی ہے؟

مراحل تکمیل خودی :- انسانیت یا خودی کو مقام کمال تک پہنچنے کے لیے تین منازل سے گزرنا پڑتا ہے۔

1۔ پابندی آئین یا اطاعت :- انسانی خودی ایک پر اسرار چیز ہے۔ اس کی منزل بہت دور دراز ہے اور راہیں ناپید۔ اللہ تعالیٰ نے کمال لطف و کرم سے منزل کا پتہ بتلایا اور لاکھوں راز داں بھیج کر راستہ دکھایا۔ اس راہ پر چلنے کا نام اطاعت ہے۔ (اطاعت خداوندی)

2۔ ضبط:- انسان جسم و جان کا نام ہے۔ اس میں جسم فانی ہے اور روح غیر فانی ہے۔ جو لوگ جسمانی لذات کو اپنی منزل بنا لیتے ہیں۔ شب و روز شکم پروری، زر اندوزی اور دنیا بھر کی دیگر اغراض کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں وہ علو و کمال کی راہوں سے بھٹک جاتے ہیں۔ ان کی انسانیت حیوانیت میں بدل جاتی ہے۔ اور حرص اور آرزو کی تند آندھیاں انہیں اٹھا کر انسانیت کی منزل سے بہت دور پھینک دیتی ہیں۔ ضروریات جسمانی کے لیے ہماری مجنونانہ تگ و دو کی وجہ خوف ہے۔ مستقبل کا خوف، اولاد کے قلاش ہو جانے کا خوف حالات کے اچانک بگڑ جانے کا خوف، بیماریوں اور بلاؤں کا خوف، اور اس کا تنہا علاج۔ جو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاتا ہے۔ بے شک اللہ بڑا کارساز ہے۔ وہ اپنے بندوں کو کبھی بھوک سے مرنے نہیں دیتا اور غیب سے کچھ ایسے اسباب فراہم کرتا ہے کہ انسان حیرت میں کھو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں سورہ طلاق آیت 3-2 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور نافرمانی سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مصائب سے نکلنے کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے رزق بھیجتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ اللہ ان لوگوں کا کفیل ہے جو اس پر اعتماد کرتے ہیں اور وہ اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کا طریقہ جانتا ہے۔ اس نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے''۔

3۔ نیابت (اللہ کا نائب، خلیفہ ہونا، جانشین ہونا) الٰہی :- اطاعت اور ضبط نفس کے مراحل کو طے کرنے کے بعد خودی نیابت الٰہی کے مقام بلند پر پہنچ جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ''شتر بان'' (اونٹوں کے رکھوالے) جہانباں (پورے جہان کے رکھوالے) بن جاتے ہیں۔ عناصر انکے تصرف میں آ جاتے ہیں اور ان کی نگاہ ہر جزو کل کو دیکھنے لگتی ہے۔ وہ ہر خام کو پختہ بناتا ہے۔ اس کی ہیبت سے قلزم شق ہو جاتا ہے اور اس کے ''قم'' کی آواز سے، مردے زندہ ہو جاتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟؟

وجدان :- اللہ نے جسم کو دو آنکھیں دی ہیں اور روح کو ایک، روح کی آنکھ کا نام وجدان ہے۔ تاروں کی بکھری ہوئی محفل، کوہساروں کی بلند و پست چوٹیوں اور کائنات کے منتشر اجزاء میں اگر کوئی رشتہ وحدت نظر آتا ہے تو اسی آنکھ سے۔ یہی وہ آلہ بصارت ہے جس کی زد میں لامکاں بھی ہے۔ اور صاحب لامکاں بھی۔ اس سے وہ مخفی ہاتھ نظر آتا ہے۔ جو پھولوں میں رنگ بھرتا ہے۔ زمین کا سینہ چیرتا اور بے کیف و بے رنگ شاخوں کے ساتھ رنگ برنگے پھول اور پھل لٹکاتا ہے۔ خودی اس آنکھ سے ضمیر کے وجود کو دیکھتی اور جزو کل کا احاطہ کرتی ہے۔

انسان کو اللہ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ آفاق کی تسخیر کرے (کائنات پر غور و فکر کرے) اور حاصل شدہ توانائی کو انسانوں کی خدمت اور خودی کی تکمیل (پر اسرار طاقت کی تکمیل) پہ صرف کرے۔ زندگی کی ابتداء تو ہے لیکن انتہا کوئی نہیں۔ قرآن انسان کو مشاہدہ سے غیب کی طرف لے جاتا ہے اور پھر غیر مری (غائب) سے مرئی (مادی چیز۔ محسوس کی جانے والی چیز) کی طرف بلاتا ہے۔ تمام قرآن مطالعہ کائنات کی ترغیب سے لبریز ہے۔ ایمان محض ایک جذبہ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک خاص قسم کی عقل بھی پائی جاتی ہے۔ اسلام محسوسات کو نہ فریب نظر سمجھتا ہے نہ ذلیل و حقیر۔ ان دونوں جہانوں کو رشتہ وحدت میں پرونا اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو قرار دینا اسلام کا عظیم کارنامہ ہے۔ جہاں نوع انسانی کا ایک وسیع تجربہ ہے۔ آدمؑ سے لے کر اب تک لاتعداد افراد کو یہ تجربہ ہو چکا ہے یہ لوگ راست باز اور مخلص تھے۔ ان کے تجربے اور مشاہدے کو بے دلیل رد کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔ ظاہر کی آنکھ محسوسات کو دیکھتی ہے اور باطن کی آنکھ اللہ کو لیکن ہم اس تجربے کو نہ بیان کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو سمجھایا جا سکتا ہے اور نہ دکھایا جا سکتا ہے۔

قرآن کے اندر لیل و نہار، ابر و باد، جن و انس وغیرہ آیات الٰہی ہیں جن پر غور کرنے کو کہا گیا ہے اور ان پر غور کرنا عبادت ہے۔ اس سے حیرت اور تحسین کے جذبات بیدار ہوتے ہیں۔ دل حمد صانع (بنانے والا) کے ترانے گانے لگتا ہے۔ بنانے والے کا تصور دل و دماغ پر چھا جاتا ہے اور اتنا راسخ ہو جاتا ہے کہ آخر یہ روح کی ایک صفت بن جاتا ہے۔ مذہب کی پیروی کرنے والا تین مراحل سے گزرتا ہے :-

1۔ شروع میں بے چون و چرا ایک ضابطہ عمل کو قبول کرتا ہے۔

2۔ کچھ عرصے کے بعد اس کے احکام پر حکیمانہ نظر ڈالنے لگتا ہے۔

3۔ اور بالآخر کائنات کی حقیت کبریٰ سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ منازل شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کہلاتی ہیں اور یہ ہی تصوف ہے۔ تصوف میں چشم دل اس طرح دیکھتی ہے جس طرح شریعت میں دیدہ ظاہر۔ **ہمارے روگ کا علاج نہ اشتراکیت میں ہے، نہ وطنیت میں، نہ قدیم تصوف میں۔ ہماری نجات تو عمیق روحانی عرفان میں ہے۔** علوم جدید نے جو ذمہ داریاں انسان پر ڈال دی ہیں۔ ان سے وہ اسی عرفان کی بدولت عہدہ برآں ہو سکتا ہے۔ عہد حاضر کی کشمکش سے نجات کی صورت صرف یہی ہے کہ انسان اپنی خودی میں ڈوب کر اپنی چاہت، اپنے مبدا اور اپنے مقصد کو پالے۔ روحانی وجدان کا مقصد جذبات کو کچلنا نہیں بلکہ ضعف خودی کو مٹانا اور اس کی بقاء کا سامان کرنا ہے اور یہ بقاء حقیقت مطلقہ (اللہ تعالیٰ کی ذات) سے رابطہ پیدا کرنے کے بعد حاصل ہو سکتی ہے۔

خودی کا حاصل یہ ہے کہ علم کی قوت سے فطرت کو مسخر کرو، خودی کی طاقت سے جو ضمیر وجود میں نہاں (چھپی ہوئی) اور نالہ ہائے نیم شبی سے عیاں (ظاہر) ہو سکتی ہے، کائنات کی مخفی طاقتوں پہ کمند ڈالو، جلال کو جمال سے، سلطنت کو فقر سے آشنا کرو، عقل کو دل کا سفیر بناؤ، اللہ سے جو عظیم توانائی کا مصدر و ماخذ ہے رابطہ پیدا کرو--- یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان حرص و ہوس کے تمام بت توڑ دے اور اسے ظاہر اور باطن میں صرف اللہ ہی اللہ نظر آئے۔

خودی کیا ہے؟ راز درونِ (باطن) حیات
خودی کیا ہے؟ بیداری کائنات

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

ہم لوگ آج کل اتنے مصروف ہو گئے ہیں کہ ہمیں اپنے بزرگوں کے پاس بیٹھنے ان سے بات کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ ہمارے یہی بزرگ حضرات اپنے گھروں میں رہتے ہوئے سارا دن ہمارے منتظر رہتے ہیں۔ رات کو اس وقت تک اپنے بستروں پر نہیں جاتے جب تک انہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ گھر کا ہر فرد گھر میں آ گیا ہے۔ اتنی محبت اور اتنی شفقت والے افراد کے لئے ہمارے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان بزرگوں کو سلام کرنا، اور ان سے دعائیں لینا کیوں کہ بچپن ہی میں ہمیں بتایا جاتا ہے۔ اس لیے ہم زندگی بھر اسی طریقے کو اپنائے رہتے ہیں کہ ہم نے بزرگوں کو سلام کر کے ان سے دعائیں لینی ہیں۔ نہ ہمیں عملی طور پر یہ دکھایا گیا ہے کہ ہمیں ان کو ٹائم اور توجہ بھی دینی ہے اور نہ ہم نے کبھی یہ سوچا۔

ہم دنیا بھر کی تقریبات میں وقت صرف کرتے ہیں۔ ہم موبائل فون پر، میسج (message) پڑھنے پر گھنٹوں لگا دیتے ہیں۔ ہم چینل بدل بدل کر تمام اینکرز کے تبصرے سن سکتے ہیں۔ ہم پوری پوری رات میچ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے پاس وقت نہیں ہے تو اپنے بوڑھے ماں باپ، دادا دادی، چچا چچی، خالہ خالو، پھوپھی پھوپھا، نانی نانا اور تایا تائی وغیرہ کے لئے نہیں ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ ہماری بات محض صرف روٹی کپڑا اور دوا دارو تک محدود رہتی ہے۔ یہ بات تو جوانی میں ذہن کے کسی گوشے میں ہوتی ہی نہیں کہ کبھی ہم پر بھی یہ وہ وقت آئے گا۔ کبھی ہم بھی اس تنہائی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ ہم اپنی مسلمانی پر فخر اور اپنے مذہب پر اتراتے ہوئے مغربی دنیا کے اولڈ ہاؤس پر تبصرے کرتے ہیں اور ان بوڑھوں پر ترس کھاتے ہیں جو ان اولڈ ہاؤسز میں رہتے ہیں۔ جبکہ یقین جانیئے ان اولڈ ہاؤسز میں رہنے والے یہ بوڑھے ہمارے ہاں کے بوڑھے بوڑھیوں سے ہزار گنا اچھی زندگی گزارتے ہیں۔ اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں۔

ان لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اپنا بڑھاپا کہاں گزارنا ہے۔ اس لیے یہ اپنی جوانی میں ہی کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے اپنے اس وقت کے لئے جمع کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں جوانی میں ماں باپ کو بڑا فخر ہوتا ہے کہ یہ ہماری اولادیں ہیں۔ ہم نے زندگی انہی کے پاس گزارنی ہے ایک بیوقوفی یہ بھی کرتے ہیں کہ اپنے لئے کچھ بھی جمع کرنے کے بجائے پوری زندگی کی جمع پونجی ایک گھر بنانے میں لگا دیتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمارے بچے یہاں مل کر رہیں گے۔ جبکہ بعد میں یہ بچے یہاں رہنا تو دور کی بات ایک دوسرے کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اور پھر یہ گھر یہ جائیدادیں لڑائی جھگڑوں کا سبب بن جاتی ہیں۔ دس بچوں میں سے کوئی بچہ بھی کوئی ایک اولاد ماں باپ کو اپنے پاس رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔ جب کہ یہ وہ والدین ہوتے ہیں جنوں نے ان دس بچوں کو انتہائی محبت سے پالا پوسا اور تعلیم و تربیت کی ہوتی ہے۔ بچوں میں سے کوئی فرمابردار اگر اپنی بیوی کے پاس جانے کے بجائے اپنے والدین کے پاس چلا جائے تو قیامت آ جاتی ہے۔ معلوم نہیں ایک عورت یہ کیوں نہیں سوچتی کہ اس کو بھی ایک ساس بننا ہے۔ ایک بات یہ آج کل لڑکیوں نے پکڑ لی ہے کہ ساس سسر کی خدمت بیوی کے لئے ضروری نہیں ہے۔ بیوی ساس سسر کے لیے نہیں خاوند کے لیے آئی ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے لیکن ہم ان کو اپنے ماں باپ سمجھ کر زندگی کے کچھ عرصے میں ان کی خدمت کر لیں گے تو کیا اسکا اجر نہ پائیں گے؟

ہمارے بوڑھے لوگوں کی نسبت ان اولڈ ہاؤسز کے لوگ زیادہ خوش رہتے ہیں۔ یہ اکھٹے رہتے ہیں خوش گپیاں کرتے ہیں۔ کھانا پینا ساتھ، گھومنا اور تفریح کرنا ساتھ۔ انہیں اکیلے پن کا احساس کیسے ہو سکتا ہے؟ سب سے بڑی بات پیسہ ان کے پاس ہوتا ہے جس کو وہ پس انداز کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں تو تمام تر کمائی گھروں اور بچوں کی شادیوں میں لگانے کے بعد بوڑھے بے کار اور تہی دست ہو کر اولاد کا منہ دیکھنے لگتے ہیں۔ اکیلے کمروں میں رہتے ہیں۔ کھانا ان کے کمروں میں ہی بھیج دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ تو دوا وغیرہ کے لیے ملازم بھی رکھ دیتے ہیں۔ بچے اور خود صبح شام سلام کرنے اور خیریت معلوم کرنے کے لیے حاضری دے دیتے ہیں۔ اور بس کیا یہ کافی ہے ماں باپ کی پرورش کے صلے میں؟؟؟؟ وقت ہی کہاں ہے ہمارے پاس؟ وقت جب نکلے جب محبت ہو اور ہم ان بوڑھوں کو توجہ دینے کی ضرورت کو محسوس کریں۔ ہم نہ جانے کس مذہب کی پیروی پر فخر محسوس کرتے ہیں ہم نہ جانے کیوں یہ محسوس نہیں کرتے کہ ان بزرگوں نے زندگی بھر محنت کر کے ہمیں اس مرتبہ پر اس عہدے پر پہنچایا۔ یہ آشیانہ دیا جس میں ہم بڑے آرام سے رہ رہے ہیں۔ جبکہ کچھ اولاد تو یہ کہہ کر ماں باپ کی اس خدمت کو دفن کر دیتی ہیں کہ " کون سا احسان کیا ہے؟ ہم بھی اپنے بچوں کو پال پوس رہے ہیں"۔ پھر مغربی دنیا میں اولڈ ہاؤسز میں رہنے والے افراد نہ صرف یہ کہ آپس میں مل کر اچھا وقت گزارتے ہیں۔ جبکہ (کمیونٹی) ان کے معاشرے کے افراد میں سے کچھ لوگ اپنا وقت نکال کر باقاعدگی کے ساتھ اولڈ ہاؤسز میں آتے ہیں۔ اور اس طرح ان کی تنہائی کو دور کر کے ان لوگوں کو وقت دیتے ہیں۔ معاشرے کے یہ

افراد باقاعدہ اپنے روزمرہ کے معاملات کے علاوہ کوئی ہفتے میں دو دن، کوئی ہفتے میں ایک دن ان لوگوں کے پاس آ کر وقت گزارتے ہیں۔انھیں توجہ اور محبت دیتے ہیں۔ خوش گپیاں کرتے چائے پیتے ہیں۔ یہ وقت ان لوگوں نے اولڈ ہاؤسز میں گزارنے کے لیے وقف کیا ہوتا ہے۔انہیں اس چیز کا احساس ہوتا ہے کہ یہ لوگ توجہ، محبت اور ٹائم چاہتے ہیں۔اور پھر اس طرح یہ لوگ اولڈ ہاؤسز کے ساتھ اس ٹائم کو گزارنے ہی کو چیریٹی کہتے ہیں۔جبکہ ہمارے ہاں چیریٹی صرف صدقہ، خیرات اور زکوٰۃ کو کہتے ہیں۔اور کبھی ہم نے یہ محسوس کرنے اور جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ جو لوگ یہ خیرات زکوۃ وصول کر رہے ہیں وہ اپنی زندگی میں کیسے رہ رہے ہیں؟ یہ ضرورت کیسے محسوس کریں ہمارے پاس تو اپنے بوڑھوں کے لئے ٹائم نہیں ہم بوڑھوں کے لئے ٹائم کہاں سے نکالیں؟

ایک اور بدترین نظارہ ہمارے ہاں نشہ کرنے والوں کا ہے۔ یہ نشہ کرنے والے ہمارے ملک میں ہمیں مختلف جگہوں پر کسی کونے کسی گندے نالے کے قریب کسی گندی گلی یا کسی سڑک کے فٹ پاتھ پر سر جوڑے مدہوش نشے میں دھت نظر آتے ہیں۔ہم میں سے ہر ایک انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور گزر جاتا ہے۔پھر یہ لوگ اکثر چوک چوراہوں پر ہمیں بھیک مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ہم انہیں بھیک دینا گوارا نہیں کرتے۔ بلکہ جو دیتا ہے اسے بھی یہ کہہ کر منع کرتے ہیں کہ "یہ نشئی ہے"۔گو یا نشئی ہونا اس کا ایسا جرم ہے جو کہ قابل معافی نہیں۔ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ نشہ کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے لیکن یہ ایک ایسی بری عادت ہے کہ اگر کوئی اس میں گرفتار ہو جائے تو مشکل ہی سے اس سے چھٹکارا پائے۔نفرت سے دیکھتے ہوئے گزرنے کے بجائے ہمیں یعنی صاحب ثروت لوگوں کو ان کو اٹھا کر ایسی جگہ چھوڑ آنا چاہیے جہاں ان کا علاج کیا جاتا ہے۔

ایک آدمی نے ایک بزرگ سے سوال کیا "بابا جی یہ غریب لوگ بیچارے بیمار کیوں ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کو امتحان میں کیوں ڈالتا ہے"؟ بزرگ نے جواب دیا ''برخوردار یہ ان غریب لوگوں کا امتحان نہیں ہوتا بلکہ ان غریب لوگوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان صاحب ثروت اور امیر لوگوں کا امتحان لیتا ہے جو ان کے اردگرد رہتے ہیں، جو ان کو دیکھتے، ان کو جانتے اور پھر نظرانداز کرتے ہیں''۔

نشہ اسلام میں گناہ ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ کوئی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اسے اس گناہ سے بچانا ہی نہیں ہے۔ یاد رکھیں ہر گناہ اور بری بات سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور بری باتوں سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنے اور کروانے کا بھی حکم ہے۔

ہمارے ملک کے برعکس مغربی دنیا میں نشہ کرنے والوں کو اس انداز میں نفرت اور حقارت سے نہیں دیکھا جاتا۔ وہ لوگ نشے کو ایک بیماری کہتے ہیں۔ایسے لوگوں کے لیے پیرس میں دریاؤں کے کنارے دور دور تک خوبصورت خیمے لگائے ہوئے ہیں۔حکومت ان کو کھانے پینے کی اشیاء مہیا کرتی ہے اور وہاں مختلف عمر کے سینکڑوں لوگ ان خیموں کے باہر بیٹھ کر دھوپ سینکتے رہتے ہیں۔ یہ خیمے وہاں پر نشہ کرنے والوں کے لیے لگائے گئے ہیں۔وہاں پر رہنے والے تمام لوگ شرابی اور نشئی ہوتے ہیں۔ یہ دن رات نشہ میں دھت رہتے ہیں۔جب ان کے پاس شراب ختم ہو جاتی ہے تو یہ لوگ ایک دوسرے کے پاس شراب کی بوتل لے کر جاتے ہیں۔اور جب کسی کے پاس بھی نہیں ملتی تو ان میں سے کچھ لوگ شراب کی بوتلیں لے کر شہر جاتے ہیں اور پھر مختلف ریستوران، بازاروں اور دکانوں میں چلے جاتے ہیں۔ وہاں پر زیادہ تر (پیرس میں) دوکاندار ان آنے والے شرابیوں کو مفت شراب دے دیتے ہیں۔پھر یہ لوگ بوتلیں لے کر واپس آتے ہیں۔ پھر واپس آ کر جو لوگ یہاں پر ہوتے ہیں ان کو تھوڑی تھوڑی شراب تقسیم کرتے ہیں۔اور مل بانٹ کر شراب پیتے ہیں۔فرانس میں اس وقت ایسے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔یورپ میں ایسے لوگوں کے لیے کھلی جگہوں پر ٹینٹ لگا دیے جاتے ہیں یہ لوگ کھلی جگہوں پر رہتے ہیں۔(حکومت ان کے رہنے کا انتظام کھلی جگہوں پر کرتی) یہ لوگ بیکار ہوتے ہیں ان کی زندگی کا مقصد شراب اور بس شراب ہوتا ہے۔**لیکن یاد رہے کہ شراب نوشی انسان سے اس کے انسان ہونے کا حق نہیں چھین لیتی**۔ یہ لوگ گرمیوں میں اتنا وقت دور دراز کے فٹ پاتھوں، میٹرو سٹیشنوں پر، اور پارکوں میں گزار دیتے ہیں۔گرمیوں میں خوب مزے میں رہتے ہیں۔ہاں سردیاں ان کے لیے مشکل وقت ہے۔یورپی ممالک میں دریاؤں کے کنارے جو خیمے لگائے گئے۔ان خیموں میں گدے بچھا دیے جاتے ہیں اور کمبل بھی رکھ دیے جاتے ہیں۔ یہ لوگ سارا دن سڑکوں پر پھرتے ہیں اور رات کو ان خیموں میں آجاتے ہیں۔ حکومت نے ہر آٹھ دس خیموں کے بعد ایک ڈائننگ ٹینٹ لگا دیا ہے۔اس ٹنٹ میں کھانے پینے کا سامان پڑا رہتا ہے۔ان لوگوں میں سے جب بھی کسی کو بھوک لگتی ہے تو وہ ڈائننگ ٹینٹ کا رخ کرتا ہے اور پھر اپنی مرضی کی چیزیں اٹھا کر کھا لیتا ہے۔ بہت سی این جی اوز انہیں کمبل، گدے اور سلیپنگ بیگز فراہم کرتی ہیں۔

میونسپل کارپوریشن کی گاڑیاں دن میں چار بار ان خیموں کے چکر لگاتی ہیں۔ پھر ان کے کھانے پینے کا سامان یہاں چھوڑ کر جاتی اور صفائی کا خیال رکھتی ہیں۔یورپ کینیڈا وغیرہ میں سردیوں کی راتوں میں کارپوریشن اور پولیس کے ساتھ ساتھ عام لوگ بھی ان کی دیکھ بھال کے لیے آتے ہیں کہ ان میں سے کوئی باہر سردی میں تو نہیں ہے۔ یہ

انہیں اٹھا کر بستروں پر لٹاتے ہیں اور کمبل وغیرہ اڑھاتے ہیں۔ اور پوری تسلی کے بعد گھروں کو جاتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ یہاں آ کر ان کی پوری نگرانی کرتے ہیں اور ان کا خیال رکھتے ہیں۔ کہ ان لوگوں کو کسی قسم کی ضرورت تو نہیں ہے۔ **دراصل یہ لوگ ان نشہ کرنے والے لوگوں کو جانور نہیں جاندار سمجھتے ہیں۔ ایسے جاندار جو صرف جان رکھتے ہیں اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے خود کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں کے نزدیک نشہ ایک بیماری ہے ایسی بیماری جو لا علاج ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ جانور تو فطری طور پر اپنے کھانے پینے اور اپنی حفاظت کی تدابیر کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی بیماری ان لوگوں کو ان تدابیر سے بے بہرہ کر دیتی ہے۔ اور بیمار کو نگہداشت حفاظت اور نرسنگ کی ضرورت ہوتی ہے۔**

جبکہ ہم نے تو پاکستان میں نشہ پینے والوں کو ہمیشہ نفرت سے ہی دیکھا ہے۔ پاکستان کے ہر شہر اور ہر گاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ یہ لوگ گرمی ہو یا سردی کھلے آسمانوں تلے پڑے ہوتے ہیں۔ ان کے کپڑوں سے بدبو کے بھبھکے اٹھ رہے ہوتے ہیں۔ اور انھیں دو دو دن تک روٹی نصیب نہیں ہوتی۔ جب تک ان میں نشہ کر کے گھر جانے کی طاقت ہوتی ہے یہ گھر جاتے ہیں۔ اور گھر والے انہیں کھانا دے دیتے ہیں اور جب نشہ کر کے یہ اتنے کمزور ہو جاتے ہیں کہ گھر جانے کے قابل نہیں رہتے تو پھر سڑک پر، گلی میں یا کچھ لوگ گھر پہنچ کر دم توڑ دیتے ہیں۔ ہم نے آج تک ان لوگوں کے قریب جا کر ان کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دی۔ ہماری نظر میں شاید یہ انسان ہی نہیں ہوتے۔ پھر ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور اپنے اس مسلمان ہونے پر فخر بھی کرتے ہیں۔ شاید ہماری یہی بے حسی ہمیں اندرونی طور پر کمزور کر رہی ہے۔ اور ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی آہستہ آہستہ وہ مسلمان نہیں رہے جیسے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور کے مسلمان ہوا کرتے تھے۔

یاد رکھیئے اللہ تعالی ان لوگوں پر کرم کرتا ہے جو اس کے بندوں پر مہربانی کرتے ہیں۔ جو بوڑھوں کو ٹائم اور محبت اور توجہ دیتے ہیں۔ جو نشہ کرنے والوں کو بھی انسان سمجھتے ہیں۔ کیا واقعی ہم مسلمان ہیں؟ کہاں گئے وہ مسلمان؟ کہاں گیا وہ خون جوان مسلمانوں کی رگوں میں گردش کیا کرتا تھا؟

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ہمارے خیال میں فاتحہ انسان کے مرنے کے بعد نہیں احساس کے مرنے کے بعد پڑھنی چاہیے۔ کیوں کر لوگ مر جائیں تو صبر آ جاتا ہے مگر احساس مر جائے تو معاشرہ مر جاتا کیا ہم زندہ معاشرے کے لوگ کہلانے کے مستحق ہیں؟

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

****

انسانی فضیلت کا راز

مقصود تخلیق کائنات:

کائنات ایک عظیم ترین بلڈنگ اور ایک رفیع الشان قصر کی حیثیت سے تیار فرمائی گئی ہے، جس میں کھانے پینے، چلنے پھرنے، رہنے سہنے، سونے جاگنے، اور کام کاج کرنے کے لئے سارے سامان فراہم کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر-32) میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور ہم نے آسمان کو مضبوط چھت بنایا''۔

ایک اور جگہ (سورۃ الفرقان-25　آیت نمبر-61) میں فرمایا:

ترجمہ: ''برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج اور ان میں روشن چراغ اور روشنی دینے والا چاند رکھا''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: (سورۃ الملک، آیت نمبر-5)

ترجمہ: ''ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی'' -اور

پھر سورہ النبا، آیت نمبر 6 میں فرمایا:

ترجمہ: " کیا ہم نے زمیں کو فرش نہیں بنایا"-

پھر فرمایا: (سورۃ النباء، آیت نمبر 15-14)

ترجمہ: '' ہم نے بلندیوں سے پانی برسایا تاکہ اس سے ہر قسم کے غلے، ترکاریاں، پھل، غذائیں اور دالیں اُگائیں''۔

اس کائنات کی ساخت بناوٹ کا یہ خاص انداز پکار پکار کر زبان حال سے بتا رہا ہے کہ ضروریات زندگی سے لبریز مکان کو ضرورت مند مسکین کے لئے بنایا گیا ہے یعنی اس میں کسی کو بسانا مقصود ہے اور بلاشبہ کسی ایسے مسکین کو بسانا مقصود ہے جو ان سامانوں کا حاجت مند بھی ہو اور اس میں ان سامانوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت بھی ہو، اس بلڈنگ کائنات میں بسنے والے ذی شعور اور حساس مخلوق جو اس کائنات کو استعمال کر سکتی ہے چار قسم کی ہے، حیوانات، جنات، ملائکہ اور انسان۔ شریعت اسلام نے جس طرح انسانوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے اسی طرح حیوانوں کے حقوق کی بھی پوری پوری حفاظت کی گئی ہے۔

1) حیوانات:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک اونٹ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اُس نے اپنے مالک کی شکایت کی "اسکا مالک اس کی طاقت سے زیادہ اُس سے کام لیتا ہے اور بہت بوجھ اُس پر لاد دیتا ہے"- آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کے مالک کو بلایا تو اس نے اقرار کیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ (سنن ابی داؤد)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی جانور کا دل دکھانا، اُسے ستانا ہرگز جائز نہیں-

حیوانات اور پرندوں کو کھلانے پلانے میں اللہ کے ہاں اجر و ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا تھا، اس نے کنوئیں سے پانی نکالا اور اسے پلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس عمل کی وجہ سے معاف کر دیا۔ (صحیح بخاری، الوضوء:173)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے بلی کو باندھ دیا اور اس کی خوراک کا بندوبست نہ کیا حتیٰ کہ وہ مرگئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس جرم کی پاداش میں جہنم میں داخل کر دیا۔ (صحیح بخاری، المساقاۃ:2365)

شریعت اسلام نے جانوروں کو ذبح کرنے میں بھی یہ حکم دیا ہے کہ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرو کیونکہ اس کا دل وحشت سے خشک ہونے لگے گا۔ ہاں موذی اور شریر جانور کو بند کرنے اور مارنے کی اجازت ہے جو کہ جانوروں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ شریر انسانوں کے لئے بھی حدود، فصلیں، قید و بند، قتل و غارت وغیرہ

رکھا گیا ہے۔

2) جنات کے حقوق:

جنات بھی اس جہاں کے باشندے ہیں انہیں بھی مکان، غذا اور رہنے کا حق ہے جسے پامال کرنے کا کسی کو حق نہیں جس طرح وہ ویرانوں میں رہتے ہیں اسی طرح انہیں حق دیا گیا ہے کہ وہ ہمارے گھروں میں بھی بودوباش اختیار کر سکتے ہیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ہر گھر میں جنات بسے ہوئے ہوتے ہیں چونکہ وہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور ہم اپنے کام سے کام''۔

اس لئے ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے گھر میں کوئی اور مخلوق بھی آباد ہے۔ اگر کسی گھر میں کوئی بے دین، شریر اور فسادی جن ہوتا ہے اور تنگ کرنے لگتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ فلاں گھر میں آسیب ہے اور عاملوں کی طرف رجوع کرتے ہیں عامل حضرات عمل کر کے جنات کو بند کر دیتے ہیں یا جلا ڈالتے ہیں بحرحال جب جنات بدی پر آ جائیں تو ان کا مقابلہ بلکہ مقاتلے کی بھی اجازت ہے بعض اوقات گھر میں کچھ نیک جنات رہتے ہیں اور گھر والے پاکی پلیدی کا خیال نہیں رکھتے اس صورت میں بھی جنات گھر میں پاکی رکھنے کی وارننگ دیتے ہیں اکثر لوگ سنبھل جاتے ہیں اور جو نہیں سنبھلتے تو جنات ایسے لوگوں کو وہاں سے نکال کر چھوڑتے ہیں اور پھر جب دوبارہ اسی گھر میں ایسے لوگ آتے ہیں جو پاکی پلیدی کا خیال رکھنے والے ہوتے ہیں تو وہ آرام سے رہتے سہتے ہیں۔

اس لئے نہ تو جنات خواہ مخواہ ہمیں تنگ کرتے ہیں اور نہ ہمیں یہ حق دیا گیا ہے کہ ہم خواہ مخواہ انہیں تکلیف دیں۔ جنات میں بھی ہر قسم کے افراد ہیں نیک بھی، بد بھی، مسلم بھی، غیر مسلم بھی، مشرک بھی، یہودی بھی، نصرانی بھی، چنانچہ قرآن کریم نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ''نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے قبل جنات آسمان کے دروازوں سے آیا جایا کرتے تھے اور ملائکہ کی گفتگو سے وحی خداوندی کے کچھ الفاظ اُچک لیا کرتے تھے پھر ان میں اپنے اندر سے جھوٹ ملا کر وحی خداوندی کے دعوے کیا کرتے تھے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد ان کا آسمان پر چڑھنا بند کر دیا گیا تو انہیں یہ پریشانی ہوئی کہ یہ کیا ہوا؟ یہ کیا نیا حادثہ پیش آیا؟ کچھ جنات مشرق میں، کچھ مغرب میں، کچھ شمال میں اور کچھ جنوب میں اس کی وجہ تلاش کرنے نکلے، اِن میں سے ایک جماعت کا گزر مکہ میں ہوا، دیکھا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ قرآن پڑھ رہے ہیں وہ سمجھ گئے کہ اس وجہ سے ہمارے شریر افعال پر پابندی لگائی گئی ہے۔ انہوں نے کچھ دیر قرآن پاک سنا اور پھر اپنے بھائیوں کے پاس گئے اور انہیں اطلاع دی کہ: (سورۃ جن، آیت نمبر-2-1)

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۝

ترجمہ: ''ہم نے عجیب قسم کا کلام سنا ہے جو نیکی کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں"۔

پھر آگے فرمایا(: سورۃ جن، آیت نمبر-2)

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۝

ترجمہ: ''اور ہم ہرگز شرک نہ کریں گے اور نہ آئندہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں گے"۔

اس سے معلوم ہوا کے ان میں مشرک اور موحد کی تقسیم بھی تھی یعنی ان میں کچھ مشرک تھے اور کچھ موحد،

پھر آگے فرمایا: (سورۃ جن، آیت نمبر-3)

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝

ترجمہ: ''اور یقیناً ہمارے پروردگار کی شان اس سے بہت بلند ہے نہ اس نے کوئی بیوی بنائی نہ بیٹا، معلوم ہوا کہ بعض ان میں عیسائی بھی تھے''۔

(سورۃ جن، آیت نمبر-4)

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝

ترجمہ: ''اور ہم میں سے بیوقوف اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا باندھتے ہیں''۔

معلوم ہوا کہ ان میں ملحد بھی تھے جو اپنی بے وقوفی سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ کر غیر دین کو دین باور کرواتے تھے اور وحی الہی کے نام سے اپنے تخیلات فاسدہ پھیلانے کے عادی تھے۔ تاہم ان تمام باتوں کے علاوہ ان کے قدرتی حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حتیٰ کے ان سے زوجیت کا رشتہ بھی قائم کیا جاسکتا ہے لیکن بعض علمائے فقہا نے ان سے نکاح کو جائز اور بعض نے ناجائز کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ کچھ جن آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ فلاں جگہ ہم لوگ جمع ہیں آپ وعظ فرمائیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ وہاں گئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ساتھ گئے آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک دائرہ کھینچ کر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو اس سے باہر نہ نکلنے کو کہا وہ فرماتے ہیں کہ ہزاروں کی تعداد میں عجیب وغریب قماش کے لوگ اس دائرے کے باہر سے گزر رہے تھے بحرحال آپ خاتم النبیین ﷺ اس مجمع میں پہنچے اور وعظ فرمایا اور مسائل بتائے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''کوئی انسان ہڈی سے استنجا نہ کرے اور وجہ یہ بتائی کہ یہ تمہارے جنات بھائیوں کی خوراک ہے'' (صحیح مسلم)

حدیث میں ہے کہ جب آپ ہڈی سے گوشت کو کھالیتے ہیں تو یہ ہڈیاں جنات کو پُر گوشت ہو کر ملتی ہیں اس لئے نہ تو ہمیں ان کی خوراک کو ضائع کرنے کا حق ہے اور نہ ہی خواہ مخواہ ان کو تکلیف دے کر اپنی رہائشوں سے نکالنے کا ہمیں حق دیا گیا ہے۔

<u>3) حقوق ملائکہ:</u>

یہی صورت ملائکہ کی بھی ہے کہ وہ بھی اس کائنات کے باشندے ہیں کچھ آسمانوں میں رہتے ہیں اور کچھ زمین پر، عالم بالا کے ملائکہ الگ ہیں اور عالم سفلی کے ملائکہ الگ ہیں ملائکہ کو بدبو سے نفرت ہے اور خوشبو سے رغبت ہے اس لئے ایسی جگہیں جہاں ملائکہ کے اجتماعات ہوتے ہیں انہیں بدبو سے آلودہ کرنا جائز نہیں۔

مسجد میں بیٹھنے والوں کے لئے ملائکہ استغفار کرتے ہیں جب تک ان کی ریاح خارج نہ ہو اور وضو نہ ٹوٹے، ایسا ہوتے ہی ملائکہ ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ گویا ہم بدبو پھیلا کر انہیں ان کے مکان سے نکال دیتے ہیں جس کا ہمیں حق نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے ایک خاص قسم کی بدبو آتی ہے جس کی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے، (جامع ترمذی) گویا جھوٹ کی گندگی پھیلا کر ہم ان سے ان کا مکان چھین لیتے ہیں۔

ملائکہ کی غذا ذکر اللہ ہے جہاں ذکر اللہ ہوگا وہاں ملائکہ کا قیام ہوگا اور وہاں زیادہ سے زیادہ مقدار میں فرشتے حاضر رہیں گے۔

<u>4) انسان کے حقوق:</u>

چوتھی باشعور مخلوق انسان ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بھی زمین وآسمان میں حقوق دیئے ہیں کھانے پینے کا حق، رہنے کا حق، غذا کا حق، مکان کا حق، آزادی کا حق۔ زمین ان چاروں مخلوقات یعنی حیوان، جنات، ملائکہ۔ اور انسان کا مکان ہے۔ ان چاروں مخلوقات سے حق تعالیٰ کا معاملہ الگ الگ ہے حیوان سے جو معاملہ ہے وہ جنات سے نہیں۔ ملائکہ سے جو معاملہ ہے وہ انسان سے نہیں۔

<u>5) حیوان کی پیدائش سے متعلقہ مقاصد:</u>

اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو انسانوں کے منافع اٹھانے کے لئے پیدا فرمایا، جانوروں سے گوشت، اُون، سواری، ہل، دودھ اور بوجھ اٹھانے کا کام انسان لیتا ہے۔ حیوان کو اللہ تعالیٰ نے کم عقل پیدا فرمایا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بھی علم حاصل کرنے کے لئے جمع ہو جاتے۔ پس انسان حیوان کی بے عقلی سے فائدہ اٹھاتا ہے ملائکہ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا کلام بھی فرمایا لیکن ان پر کوئی شریعت نہیں اتاری جنات سے خطاب مستقل نہیں کیا گیا اور نہ ہی کوئی پیغمبر اور شریعت ان پر نازل کی گئی۔ چنانچہ ان میں جو یہودی ہیں وہ حضرت موسیٰ کے تابع ہیں جو عیسائی ہیں وہ حضرت عیسیٰ کے تابع ہیں اور جو مسلمان ہیں وہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے تابع ہیں بالفاظ دیگر ان میں نبوت نہیں رکھی گئی اور نہ ہی ان میں سے واعظ اور عالم ہونگے۔ وجہ یہ ہے کہ جیسے ملائکہ میں خیر کا جذبہ ہے شر کالعدم ہے ایسے ہی جنات میں شر کا غلبہ ہے خیر کا کم ہے اس لئے انہیں انسان کا تابع بنایا گیا تاکہ ان کی شریعت سے یہ علم وعمل کی خطاؤں سے بچ سکیں۔ اس لئے جو انبیاء بھی انسانوں میں مبعوث کئے گئے اُن کی اطاعت اِن پر لازم کی گئی۔

انسانوں سے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے خطاب بھی کیا اور شریعت بھی اُتاری۔ اس لئے انسان کو اگر علم وحی حاصل نہ ہو تو وہ انسان انسان نہ رہے گا انسان کی خصوصیات اس میں نہ ہوں گی۔ اس لئے کہ انسان نام انسانی صورت کا نہیں ہے بلکہ انسانی جوہر کا ہے اور انسانیت کا جوہر علم وحی ہے۔

یہاں ایک اہم بات نوٹ کرلی جائے گی کہ انسان کی خصوصیت مطلق علم نہیں۔ ہر قسم کے علم کو انسانی خصوصیت نہیں کہا جائے گا، کیونکہ مطلق علم یعنی علم کی کوئی نہ کوئی قسم تو قریب قریب ہر مسلمان کو حاصل ہے جانور بھی علم سے خالی نہیں ہیں۔ اس لئے مطلق علم انسان کی خصوصیت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی مطلق علم سے انسان کی فضیلت ،شرافت اور مخلوقات میں افضلیت نمایاں ہوسکتی ہے جب تک اسے کوئی ایسا علم نہ آتا ہو جو اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

آج اگر انسان دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس لئے اشرف المخلوقات ہوں کہ میں غیبی علم جانتا ہوں تو یہ علم بیاّ اور تمام پرندے بھی جانتے ہیں انسان اگر طب جانتا ہے تو جانور بھی علم طب سے واقف ہیں۔

واقعہ مشہور ہے کہ کسی جنگل میں بندر بہت زیادہ تھے ان میں سے بندروں کے ایک گروہ نے کسی بستی کا رخ کیا اور باہر سے اندر صحن میں بھی کود جاتے اور جو کچھ انہیں کھانے پینے کی چیز ملتی کھا لیتے۔ جس شخص کا گھر جنگل کے قریب تھا وہ بہت پریشان تھا اس نے ایک دن روٹیوں میں زہر ملایا اور روٹیوں کو باہر پھیلا دیا بندروں نے دیکھا کہ اتنی ساری روٹیاں بکھری پڑی ہیں انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر جنگل میں واپس چلے گئے تھوڑی ہی دیر بعد تمام بندر واپس آگئے اب ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں سبز پتوں کی ٹہنی تھی بندروں نے تمام روٹیاں جمع کی اور دیوار پر بیٹھ گئے مزے سے ایک دو نوالے روٹی کھاتے اور چند پتے کھا لیتے۔ معلوم ہے وہ کیا تھا وہ زہر کا توڑ یا تریاق تھا اب دیکھیے بندر بھی علم طب سے واقف ہیں اگر انسان فن سیاحت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ علم تو شہد کی مکھی بھی جانتی ہے مکڑی کی صفت کو دیکھیں تو انسان کی صفت اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ضروریات زندگی کا ہر فن انسان میں موجود ہے حتیٰ کہ اگر ہم سائنس کی مدد سے سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرسکتے ہیں تو کرگس اور کوّا بھی اپنی اندرونی سانس کی قوت سے اپنے پروں سے اتنی ہی بلندی پر پرواز کرسکتے ہیں۔

انسانیت کا مدار اعلوم الہیہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے علوم الہیہ ،علوم رسالت و نبوت مندرجہ بالا تمام ذی شعور مخلوق ،ملائکہ ،جنات ،حیوانات ،انسان میں سے صرف انسان کو بخشا ،باقی تین اقسام ،ملائکہ ،جنات ،حیوانات کو یہ علم نصیب نہیں ہوا۔ یا ہوا تو کسی قدر ان کے طفیل یا اس کے واسطے سے ہوا سو اس میں اصل انسان ہی رہا۔

اس سے یہ بھی نمایاں ہوگیا کہ انسانوں کی خصوصیات علوم الہیہ ہے ،علوم نبوت اور علم رسالت ہی وہ علم ہے جو انسان کے سوا کسی ذی شعور کو حاصل نہیں اس لئے اگر انسان ساری مخلوقات پر برتری اور فضیلت کا دعویٰ کرسکتا ہے تو وہ صرف علوم شرعیہ کے ذریعے کرسکتا ہے اور علم نبوی محنت اور مجاہدات سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ علم علوم طبعیہ اور عقلیہ کی طرح طبعی نہیں ہے اس لئے یہ سب علوم سے افضل ہے کیونکہ علوم طبعیہ کا انسان سے سرزد ہونا عجیب نہیں ،عجیب یہ ہے کہ اس میں ایک چیز نہ ہو اور وہ آجائے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ اکرام ؓ سے سوال فرمایا بتاؤ" ایمان عجیب کن لوگوں کا ہے"؟ صحابہ اکرام ؓ نے جواب دیا" ملائکہ کا ایمان"، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ملائکہ کو کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں ہر وقت تجلیات ربّانی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جنت دوزخ ان کے سامنے ہے وہ بھی ایمان نہ لائیں گے تو اور کون لائے گا"؟۔ پھر صحابہ اکرام ؓ نے عرض کیا" انبیاء کا ایمان زیادہ عجیب ہے"؟ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" انبیاء اکرام کو کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ رات دن تو ان پر ملائکہ اترتے ہیں اللہ کی وحی ان پر نازل ہوتی ہے جلال و جمال خداوندی ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے معجزات ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ بھی ایمان نہ لائیں گے تو کیا کریں گے"؟ پھر صحابہ اکرام ؓ نے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ پھر سب سے زیادہ عجیب ایمان ہمارا ہے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تمہیں کیا ہوا ہے جو تم ایمان نہ لاؤ گے پیغمبر تمہارے سامنے ہے معجزات تم بچشم خود دیکھتے ہو وحی تمہاری آنکھوں کے سامنے اترتی ہے تم بھی ایمان نہ لاؤ گے تو اور کون لائے گا"؟ صحابہ اکرام ؓ نے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ تو اللہ اور اللہ کا رسول جانتا ہے کہ عجیب ایمان کن لوگوں کا ہے"؟ ارشاد فرمایا" عجیب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے نہ پیغمبر ان کے سامنے ہوں گے نہ مشاہدات معجزوں کے کریں گے اور پھر شکوک و شبہات ڈالنے والے ہزاروں ہوں گے مگر پھر بھی وہ ایمان لائیں گے اور ایمان پر جمے رہیں گے بس عجیب ایمان ان لوگوں کا ہوگا"۔ (مشکوۃ)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو چیز موانع کی کثرت اور رکاوٹوں کے ہجوم میں حاصل کی جاتی ہے وہی زیادہ عجیب ہوتی ہے ورنہ اگر کسی چیز کی طرف جھکانے والے اسباب بہت ہوں، رکاوٹ بالکل نہ ہو تو اس کا حاصل کرلینا زیادہ عجیب نہیں ہوتا۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ ملائکہ اگر عبادت میں مصروف ہیں تو یہ عجیب بات نہیں کیونکہ تجلیات الٰہی تو ہمہ وقت سامنے ہیں اور رکاوٹیں بالکل نہیں ہیں، نہ ان کا کوئی کھانے پینے کا

جھگڑا، نہ بیوی بچوں کا دھندا، نہ شہوت وغضب کا قصہ، گویا عبادت کرنا فرشتوں کے حق میں ایسی بات ہے جس کو بجالانا عجیب نہیں۔ عبادت اگر عجیب ہے تو انسان کے حق میں کیونکہ وہ اپنی ساری نفسانی خواہشات اور طبی تقاضوں کو پامال کر کے اور بالفاظ دیگر اپنے نفس کا قتل کر کے رکوع اور سجود میں جاتا ہے۔

''اس لئے انسان کا ایک سجدہ فرشتوں کے ہزاروں سجدوں سے بہتر ہے''

کیونکہ فرشتے نفس کے تقاضے پر عبادت کرتے ہیں اور انسان نفس کشی سے عبادت کرتا ہے وہ صبح کے وقت گرم لحاف میں سے اٹھ کر سردی کے موسم میں وضو کر کے سجدے میں جاتا ہے، نفس اسے نیند کے لئے آمادہ کرتا ہے شیطان ورغلاتا ہے کہ سوتا رہ ابھی بہت وقت ہے اور یہ کہ نرم بستر سے نہ اُٹھ، سردی بہت ہے ہاتھ پیر کو ٹھنڈا نہ کر اپنے آپ کو کیوں بیمار کرتا ہے؟ لیکن آدمی وضو سے فارغ ہو کر سردی میں سکڑتا ہوا مسجد کی طرف دوڑتا ہے، وہ تمام طبی خواہشات پر لات مار کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل دل وجان سے کرتا ہے تو یہ مخالف نفس ملائکہ میں کہاں؟ یہ نفس کشی اور جہاد بالنفسی ملائکہ کو کہاں میسر؟ کہ وہاں نہ نفس امارہ ہے اور نہ ہوائے نفس کہ جس کا مقابلہ کیا جائے اور جہاد کر کے نفس کو پچھاڑا جائے یہ بیان کرنے میں ہم ملائکہ کی توہین نہیں کرتے ملائکہ تو اللہ تعالیٰ کے مقدس بندے ہیں جن کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُونَ ۞　　　　(سورۃ الانبیاء، آیت نمبر-26)

ترجمہ: ''(بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں)'' جن سے کبھی بھی گناہ یا معصیت کا صدور نہیں ہوتا ان کی توہین کفر ہے اور ان پر ایمان لانا واجب ہے۔

پھر دیکھئے جب قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی برتری ثابت کی تو فرشتوں نے بے ساختہ فرمایا:

سُبۡحَانَكَ لَا عِلۡمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ۞　　　　(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر-32)

ترجمہ: تو پاک ہے ہمارے پاس وہی علم ہے جتنا آپ تو نے ہمیں سکھایا اور انسان کے استنباط اور اجتہاد کو اللہ تعالیٰ نے سراہا ہے۔

پس علمی لائن میں انسان کی برتری ملائکہ پر ایک تو حکمیت علم کے لحاظ سے ہے کہ اسے تمام اسماء کی تعلیم ملی جو ملائکہ کو نہیں ملی۔

دوسرے کیفیت علم کے لحاظ سے ملائکہ اپنی معلومات میں فقہ واجتہاد سے کوئی اضافہ نہیں کر سکتے اور انسان کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے زیادہ علم بھی دیا اور انسان میں زیادہ علم حاصل کرنے کی صلاحیتیں بھی رکھ دیں۔ یہاں تک کہ جب انسان کی استعداد جامع علم کی متحمل ہوگی اور قرن ہا قرن گزرنے اور مشق کرنے کے بعد وہ ہمہ گیر علم کے لئے مستعد ہوگئیں تو آخری معلم حضرت محمدؐ خاتم الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا جنہوں نے حقائق الٰہیہ کی تعلیم دی اور علم کو مکمل کرتے ہوئے اس کے ہر ہر حکم کی علت پر مطلع فرمایا۔ جس سے انسان نے حقیقت علم کا سراغ پایا اور پھر قرآن کریم کے جامع علم سے روشن ضمیر بنا۔

پس جو خلافت حضرت آدمؑ کے دور میں ابتدائی منزل میں تھی نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں وہ اپنے انتہائی مقام پر پہنچ گئی کیونکہ اس کا منبع علم تھا۔ علم کی ابتداء علم اسماء کے ابتدائی دور میں تھا تو اس پر مبنی شدہ خلافت بھی ابتدائی ادوار میں رہی اور وہی علم جب ترقی کر کے حد کمال پر پہنچ گیا کہ اس کے بعد کسی نبی کے آنے کی ہی گنجائش نہ رہی تو نیا علم اور نئی شریعت آئے تو خلافت بھی حد کمال کو پہنچ گئی۔ چنانچہ خلافت ظاہری تو حقائق کائنات کی تسخیر ہے چاند، سورج، ستارے، سائنس، ٹیکنالوجی۔ خلافت باطنی حقائق الہٰی کی تعمیل کے لئے ہے جس کے ذریعے روحانیت کے عجائبات نمایاں ہوں تو ظاہر ہے دور محمدی خاتم النبیین ﷺ میں یہ دونوں خلافتیں حد کمال کو پہنچ گئیں۔

ایک سے ایک محیر العقول مادی ایجادات انتہا کو پہنچ رہیں ہیں جو عقل ونفس کے کمال کی دلیل ہے، اور ایک سے ایک حیرت ناک علمی وروحانی اجتہادات انتہا کو پہنچے جو تفقہ نفس کے کمال کی دلیل ہے۔ غرض تعقل اور تفقہ یا عقل نفسانی اور فقہ روحانی دونوں کمال کو پہنچ گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ساری قوتیں دے دی ہیں اس میں ملکیت بھی ہے بہیمیت بھی ہے اور شیطانیت بھی ہے تو لازمی تھا کہ یہ متضاد قوتیں آپس میں ٹکرائیں اور اس ٹکرانے سے نئے نئے افعال کا ظہور ہو جو انفرادی قوتوں سے نہیں ہوسکتا، مثلاً بہیمیت کا کام کھانا پینا اور نسل بڑھانا (حیوانیت) لیکن جب اس کے ساتھ ملکیت ٹکرا جاتی ہے تو تیسری قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کو عفت کہا جاتا ہے اور اس سے جائز وناجائز کی سینکڑوں صورتیں پیدا ہوتی ہیں کہ فلاں کھانا ناجائز ہے فلاں حرام ہے فلاں نسل کشی حلال فلاں حرام، فلاں چیز پینی جائز اور فلاں ناجائز غرض دین کے ہزاروں گوشے عفت وپاک دامنی کی بدولت کھلتے ہیں جس سے دین ودنیا ترقی کرتے ہیں تو عفت درحقیقت بہیمیت اور ملکیت کے ٹکراؤ کا نتیجہ ہے جیسے آگ اور پانی کے ٹکراؤ کا نتیجہ بھاپ ہوتا تھا۔ جس سے تمدن ترقی کرتا تھا۔ اس طرح شیطانیت کا کام دھوکا، فریب، دغابازی اور مکاری ہے اس کے ساتھ ملکیت کی عقل لڑا دو تو تدبیر اور

تدبر پیدا ہوگا۔ جس سے مکر وفریب کے بجائے عقل خیز تدابیر کا ظہور ہوگا اور مخفی تدابیر کا حسن نمایاں ہوگا اور حملہ آور سے بچاؤ کے نئے نظریات سامنے آئیں گے۔

''درندوں میں قوت غضبیہ ہے جس کا کام چیر پھاڑ ہے''

اس لئے ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی کے ہر گوشے میں اسی علم سے ہدایت حاصل کریں یعنی خلوت اور جلوت، انفرادا ور اجتماع، دوستی اور دشمنی، حکومت اور غلامی، خوشی اور غمی، راحت اور مصیبت، موت وحیات ہر لحہ پر اسی علم سے جس کا دوسرا نام شریعت ہے، رہنمائی حاصل کریں اور اپنی عقل کو اس کے خادم کی حیثیت سے ساتھ رکھیں۔ یہی قوتیں جو جہالت میں کام کرتی ہیں اب علم میں کام کریں گی۔ وہ بہیمیت جو جہالت کے ساتھ، عیاشی، بدکاری اور بے ایمانی کرواتی ہے اب شریعت کے تابع ہو کر عفت وعصمت، پاکی، پاک دامنی اور نیک وکاری پر لے آئے گی۔ وہی قوت شیطانیت بحالت جہل، ڈپلومیسی، عیاری اور شرارتوں کی طرف لاتی تھی اب تابع فرمان الٰہی ہو کر تدبیر ودانائی، دانشمندی اور عاقبت شناسی کی طرف لے آئے گی اور باالفاظ دیگر جبلت نفسانی سے نکال کر فطرت روحانی کی طرف نکال لائے گی۔

اس لئے خلاصہ یہ ہوا کہ اگر طبیعت پر عقل کی حکومت قائم کردی جائے اور عقل پر حکمرانی شریعت اور علم الٰہی کی کردی جائے تو انسان مزکّٰی، مجلّٰی، اور مقفّٰی ہوجائے گا۔ ورنہ ایک شیطان یا ایک درندہ کے سوا کچھ نہ ہوگا اور اس کا حاصل یہ نکلا کہ شریعت انسان کے کسی خلقی مادہ کو ضائع یا پامال کرنے نہیں آئی بلکہ ٹھکانے لگانے کے لئے آئی ہے تا کہ ہر قوت کو اس کا صحیح مصرف بتلا کر اس میں استعمال کروائے۔ یہی معنی ہے اسلام کے دین فطرت ہونے کا جس نے ہر قوت کو ٹھکانے لگا دیا۔ شہوت ہو یا غضب۔ بہیمیت ہو یا شیطانیت کسی کو بھی بے کار نہیں ہونے دیا بلکہ ایک خاص پروگرام پر چلا دیا۔ نیکی تو نیکی ہے شریعت نے تو کسی بدی کو بھی علی الاطلاق نہیں مٹایا بلکہ اپنے اشاروں پر چلایا ہے۔ مثلاً جھوٹ گناہ کبیرہ ہے انسان کی جبلت میں جوش کے وقت مبالغہ آمیزی اور خلاف واقعہ کلام کرجانا داخل ہے۔ شریعت نے اسے کلیۃً نہیں مٹایا بلکہ فرمایا کہ اگر دو لڑتے ہوئے بھائیوں میں جھوٹ بول کر بھی صلح کروا دو تو نہ صرف کہ یہ جائز ہے بلکہ اس پر اجر بھی ملے گا اور ایسا اجر جو نماز روزہ پر ملتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا علم بھی فرشتوں کی نسبت کامل اور جامع ہے اور اس کی عبادت بھی ان کی نسبت کامل اور جامع ہے اور بوجہ مدافعت جتنی عبادت انسان کی مضبوط ہے فرشتہ کی نہیں ہوسکتی، اب ظاہر ہے جب کامل علم انسان کا ہے تو ساری کائنات میں سے صرف انسان ہی اس بات کا مستحق تھا کہ نائب خداوندی بنے۔ اس لئے اصل بنیاد خلافت علم ہی ہے جس میں انسان حد کمال تک پہنچا ہوا ہے اس لئے اسی کو خلیفہ الٰہی بنایا گیا اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسا علم ہے جو اسے خلیفہ الٰہی کے مرتبے پر لے گیا۔ علم دو طرح کا ہے ''علم ظاہر اور علم باطن''، علم ظاہر یا مادی تعلیم سائنس وغیرہ عمدہ عمدہ سامان تو پیدا کرسکتی ہے مگر عمدہ انسان پیدا نہیں کرسکتی۔ سائنس سے باہر تو چاند ہوتا ہے مگر اندر اندھیرا ہی رہتا ہے باطن کا اجالا تو روحانی علوم سے ہوتا ہے جس کا منبع قرآن اور جس کے مبلغ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں عمدہ انسان صرف انبیاء کی لائی ہوئی تعلیم سے ہی پیدا ہوسکتے ہیں فی زمانہ سائنس اور ظاہری تعلیم بھی حاصل کرنا بہت ضروری ہے لیکن آج کل صرف اسی تعلیم یا صرف اسی علم کی طرف ساری توجہ مرکوز کردی گئی ہے۔ سائنس سے بظاہر مادیت کی ترقی ہورہی ہے مگر اندر کے جوہر تباہ ہورہے ہیں انسان نے نئی نئی ایجادات میں اپنی طاقتوں کو گم کردیا ہے اور اس کی سائنس کی محتاجی بڑھ گئی ہے۔ اگر وہ لڑنا چاہتا ہے تو لوہے، لکڑی اور پیتل کا محتاج ہے اگر دور مسافت پر پیغام یا خبر دینا چاہتا ہے تو ٹیلیفون، لاسلکی اور وائرلیس کا محتاج ہے۔ اگر کسی دور دراز مقام پر پہنچنا چاہتا ہے تو ریل موٹر کا محتاج ہے یعنی خود اپنے نفس کی اندرونی طاقتوں سے کام نہیں لے سکتا بلکہ مادی آلات و وسائل کا دست نگر ہے۔ مرد تو وہ ہیں جنھوں نے اپنے اندر وہ قوت پیدا کی کہ ہزار ہا میل کی مسافت پر بلا لاسلکی (بغیر تار کے آلات) آوازیں پہنچائیں۔ جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بیت اللہ کے بن جانے کے بعد حج کرنے کے لئے آواز لگائی تو وہ سارے عالم بلکہ عالم بالا میں گونجی۔ اور عالم ارواح تک پہنچ گئی۔

فاروق اعظمؓ نے مسجد نبوی سے ساریہؓ کو آواز دی تو وہ ڈھائی سو میل کے فاصلے پر بلا کسی تار کے پہنچی۔ مگر محض اپنی روحانی قوتوں سے نہ کہ مادی وسائل سے۔

اپنے اندر جوہر پیدا کیے جائیں، لوہے اور پیتل کے محتاج بن کے نہ رہ جائیں اسباب کے بندے نہ بنیں بلکہ مسبب الاسباب کے بندے بنیں۔ آج کا انسان صرف اس جگہ با کمال ہے جہاں مشینیں ہوں، بجلی ہو، پاور ہاؤس ہو، پٹرول ہو، جہاں یہ چیزیں نہ ہوں وہ عاجز، بے بس، اور بے کس ہے۔

انسان کامل تو وہ ہے کہ اگر ''زمین پر ہو تو تب بھی با کمال اور اگر زمین کے اندر ہو تب بھی با کمال''

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اَب بھی

****

فیض کیا ہے؟

فیض کیا ہے؟

کسی ذات سے روحانی طور پر فائدہ اٹھانے کو فیض کہتے ہیں۔

فیض کیسے حاصل کیا جاتا ہے؟

فیض حاصل کرنے کے لئے ، فیض لینے والے سے محبت، اس کا ادب اور اس کی عظمت کا دل میں ہونا ضروری ہے۔

کسی نے دعا کی ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ مجھے فیض کے خزانے عطا فرما دیجئے۔''

کسی کی ذات سے کچھ لینے کے لیے اوّل بات تو یہ ذہن نشین ہونی چاہیے کہ دل میں کوئی لالچ نہ ہو۔ اگر لالچ ہے تو پھر فیض کیسا؟

ایک آدمی نے اپنے پیر و مرشد سے کہا "حضور مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے ۔ مجھے اس کا بہت شوق ہے"۔ پیر صاحب نے کہا "نہیں تم میں ابھی اتنا ضبط نہیں ہے"، اس نے التجا کی "حضور مجھے بہت شوق ہے۔ آپ مہربانی فرمائیں"۔ پیر صاحب نے کہا "اچھا"۔ اگلے دن پیر صاحب نے اس آدمی کو بلا کر ایک ڈبیہ اس کے حوالے کی اس پر کپڑا وغیرہ چڑھا ہوا تھا۔ پیر صاحب نے کہا "یہ ڈبیہ فلاں جگہ رکھ کر آنی ہے۔ بس یہ وہاں رکھ آؤ، لیکن تم نے اس کے اندر نہیں دیکھنا ہے کہ اس میں کیا ہے؟ اگر دیکھ لوگے تو پھر تمہارے لیے بہت مشکل ہو جائے گی"۔ اس نے ڈبیہ اٹھائی تو اس کا وزن بہت ہی ہلکا تھا۔ اس کو راستے میں یہ جستجو ہوئی کہ اتنا کپڑا ڈبیہ پر لپیٹا گیا ہے۔ وزن اس کا کچھ نہیں ہے۔ اس میں ہے کیا؟ تھوڑا سا سفر طے کیا تو رہ نہ سکا۔ اس نے ڈبیہ کے منہ سے کپڑا کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک مردہ چوہیا پڑی ہے۔ اس نے اسی طرح اس پر کپڑا باندھا اور جائے مقررہ پر جا کر اس کو رکھ دیا۔ واپس آیا تو پیر و مرشد نے پوچھا "برخوردار امانت وہاں پر رکھ آئے ہو"؟ عرض کیا "جی رکھ آیا"۔ فرمایا "اسکو دیکھا تو نہیں تھا"، کہنے لگا ''اس میں دیکھنے والی چیز کیا تھی؟ ایک مردہ چوہیا ہی تو تھی''۔ پیر و مرشد نے کہا "اتنی سی بات ۔ اتنا سا راز تو تو ضبط نہ کر سکا تو تو اسم اعظم کو کیسے ضبط کرے گا"؟ اب اگر تم لالچی ہو تو فیض لے کر کیا کرو گے؟ فیض اگر لینا ہے تو اس کا مصرف بھی کوئی ہوگا؟ ورنہ فیض لینے کا فائدہ؟ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے فیض لینے کا مصرف یہ ہے کہ خود بھی عاشق رسول خاتم النبیین ﷺ اور دوسروں کو بھی عاشق رسول خاتم النبیین ﷺ بنا دے۔ نعت کا مطلب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی تعریف، اس انداز میں کرنا ہے کہ سننے والوں کے دل میں بھی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی عظمت اور شان اور محبت میں اضافہ ہو جائے۔ خود بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کا ادب کرے اور دوسروں کو بھی مودب بنا دے۔

فیض یہ ہے کہ اپنے دل سے ہر قسم کا لالچ نکال دیا جائے۔ اگر لالچ نکل جائے تو فیض از خود ہی آجاتا ہے۔ سچ ہے کہ سچی محبت میں سچی لگن میں لالچ نہیں ہوتا۔

حضرت سلیمان تونسویؒ کا ایک واقعہ ہے ان کے بیٹے کا وصال ہو گیا تھا۔ ان کے پوتے اللہ بخش تونسویؒ تھے۔ بڑے نازک مزاج، نفاست پسند، آپؒ تصوف کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان تونسویؒ کو اپنے پوتے کا بہت خیال رہتا تھا اور چاہتے تھے کہ یہ تصوف کی طرف آئیں۔ آپؒ نے توجہ فرمائی اور ایک دن اپنے پوتے کو کہا بیٹا ''اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپؒ مجھ سے کچھ حاصل کر لو''۔ عرض کیا دادا جان اگر آپؒ مجھے کچھ دینا ہی چاہتے ہیں تو مجھے اپنے فقیروں کی جوتیاں سیدھی کرنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔ فرمایا بیٹا تو نے مجھ سے غوثیت لے لی۔ یہ فیض ہے۔

فیض یہ نہیں ہے کہ ہوا میں اڑتا پھرے یہ تو مکھی بھی اڑ رہی ہے۔ پرندے بھی اُڑ رہے ہیں۔ شیطان بھی اڑ رہا ہے۔ لیکن وہ فیض یافتہ نہیں۔ حاضر ہونا، ناظر ہونا بھی فیض یافتہ نہیں، شیطان بھی حاضر و ناظر ہے، لیکن فیض یافتہ نہیں۔ پانی پر چلنا فیض یافتہ نہیں، تنکے بھی پانی پر چل رہے ہیں، تو پھر فیض کیا ہے؟ فیض یہ ہے کہ دل سے لالچ نکال کر ادب کرو۔ لالچ نکال کر خدمت کرو، جو لالچ کے ساتھ خدمت کرتے ہیں انہیں کچھ نہیں ملتا ہے۔

خواجہ غریب نوازؒ نے ایک دن اپنے ایک مرید سے کہا "کل فلاں جگہ جانا ہے"۔ کہا "اچھا حضور"۔ اب مرید نے راستے کی تیاری کی پیر و مرشد کو جو چیزیں وہاں ضرورت تھی وہ سب کچھ رکھا۔ سردیوں کے دن تھے، فکر سوار ہوئی کہ پیر و مرشد کو رات کو اگر ضرورت ہوئی تو دودھ ٹھنڈا ہوگا۔ پیر و مرشد کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ ایک مٹکا توڑا، نیچے والے حصہ میں چھوٹے چھوٹے کوئلے رکھے، جاتے وقت اوپر والے حصہ میں تھوڑے سے انگارے رکھ کر اوپر دودھ کا برتن رکھ دیا اور سر پر ایک کپڑا گول کر کے رکھا تا کہ اس مٹکے کو دودھ سمیت سر پر سیٹ کیا جا سکے۔ پھر اس مٹکے کو سر پر رکھ لیا۔ سفر شروع ہوا۔ آدھی رات کے وقت پیر و مرشد نے تھکن محسوس کی اور ایک جگہ

پر بیٹھ گئے۔ یہ پیچھے پیچھے تھے ان کو دیکھ کر یہ بھی بیٹھ گئے۔ مٹکا اتار کر ایک طرف رکھا۔ پیالہ نکالا اور برتن سے دودھ پیر و مرشد کو پیش کیا۔ تھوڑی دیر وہاں آرام کیا اور پھر منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ فجر کے وقت منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ پیر و مرشد کے بیٹھتے ہی۔ مرید نے مٹکا سر سے اتار فوراً دودھ پیالے میں ڈالا اور پیر و مرشد کو پیش کیا۔ انہوں نے کہا "امیر الدین یہ دودھ گرم کیسے ہے؟، رات بھی دودھ گرم تھا یہ کیسے گرم رہا"؟۔ انہوں نے پیچھے ہٹتے ہوئے فرمایا، "حضور بس ایسے ہی" ۔۔۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور مرید کے سر کے بالوں کو دیکھ کر کہا" برخوردار یہ کیا؟، یہ بالوں کو کیا ہوا ہے "؟ کہا" حضور بس ایسے ہی" اور ساتھ ہی ساتھ پیچھے ہٹتے رہے۔ اب پیٹھ بھی نہیں دے رہے اور پیچھے کی طرف ہٹ بھی رہے ہیں۔ حضرت معین الدین نے فوراً جا کر سر کو پکڑ لیا کہا" یہ بال کیسے جل گئے "؟ پھر دودھ کے برتن اور کوئلوں کے مٹکا کی طرف نگاہ کی اور ایک دم مرید کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور اپنا فیض ان کے سینے میں منتقل کر دیا۔

تو یہ ہے فیض جو خدمت کرتے ہیں، بغیر لالچ کے۔ وہ فیض پاتے ہیں۔ جو خدمت میں رہتے ہیں وہ نگاہ میں رہتے ہیں اور جو نگاہ میں رہتے ہیں وہ دعا میں رہتے ہیں۔ اور جو دعا میں رہیں ان کے کام بن جاتے ہیں تو خدمت اور بغیر لالچ کے خدمت ہو تو کام بن جاتا ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

تو ادب کرے تکبر نہ کرے، حسد نہ کرے۔

حضرت بابا فرید گنج بخشؒ ایک مرتبہ اپنے تین مریدوں، حضرت نظام الدین اولیاءؒ، صابر کلیری، خواجہ ہانسویؒ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں بابا فرید گنج بخشؒ کے ایک اور مرید یوسف نامی سامنے آئے اور بابا فریدؒ کے ان تینوں مریدوں کو دیکھ کر ان سے ضبط نہ ہو سکا اور کہا" آپؒ نے میرے بعد میں آنے والوں کو نواز دیا ہے اور یہ اب ہدیے وصول کرتے ہیں۔ میں کب سے آپؒ کی خدمت کر رہا ہوں مجھے آپؒ نے ابھی تک کچھ نہیں دیا"۔ بابا فریدؒ نے فرمایا" انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسکے لیے رکھ دیا ہے"۔ لیکن یوسف نامی مرید نے کہا" نہیں میں نے آپؒ کی خدمت میں بہت وقت گزارا ہے"۔ بابا فریدؒ کے ساتھ موجود مریدوں کو یوسف کی اس انداز گفتگو پر بے حد غصہ آیا لیکن بابا فریدؒ نے انہیں ہاتھ سے روک دیا اور ایک بچے سے جو سامنے سے آ رہا تھا کہا" بیٹے وہ سامنے جو اینٹوں کا ایک ڈھیر ہے اس میں سے ایک اینٹ میرے بیٹھنے کے لیے لا دو"۔ وہ بچہ فوراً وہاں گیا۔ سامنے ایک اینٹوں کا ڈھیر تھا۔ اس بچے نے دو اچھی اور خوبصورت اینٹیں وہاں سے اٹھائیں اور لا کر بابا فریدؒ کے سامنے رکھ دیں۔ بابا صاحب اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا" اب ایک اینٹ نظام الدین اولیاؒ کے لیے بھی لاؤ"۔ وہ بچہ گیا اور ایک اینٹ ان کے لیے لے آیا۔ بابا صاحب نے نظام الدینؒ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر باری باری ایک ایک اینٹ باقی دونوں مریدوں کے لیے منگوائیں اور ان کو بھی بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ پھر فرمایا "اب ایک اینٹ یوسف کے لیے بھی لاؤ"، وہ بچہ گیا اینٹوں کے ڈھیر میں اس نے کئی مرتبہ نگاہ ڈالی اور ایک آدھا اینٹ کا ٹکڑا لا کر بابا فریدؒ کے سامنے رکھ دیا۔ بابا صاحب نے اب یوسف کی طرف نگاہ کی اور فرمایا، ''میں نے تمہیں کہا ہے کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے رکھ دیا ہے''۔

تو جنہوں نے بغیر لالچ کے مرشد کی خدمت کی وہ نواز دیئے گئے اور جو ہدیے وصول کرنے کے لیے نوازشیں چاہ رہے تھے وہ رہ گئے۔ تو فیض وہ پاتے ہیں جو بغیر لالچ کے خدمت کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ نے اپنے مرید سے فرمایا" جتنی رقم تم لینا چاہتے ہو آج مجھ سے لے لو۔ میں آج تمہیں دیتا ہوں، بولو کتنی چاہیے"، مرید خاموش، فرمایا" دنیا چاہتے ہو نا لو کتنی چاہیے، بولو، لو مانگو اب کیوں نہیں مانگ رہے، مانگو"، مرید خاموش پھر ایک مرید نے کہا'' حضور ہمیں تو صرف آپ کا دامن چاہیے۔ ہمیں کسی دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا دامن ہی ہمارے لیے آخرت کی دولت ہے ہمیں یہی چاہیے، دنیا لے کر کیا کریں گے، آج نہیں تو کل ختم ہو جائے گی''۔

دولت کے پیچھے بھاگیں گے تو فیض نہیں ملے گا۔ دنیا کے پیچھے بھاگیں گے تو فیض نہیں ملے گا۔ اربوں، کھربوں کا مالک قارون تو بن سکتا ہے، فیض یافتہ نہیں ہو سکتا ہے۔ فیض یافتہ وہی ہوتا ہے جو بغیر لالچ کے ادب اور خدمت میں ہو۔ جب کسی ولی کے در پر جاؤ، حضرت داتا گنج بخشؒ کی چوکھٹ پر جاؤ، گولڑہ شریف کی درگاہ پر جاؤ، حضرت بری امامؒ کے آستانہ پر جاؤ، پاکپتن شریف جاؤ، حضرت سلطان العارفینؒ کے در پر جاؤ۔ جہاں بھی جاؤ، آستانہ عالیہ کی چوکھٹ پر حاضری دے دیں۔ تو صاحب قبر کی نوازشات اور فیض آپ کو ضرور ملے گا۔ یہ فیض کسی غرض کے بغیر صرف ولی اللہ کی عظمت کے صدقے میں نصیب ہوا کرتا ہے۔

ملائکہ میں درجہ بندی ہے، انبیاء میں درجہ بندی ہے، اولیاؒ اللہ میں بھی درجہ بندی ہے۔ کسی بھی ولی اللہ کی چوکھٹ پر ہم اللہ اور اس کے محبوب تک رسائی حاصل کرنے

کے لیے جاتے ہیں۔اور یہ بات اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کو معلوم ہوتی ہے۔اب اللہ اور رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آنے والے کی محبت اپنے لیے دیکھیں گے۔چھوٹے سے چھوٹے ولی اللہ کی چوکھٹ پر حاضری دے دیں۔بوسہ دے دیں،فیض تو اوپر سے آ رہا ہے،ولی تو وسیلہ ہے۔فیض دینے والی ذات تو آپ خاتم النبیین ﷺ ہیں،ہر چیز نور مصطفی خاتم النبیین ﷺ سے بنتی ہے،جسے یہ سمجھ آ جائے وہ فیض یافتہ ہے۔اسے اپنی نماز،روزہ،حج،سب کچھ ان کی طرف سے نظر آئے گا۔اگر بندہ عمل کو اپنا کمال سمجھے گا۔تو وہ کمال جلد نکل جائے گا تو فیض پانے کے لیے ادب،خدمت،نگاہ،ہر چیز کی بغیر لالچ کے ضرورت ہے۔اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے سوا باقی ہر چیز سے بے نیاز ہو جانا فیض پانا ہے۔جب ہم اپنی نفی کر دیں گے اور اپنی ہر چیز قوت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے سمجھیں گے تو پھر فیض یافتہ ہوں گے۔

نیک آدمی کی زیارت کفارہ گناہ ہوتی ہے۔یہ زیارت بغیر لالچ کے ہو۔نیک آدمی کی صحبت میں ایک لمحہ بیٹھنا ہزار سال کی عبادت بے ریا سے بہتر ہوتی ہے۔
محبت بغیر لالچ کے ادب کے ساتھ۔

صحابہ کرامؓ تشریف فرما تھے اور باتیں کر رہے تھے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے ہم نے کیسے کیسے فیض پائے ہیں؟۔ایک نے فرمایا "اے لوگو! آپ تو کچھ ہو میں تو ایک قاتل کے روپ میں آ رہا تھا۔میں تو آپ خاتم النبیین ﷺ کو قتل کرنے کے لیے آ رہا تھا،تلوار میرے ہاتھ میں،نعرے ہیں،رعب ہے،دبدبہ ہے،کوئی مجھے روک نہیں سکتا تھا،کوئی مجھ سے کچھ پوچھ نہیں سکتا تھا لیکن پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی نظر کرم اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فیض ایسا ملا کہ آج فاروق اعظمؓ بن گیا ہوں اور جس گلی سے میں گزر جاتا ہوں وہاں پر شیطان داخل ہونا بند کر دیتا ہے"۔اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے''۔(جامع ترمذی، حاکم المستدرک، طبرانی)

حضرت بلالؓ بولے۔" آپؓ تو طاقت ور تھے ہر کوئی آپ سے ڈرتا تھا،تلوار آپؓ کے پاس تھی،عزت،رعب،اور دبدبہ کے مالک تھے،لیکن میں تو کچھ بھی نہیں تھا،میں غلام تھا،میرا مالک مجھے ریت پر لٹا کر پوچھتا اب نام لے گا اللہ کا اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کا؟ میری ناک میں مرچوں کی دھونی دیتا،میں کچھ بھی تو نہیں تھا۔رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے نظر کرم سے آپ خاتم النبیین ﷺ کے روحانی فیض سے آج سیدنا بلالؓ بن بیٹھا ہوں''۔حضرت ابو ہریرہؓ بولے،"میرا تو حافظہ ہی نہیں تھا،میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا انہوں نے اپنی دعا سے اپنی نظر سے اپنے فیض سے مجھے اتنا حافظہ دیا کہ آج میں نو لاکھ احادیث کا راوی ہوں،اپنی ماں کے لیے میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے دعا کروائی۔اسی وقت وہ مسلمان ہو گئیں"۔حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ بولے،"میں تو ایک بزاز تھا،جانتے ہو بزاز کون ہوتا ہے؟ کپڑا اپنی کمر پر لاد کر گلی گلی بیچنے والا۔میری تو کچھ حیثیت ہی نہ تھی۔آج میں جنت کا مالک بن گیا ہوں۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے جنت کی چابیاں مجھے عطا کر دی ہیں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے تمام کے تمام علوم مجھے عطا کر دیئے ہیں۔مجھے ساری امت سے افضل کر دیا ہے"۔تو نبی خاتم النبیین ﷺ کا فیض ہر ولی پر تو اولیاء اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

اولیاء اللہ کوثر ہیں،سادات کوثر ہیں،(خیر کثیر) علماء کرام کوثر ہیں،یہ دنیا میں کوثر جاری ہے ان سے فیض حاصل کرنا ہمارا کام ہے۔خدمت میں عظمت ہے،باادب بانصیب لیکن ادب اور خدمت میں لالچ نہ ہو۔

پادری کے حضرت بایزید بسطامیؒ سے سوالات:

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں "انہیں آواز آئی فلاں جگہ یہودیوں کا میلہ ہے۔آپؒ بھی ان جیسا لباس و حلیہ بنا کر وہاں پہنچ جائیں۔آپؒ نے حکم کے مطابق حلیہ بنایا اور ان جیسا لباس پہنا اور مقررہ جگہ پر پہنچ گئے۔یہودیوں کا جو بڑا راہب تھا یا وہ عیسائیوں کا جو بڑا پادری تھا وہ آیا۔تقریر شروع کی لیکن اس سے بات نہ بنی۔خاموش ہو گیا۔لوگوں نے کہا" حضور کیا آپ بیمار ہیں،کوئی تکلیف محسوس کر رہے ہیں "؟ انہوں نے کہا" نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں،لیکن میرا علم سلب ہو گیا ہے''۔پوچھا" آپ کا علم کیسے ختم ہو گیا"؟ کہنے لگا" اس مجلس میں کوئی محمدی بیٹھا ہوا ہے۔اس کے نور سے میرا علم سلب ہو گیا"۔لوگوں نے کہا" اس کو ڈھونڈو۔اس سے نمٹتے ہیں"۔اس نے کہا کہ ''سب ایک ہی جیسے ہیں میں کس کو محمدی سمجھوں۔لیکن یہ بات ضرور ہے کہ میں اس کے نور سے بجھ گیا ہوں''۔پھر اس نے کہا ''اے محمدی تجھے تیرے نبی خاتم النبیین ﷺ کا واسطہ،تجھے تیرے نبی خاتم النبیین ﷺ کے نام کی قسم ہے تو کھڑا ہو جا''۔حضرت بایزید بسطامیؒ کھڑے ہو گئے۔لوگ آپؒ کو دیکھتے ہی طیش میں آ گئے۔آپؒ کی طرف بڑھے لیکن پادری نے کہا" ٹھہرو ٹھہرو۔اس سے پوچھتے ہیں کہ اس کے پاس اتنا نور ہے تو اس کے پاس علم بھی ہو گا۔اس سے پوچھتے ہیں کہ اس کے پاس کونسا علم ہے"؟ پادری نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے بہت مشکل مشکل سوالات پوچھے۔مثلاً

1۔ وہ کون ہے؟ جس کا کوئی دوسرا نہیں؟

آپؐ نے کہا "وہ اللہ واحد قہار ہے"۔

2۔ وہ دو بتاؤ جس کا تیسرا نہ ہو؟

وہ رات اور دن ہیں (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 21)

3۔ وہ تین بتاؤ جس کا چوتھا نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا "وہ عرش، کرسی اور قلم ہیں"۔

4۔ وہ چار بتاؤ جس کا پانچواں نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا "وہ تورات، زبور، انجیل اور قرآن پاک ہیں"۔

5۔ وہ پانچ بتاؤ جس کا چھٹا نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا "وہ پانچ فرض نمازیں ہیں"۔

6۔ وہ چھ بتاؤ جن کا ساتواں نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا "وہ چھ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا فرمایا"۔ (سورہ ق، آیت نمبر 38)

7۔ وہ سات بتاؤ جن کا آٹھواں نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا: "وہ سات آسمان ہیں"۔ (سورہ الملک، آیت نمبر 3)

8۔ وہ آٹھ بتاؤ جن کا نواں نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا "وہ عرش کو اُٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں"۔

9۔ وہ نو بتاؤ جن کا دسواں نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا "وہ بنی اسرائیل کے نو فسادی شخص تھے"۔ (سورہ نمل، آیت نمبر 48)

10۔ وہ دس بتاؤ جن کا گیارہواں نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا "وہ حج تمتع کرنے والے پر دس فرض روزے ہیں جن کو قربانی کی طاقت نہ ہو وہ یہ روزے رکھتے ہیں"۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 196)

11۔ وہ گیارہواں بتاؤ جن کا بارہواں نہیں؟

آپؐ نے فرمایا: " وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں"۔ (سوہ یوسف، آیت نمبر 4)

12۔ وہ بارہ بتاؤ جن کا تیرواں نہیں ہے؟

آپؐ نے فرمایا: "وہ مہینوں کی گنتی ہے"۔

13۔ وہ تیرواں بتاؤ جن کا چودواں نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا "وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب ہے"۔ (سورہ یوسف، آیت نمبر 5)

4 ۔ وہ قوم بتاؤ جو جھوٹی ہے اور جنت میں جائے گی؟

آپؐ نے فرمایا: "وہ حضرت یوسف کے بھائی ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکی خطا معاف فرمادی"۔

15۔ وہ قوم بتاؤ جو سچی ہے اور دوزخ میں جائے گی؟

آپؐ نے فرمایا "وہ یہود و نصارٰی کی قوم ہے"۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 113)

ترجمہ: "تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کو غلط بتانے میں سچا ہے۔ لیکن دوزخ میں جائیں گے"۔

16۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے جسم میں کون سی جگہ تمہارے نام کی قرار گاہ ہے؟
آپؐ نے فرمایا "میرے کان میرے نام کی قرار گاہ ہیں"۔

17۔ اَلذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا کیا ہے؟
آپؐ نے فرمایا "یہ چار ہوائیں ہیں۔ مشرقی، مغربی، شمالی اور جنوبی"۔

18۔ الحَامِلَاتِ وَقۡرًا کیا ہے؟
آپؐ نے فرمایا "یہ بادل ہیں"۔

19۔ الجَارِیٰتِ یُسۡرًا کیا ہے؟
آپؐ نے فرمایا "یہ سمندر میں چلنے والی کشتیاں ہیں"۔

20۔ اَلۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا کیا ہے؟
آپؐ نے فرمایا "یہ وہ فرشتے ہیں جو 15 شعبان سے دوسرے 15 شعبان تک لوگوں کا رزق تقسیم کرتے ہیں"۔

21۔ وہ بتاؤ جو بے جان ہو اور سانس لے؟
آپؐ نے فرمایا "وہ صبح ہے"۔

22۔ وہ چودہ بتاؤ جنہوں نے رب العالمین سے گفتگو کی؟
آپؐ نے فرمایا "وہ سات آسمان اور سات زمینیں ہیں"۔ (سورہ حٰم۔سجدہ آیت 11)

23۔ وہ قبر بتاؤ جو مقبور کو لے کر چلی؟
آپؐ نے فرمایا "وہ یونس کو نگلنے والی مچھلی ہے"۔

24۔ وہ پانی بتاؤ جو نہ آسمان سے نازل ہوا نہ سمندر سے نکلا؟
آپؐ نے فرمایا "وہ پانی گھوڑے کا پسینہ تھا جو ملکہ بلقیس نے آزمائش کے طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا"۔

25۔ وہ چار جاندار جو نہ باپ کی پشت سے اور نہ ماں کے شکم سے پیدا ہوئے؟
آپؐ نے فرمایا "وہ حضرت اسماعیلؑ کے بجائے ذبح ہونے والا ذنبہ اور حضرت صالحؑ کی اونٹنی، حضرت آدمؑ اور حضرت حوا علیہ السلام ہیں"۔

26۔ وہ پہلا خون جو زمین پر بہایا گیا؟
آپؐ نے فرمایا "وہ ناحق خون حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کا تھا جن کو اُن کے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا"۔

27۔ وہ کیا چیز ہے جو اللہ نے پیدا کی اور خود ہی اُس کو خرید لیا؟
آپؐ نے فرمایا "وہ مومن کی جان ہے"۔ (سورہ توبہ آیت نمبر 111)

28۔ وہ آواز بتاؤ جو اللہ نے پیدا کی پھر اُسے ناپسند فرمایا۔
وہ گدھے کی آواز ہے۔ (سورہ لقمان آیت نمبر 19)

29۔ وہ چیز بتاؤ جو رب نے پیدا کی اور پھر اُسے بُرا کہا
آپؐ نے فرمایا "وہ عورتوں کا مکر ہے"۔ (سورہ یوسف آیت نمبر 28)

30۔ کونسی عورتیں دنیا بھر کی عورتوں سے افضل ہیں؟
آپؐ نے فرمایا "وہ حضرت حوا، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت آسیہؑ اور حضرت مریم علیہ السلام ہیں"۔

31۔ کونسا پہاڑ سب سے افضل ہے؟
آپؐ نے فرمایا "وہ کوہ طور ہے"۔

32۔ کونسا جانور افضل ہے؟

آپؒ نے فرمایا" وہ گھوڑا ہے"۔

33۔ مہینوں میں افضل مہینہ کونسا ہے؟

آپؒ نے فرمایا" وہ ماہ رمضان ہے"۔

34۔ راتوں میں افضل رات کونسی ہے؟

آپؒ نے فرمایا" وہ لیلتہ القدر ہے"۔(سورۃ القدر آیت نمبر 3)

35۔ "محامہ" کیا ہے؟

آپؒ نے فرمایا" وہ قیامت کا دن ہے"۔

36۔ ایسا درخت بتاؤ جس کی بارہ ٹہنیاں اور ہر ٹہنی کے تیس پتے ہیں اور ہر پتے پر پانچ پھول ہیں۔جن میں سے دو پھول دھوپ میں اور تین سائے میں ہوتے ہیں؟

آپؒ نے فرمایا" وہ درخت سال ہے بارہ ٹہنیاں اس کے بارہ ماہ ہیں اور تیس پتے ہر مہینے کے تیس دن ہیں۔ ہر پتے پر پانچ پھول ہر روز کی نمازیں ہیں۔ دو نمازیں ظہر اور عصر کتاب کی روشنی میں پڑھی جاتی ہیں اور باقی تین اندھیرے ہیں"۔

37۔ وہ چیز بتاؤ جو بے جان تھی اور اُس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا؟

آپؒ نے فرمایا" وہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے"۔

38۔ اللہ نے کتنے نبی اور کتنے رسول پیدا فرمائے؟

آپؒ نے فرمایا" کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں ان میں سے تین سو تیرا رسول ہیں اور باقی غیر رسول"۔

39۔ وہ چار چیزیں بتاؤ جن کا رنگ اور ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔حالانکہ چاروں کی جڑ ایک ہے؟

آپؒ نے فرمایا" وہ آنکھیں، کان، منہ اور ناک ہیں۔مغز ان کی جڑ ہے۔آنکھ کا پانی نمکین، منہ کا میٹھا، ناک کا ترش اور کان کا پانی کڑوا ہے"۔

40۔ بیل جب بولتا ہے تو کیا کہتا ہے؟

آپؒ نے فرمایا" بیل کہتا ہے ''سبحان اللہ وبحمدہٖ''

41۔ اونٹ کیا کہتا ہے؟

اُونٹ کہتا ہے ''حَسْبِیَ اللّٰہُ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا''

42۔ تیتر کیا کہتا ہے؟

تیتر کہتا ہے۔''ادلے کا بدلہ'' (یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے)

43۔ مینڈک اپنی تسبیح میں کیا کہتا ہے؟

مینڈک کہتا ہے۔''اللہ کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے وہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

44۔ وہ کونسی قوم ہے جن پر وحی آئی حالانکہ وہ نہ انسان ہیں نہ فرشتے؟

آپؒ نے فرمایا" وہ شہد کی مکھیاں ہیں"۔

غرض اُس بڑے پادری نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے 120 سوالات کیئے اور آپؒ نے سب کے جوابات دیئے۔ پھر آپؒ نے اُن سے کہا" میں نے تمھارے تمام سوالات کے جواب دے دیئے ہیں۔اَب میں تم سے ایک سوال پوچھتا ہوں تم اُس کا جواب دے دو اور وہ یہ ہے کہ'' آسمانوں کی کنجی اور جنت کی کنجی کونسی چیز ہے''؟ وہ پادری خاموش کھڑا رہا۔تمام چھوٹے پادری اُس کا منہ دیکھنے لگے۔ پھر اُن لوگوں نے پادری کو مخاطب کر کے کہا" اس شخص نے آپ کے تمام سوالات کے جواب دیئے ہیں کیا آپ اِس کے ایک سوال کا جواب بھی نہیں دے سکتے"؟ بڑے پادری نے کہا" اِس شخص کے سوال کا جواب مجھے آتا ہے۔لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں اس کے سوال کا

جواب دے دوں گا تو تم میری موافقت نہیں کرو گے "۔ تمام لوگوں نے مل کر کہا" آپ ہمارے پیشوا ہیں ہم ضرور آپ کی موافقت کریں گے "۔ اِس پر بڑے پادری نے کہا" آسمانوں اور بہشت کی کنجی لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ ہے "اور تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے اپنے زنار توڑ دیئے۔ (عیسائی اور یہودی اپنے لباس پر ایک پٹکا سا پہنتے ہیں) غیب سے آواز آئی:

"اے بایزید ہم نے تمہیں ایک زنار پہننے کا حکم اِس لیئے دیا تھا تا کہ 500 زنار ٹڑوائیں''۔

اَب بات سمجھ میں آئی کہ اولیاء اللہ بڑے ہی مرتبے والے ہوتے ہیں۔ یہ فیض دینے والے ہوتے ہیں۔ یہ فیض بانٹتے ہیں۔ ان کی صحبت میں نور کے فوارے پھوٹتے ہیں۔ یہ تمام عیسائی تھوڑی ہی دیر کے لیئے ولی کی صحبت میں بیٹھے تھے تو پھر کیا ہوا؟ ولی کی صحبت ولی کے جوابات ایک طرف تھے اور اُن کی سال ہا سال کی عبادت اور مجاہدے ایک طرف۔ یہ سب بے کار ہو گئے اور ولی کی صحبت کام کر گئی۔ ان سب نے جنت کے دروازے کی کنجی حاصل کر لی۔ حضرت بایزیدؒ فرمایا کرتے تھے ''جو مجھے دیکھ لے وہ کافر نہیں رہ سکتا''۔ ایک قول ہے "بزرگوں کی زیارت کفارہ گناہ ہے"۔ بزرگوں کی صحبت میں نزول رحمت ہوتی ہے۔ کیا ہم میں سے کسی نے بایزید بسطامیؒ کو دیکھا ہے؟ کیا وہ ہم میں سے کسی کے رشتہ دار ہیں؟

صرف اور صرف نسبت محمدی خاتم النبیین ﷺ کی وجہ سے اُن کے ذکر سے نزول رحمت ہوتی ہے۔ اور نزول رحمت سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ یہ اولیاء اللہ شیطان کا وار ہم پر نہیں ہونے دیتے۔ یہ وہ "ستے خیراں" ہے جو کہیں اور سے نہیں مل سکتی۔

جو لوگ فیض کے سلسلے بدلتے ہیں وہ لوگ کہیں کے نہیں رہتے۔ اس لئے یہ فیصلہ مستقل کر لیا جائے کہ ہم نے فیض کہاں سے لینا ہے۔ پھر اس سلسلے میں جو استقامت ہوگی وہ ہمیں فیض ضرور دلا دے گی۔ توفیق کہاں سے ملتا ہے؟ استقامت سے ملتا ہے۔ سب سے بڑی کرامت کون سی ہے؟ استقامت! استقامت سے فیض ملتا ہے۔ اس لئے کسی ایک کی اطاعت شروع کر دیں تو ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ زندگی کس نہج (طریقے) سے گزارنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے عین مطابق ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کی زندگیوں کو ہمارے لیئے نعمت سے کم نہیں بنایا یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنعَمتَ عَلَیہِم

اگر **انعَمتَ عَلَیہِم** کا اشارہ صرف صحابہ کرامؓ سے لے کر تبعہ تابعین تک ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے بعد اسلام میں ہدایت کا راستہ ہی بند ہو گیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ، عقل اور فہم عطا فرمائے (آمین)

****

فیض رسانی (اصل قربانی)

صوفیاءِ کرام ایثار کرتے ہیں۔ دنیا میں ان سے زیادہ اوران سے بڑا ایثار کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

وہ جو فیض دیتے ہیں۔ وہ ان کا ایثار ہے۔ بندہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ کیسا ایثار ہے کہ ایثار کرنے والے کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا اور یثار ہو رہا ہوتا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ جس طرف فیض دینا ہو اس طرف توجہ دینا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ ولایت تو توجہ الی اللہ کا نام ہے۔ یعنی مخلوق سے بے نیاز ہوجانا۔ مخلوق سے توجہ ہٹانا۔ اور متوجہ الی اللہ ہوجانا ولایت ہے۔ یعنی ولایت توجہ الی اللہ ہے لہذا جب اللہ والے مخلوق کو فیض دینے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو وہ اپنی توجہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اوپر سے کچھ توجہ ہٹاتے ہیں۔ اپنا نقصان کرتے ہیں (ایثار کرتے ہیں) اور اللہ کی مخلوق کو عطا کرتے ہیں۔ جب اپنی توجہ اوپر سے ہٹاتے ہیں۔ اور مخلوق کو دینے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو اس سے بڑی قربانی اور کیا ہوگی؟

ولایت توجہ الی اللہ ہے اور نبوت ورسالت توجہ الی الخلق ہے یعنی توجہ من الخالق الی الخلق

رب سے وصول کر کے مخلوق کو ہدایت دینے کے لئے متوجہ ہونا گویا نبوت ورسالت، اللہ سے وصول کر کے مخلوق کو دینے کا نام ہے۔ نبوت ورسالت کے اعلان سے قبل نبی کریم خاتم النبیین ﷺ غار حرا میں تیس تیس اور چالیس چالیس راتیں بسر کرتے تھے۔ کھانا پینا بھول جاتے اور ایک بے خودی کے عالم میں غار حرا میں دن گزارتے تھے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور کریم خاتم النبیین ﷺ کو خلوت محبوب بنا دی گئی تھی۔ (صحیح بخاری، جلد 1، رقم 3) یعنی غلبہ ولایت ہوا اور غار حرا میں خلوت نشینی کرنے لگے۔ **خلق کی ہدایت کے لئے نبوت جلوت چاہتی ہے، ظہور چاہتی ہے۔ جبکہ ولایت مولیٰ سے متعلق کے لئے اخفاء اور خلوت چاہتی ہے۔**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر جب احوال ولایت کا غلبہ ہوگیا تو پھر کھانا پینا بھی بھول گئے۔ پھر اس حال میں حق ظاہر ہوا اور فریضہ رسالت سپرد ہوا اور ساتھ ہی یہ حکم ہوا۔

(سورہ مدثر آیت نمبر 1۔2۔3)

ترجمہ: "اے چادر اڑھنے والے (حبیب) اٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیں اور اپنے رب کی بڑائی (اور عظمت) بیان فرمائیں"۔

اس حکم کی تعمیل میں کوہ صفا پر لوگوں کو جمع کیا اور مخلوق کو راہ ہدایت پر لانے میں مصروف ہوگئے۔ پھر خلوت نشینی نہ رہی۔

جب نبوت ورسالت کے فریضہ کی ادائیگی شروع ہوگئی۔ تو پھر کبھی مکہ کی گلیوں میں اور طائف کے بازاروں میں اور کبھی حرم کے صحن میں اور کبھی شعب ابی طالب میں، کبھی دار ارقم میں، کبھی منیٰ اور کبھی عرفات میں بس دعوت ہے۔ مخلوق کے ساتھ واسطہ ہے ان کی ہدایت ہے اور لوگوں کو دوزخ سے بچا کر جنت کی طرف لے جانے کی تدابیر اور کوششیں ہیں۔ اب خلوت نہیں رہی، وہ تنہائی نہ رہی، اللہ کی طرف وہ توجہ نہ رہی وہ کیفیات ہی نہ رہیں اور جب ماحول ہی نہ رہا۔ تو اب رات دن حکم کی تعمیل ہے اور مخلوق سے واسطہ ہے۔ تو اندر ایک بوجھ سار ہنے لگا۔ تو اس بوجھ کو اللہ نے یہ کہہ کر اتارا۔ (سورہ الم نشرح آیت نمبر 3-2)

وَوَضَعۡنَا عَنكَ وِزۡرَكَ ۝ ٱلَّذِيٓ أَنقَضَ ظَهۡرَكَ ۝

ترجمہ: "ہم نے آپ (خاتم النبیین ﷺ) سے آپ کا بوجھ اتار دیا جو آپ کی پشت پر گراں تھا"۔

وہ بوجھ کیا تھا؟ وہ بدبخت ہے جو معاذ اللہ گناہوں کا بوجھ سمجھے۔ وہ خلوت کے مزے اور تعلق باللہ کٹ جانے کا بوجھ تھا۔ وہ بوجھ جلوت اور خلوت کا فرق تھا۔

اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (سورہ الم نشرح آیت نمبر 1)

أَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝

ترجمہ: ''کیا ہم نے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟''

فرمایا اے محبوب ہمیں معلوم ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو غار حرا کی خلوتوں، تنہائیوں میں لطف آتا تھا۔ حرا کے اندھیروں میں مزہ آتا تھا۔ سرشاریوں کی کیفیت تھی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہماری خاطر وہ سرشاریاں چھوڑ دیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے میرے حکم پر دوزخ کی طرف جانے اور گرنے والی مخلوق کو

بچایا اوران کو ہدایت کا راستہ دکھا کر جنت کی راہ دکھائی۔طائف میں میری خاطر پتھر کھائے۔شعب ابی طالب میں قید کی صعوبتیں برداشت کی۔ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا ہے۔یعنی سینہ کھول کر وہ مقام آپ کو عطا کر دیا کہ مخلوق کی طرف توجہ دینے کی وجہ سے خالق پر جو توجہ نہ دینے کا بوجھ آپ خاتم النبیین ﷺ کے سینے پر تھا وہ ہم نے اتار دیا۔ہم نے آپ خاتم النبیین ﷺ کا سینہ کھول دیا۔اب جہاں بھی رہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ صحن حرم کے ہجوم میں یا مکہ کی وادیوں میں رہیں۔آب شعب ابی طالب کی گھاٹیوں میں رہیں یا طائف کے بازاروں میں رہیں۔اب آپ خاتم النبیین ﷺ کا حال ہمہ وقت اس طرح ہے۔(سورہ نجم، آیت نمبر 9-8)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ

ترجمہ:"پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا-تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے رتبہ کے مطابق آپ خاتم النبیین ﷺ کو شرح صدر عطا فرمائی۔

شرح صدر مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ اور شرح صدر اولیاء کرام:

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ سے شرح صدر کا یہ فیض اولیاء، علماء اور صلحاء کو بھی نصیب ہوا۔

ارشاد ہے:(سورہ زمر، آیت نمبر 22)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

ترجمہ:''بھلا اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا ہو"۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ اور اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ میں صدرک اور صدرہ میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں، ولیوں اور اہل اللہ کا سینہ کھولا اور دوسری طرف حضور کریم خاتم النبیین ﷺ کا سینہ اقدس کھولا مگر ان دونوں انشراح صدر میں فرق ہے۔

یہ فرق مدارج کا نہیں ہے۔(درجوں کا نہیں) ماہیت کا فرق ہے۔

مومنین، اولیاء اور صلحاء کے لئے اور عرفاء کے لئے فرمایا گیا ہے کہ ان کا سینہ کھولنا اسلام کے لئے ہے۔اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

یعنی اسرار اسلام، معارف، اور علوم لدنی عطاء فرما دیئے-ان حضرات کا سینہ کھل جانے کے بعد اب وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ کتابوں میں نہیں ہوتا بلکہ وہ ملاء اعلیٰ سے ہوتا ہے۔

گویا جب آیت مبارکہ کی مدد سے آپ خاتم النبیین ﷺ کا سینہ کھولا جا رہا ہے۔تو اس کے معنی اور مطلب کچھ ہیں۔یہ درجوں کا فرق نہیں ہے(کہ اسلام کے لئے سینے کے کھلنے میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے اور بعد میں اور لوگوں کے مراتب ہیں) یہ ماہیت کا فرق ہے۔

اے محبوب اسلام تو آپ کو پہلے ہی محبوب ہے آپ خاتم النبیین ﷺ کا سینہ اسلام کے لئے کیا کھولنا؟ اسلام تو بنایا ہی آپ خاتم النبیین ﷺ کے لئے ہے۔اسلام تو بنتا ہی آپ خاتم النبیین ﷺ کے چلن سے ہے۔اسلام تو بنا ہی آپ خاتم النبیین ﷺ کے اخلاق سے ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ جو کہہ دیتے ہیں وہ ہی اسلام ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے منہ پر تو رب بولتا ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ جس کو ہاں کہہ دیتے ہیں وہ اسلام جس کو نہ کہا وہ اسلام سے خارج۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے زبان کھلنے کو تو خود اسلام دیکھتا رہتا ہے۔تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے سینے مبارک کو اسلام کے لئے کیا کھولنا؟

ہم نے کہا نہ کہ یہ ماہیت کا فرق ہے یہ درجات کا فرق نہیں ہے-

حضور کریم خاتم النبیین ﷺ کا سینہ کھلنے کے ذکر میں فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ

اولیاء کرام کا سینہ کھلنے کے ذکر میں فرمایا:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

یعنی آپ خاتم النبیین ﷺ کے علاوہ باقی سب کا سینہ اسلام کے لئے کھولا گیا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا سینہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے لئے کھولا گیا۔

یعنی ایسی کوئی ذاتی ضروریات اور ذاتی مسئلہ تھا جس کے لئے آپ خاتم النبیین ﷺ کا سینہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے لئے کھولا گیا۔

وہ ذاتی ضرورت اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ حضور کریم خاتم النبیین ﷺ فرما رہے ہیں کہ باری تعالیٰ تیرے حکم کے لئے پھرتا ہوں۔ مگر وہ خلوتوں کی سرشاریاں نہ رہیں۔ وہ جو تنہائیوں کی لذتیں تھی وہ نہ رہیں۔ مالک یہ تیرا حکم ہے اور میں اس کو پورا کر کے خوش ہوں۔ مگر من کی سرشاریاں جو غار حرا میں میسر تھیں وہ اب نہ رہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کا بوجھ اتار دیا۔ کہ اب آپ خاتم النبیین ﷺ ساری زندگی مخلوق میں گزاریں۔ لیکن آپ خاتم النبیین ﷺ کا حال وہ ہی رہے گا جو معراج پر تھا۔ یعنی سورہ نجم والی آیت ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى پر بیٹھنے میں ہے۔ اب تو آپ کا حال غار والے حال سے بھی اونچا ہو گیا ہے۔ اب آپ خاتم النبیین ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ معراج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ معراج جس کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے۔ وہ تو امت کو بتانے کے لئے ہے۔ حضور کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات کا تو ہر لمحہ معراج ہے۔

ولایت چونکہ توجہ الی اللہ کا نام ہے۔ لہذا جن کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کے دلوں کو وہاں سے ہٹانا پڑتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی ذات میں غرق ہوتے ہیں۔ ان کو اس توجہ کا ہٹانا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ دنیا کا خسارہ ان کا خسارہ نہیں ہوتا۔ دنیا میں تو انہوں نے دل لگایا ہی نہیں۔ مال آیا تو خوشی نہیں۔ مال چلا گیا تو غم نہیں۔ اولاد مل گئی تو خوشی نہیں نہ ملی تو غم نہیں۔ یہ تو ہم جیسے دنیاداروں کے دھندے ہیں۔ جن کے دل اللہ تعالیٰ سے جڑ جائیں۔ ان کو یہ دھندے اور یہ سود زیاں نہیں ہوتے۔ ان کا خسارہ یہ ہے کہ دھیان ادھر سے ہٹ جائے یہ اس کو غفلت اور گناہ خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ عوام کی توبہ گناہ پر اور خواص کی توبہ غفلت پر ہے۔ ان کو تو پل دو پل کی غفلت بھی گوارا نہیں ہوتی۔

بات یہ ہو رہی ہے کہ کسی کو فیض دینے کے لئے دھیان ادھر سے ہٹانا پڑتا ہے۔ بس اللہ والے جب کسی کو فیض دینے کے لئے دھیان اس طرف سے ہٹا کر اس بندے کو دھیان دیتے ہیں تو کچھ دھیان تقسیم ہوتا ہے۔ اوروں کو فیض یاب کرنے کے لئے اپنا خسارہ برداشت کرتے ہیں۔ **پس یہی ان کا ایثار ہے۔**

یہاں ایک مجذوب کی مثال سے اس معاملے کو واضح کیا جاتا ہے۔ مجذوب وہ جو اللہ کا قرب کی تلاش میں اس قدر قریب ہو گئے کہ جب ان پر نظر تجلی ڈال گئی۔ تو ان کا شیشہ عقل ٹوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ مجذوب اس وجہ سے خلق کی خدمت کے قابل نہیں رہتے یعنی یہ رشد وہدایت کا فریضہ انجام دینے کے قابل نہیں رہتے۔

مولانا غوث محمد شاہ قلندر پانی پتی نے بیان کیا ہے کہ ''میں نوعمر تھا اپنے شیخ کے ساتھ سفر پر کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں جنگل تھا۔ اس جنگل میں دو مجذوب اس حالت میں لیٹے ہوئے تھے کہ ان دونوں کے اوپر آگ کے انگارے تھے۔ لیکن دونوں کی حالت میں فرق تھا۔ آگ کی وجہ سے ایک کے کپڑے، گوشت، پوست سب کچھ جل گیا تھا اور خون اور چربی پیپ کی طرح بہہ رہے تھے۔ جبکہ دوسرے مجذوب کے اوپر بھی آگ کے شعلے جل رہے تھے۔ مگر جسم کیا جلتا اس کے تو کپڑے بھی سلامت تھے۔ میرے شیخ نے مجھ سے پوچھا ''بیٹا بتاؤ ان دونوں میں زیادہ کامل ولی کون ہے"؟ میں چھوٹا تھا۔ لہذا میری توجہ فوراً کرامت کی طرف گئی۔ اس لئے کہ ہم کمال کرامت ہی کو سمجھتے ہیں اور ہمارا سارا دھیان کرامت ہی کی طرف ہوتا ہے۔ جبکہ اولیاء اللہ کو جتنی حیاء کرامت کے ظاہر کرنے میں آتی ہے اور کسی چیز میں اتنی حیاء آتی ہی نہیں۔ اور جو اولیاء اللہ کرامت ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اذن الٰہی یا کسی خاص وجہ اور خاص مجبوری کے تحت ایسا کرتے ہیں۔ جبکہ ان کی اپنی طبیعت کبھی بھی کرامت ظاہر کرنے کو نہیں چاہتی وہ کرامت ظاہر کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا" جس کے کپڑے آگ کے شعلوں میں نہیں جل رہے اور اس کو آگ کی شعلوں سے کوئی نقصان نہیں ہو رہا ہے وہ ہی بڑا کامل ولی ہے"۔ شیخ مسکرائے اور کہا ''نہیں بیٹے جس کے کپڑے بھی نہیں جلے یہ حالت جذب میں ناقص ہے اور جس کے کپڑے بھی جل گئے اور جسم سے خون، چربی اور پیپ بہہ رہا ہے۔ وہ اپنے جذب میں کامل ہے"۔ میں نے پوچھا'' کیسے "؟ فرمانے لگے'' آگ کا کام جلانا ہے۔ ایک مجذوب پر آگ جل رہی ہے مگر اسے جلا نہیں رہی گویا کوئی ایسی چیز ہے جو آگ کو جلانے سے روکے ہوئے ہے۔ یہ چیز اس کی توجہ ہے۔ جو آگ کو جلانے نہیں دے رہی۔ جبکہ دوسری طرف سب کچھ جل گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آگ اپنا کام کئے جاری ہے اور اس مجذوب نے اپنی توجہ آگ کو جلانے سے روکنے کی طرف نہیں کی۔ بلکہ اپنی توجہ کو اپنے رب ہی کی طرف مبذول رکھا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو مجذوب توجہ کر کے آگ جلانے سے روک رہا ہے اس کا جذب ناقص ہے کیونکہ اس کی کچھ توجہ اللہ کی طرف ہے اور کچھ اپنے جسم کو بچانے کی طرف ہے اس لئے تو جسم بچ رہا ہے۔ اس کی توجہ ابھی بٹی ہوئی ہے۔ تو جذب ناقص ہے۔ دوسرے کا جذب کامل ہے۔ کہ اللہ کی طرف توجہ میں اتنا جذب ہو چکا ہے کہ خود جل گیا، چربی پگل گئی مگر اس کو ہوش ہی نہیں آیا۔ کیونکہ توجہ مالک کی طرف اتنی جذب ہو چکی ہے کہ اب اپنا ہوش کہاں"؟

یہ ایک مجذوب کی مثال ہے مگر اس سے یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ آتا ہے کہ اولیاء اللہ جب کسی کو فیض دیتے ہیں تو بہت بڑی قربانی ہوتی ہے۔ مگر کسی کو کیا خبر؟ لینے

والے نے سمجھا کہ میرا حق تھا میں نے لے لیا۔ کسی کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کتنی قربانی سے فیض دیا اور توجہ کی لیکن !اوپر مالک حقیقی اس قربانی اور اس توجہ کو خوب جانتا ہے وہ اس ایثار اور قربانی کی خوب قدر کرنے والا ہے۔

کئی اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ وصال کے بعد توجہ مخلوق کی طرف نہیں رکھتے۔ پوری توجہ مولائے اعلی کی طرف کر لیتے ہیں۔ اور پھر ان کی قبور سے فیض نہیں ملتا آنے والوں کو ثواب ملتا ہے۔ جبکہ کئی اولیاء کمال اونچے درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ جنہیں عمر بھر قربانی کی عادت پڑی ہوتی ہے وہ بعد از وصال بھی ایثار کرتے ہیں۔ وہ بعد از وصال مولائے اعلی کو طرف سرشار بھی رہتے ہیں۔ اور آنے والے کو بقدر نصیب اس کا حصہ بھی دیتے رہتے ہیں۔

قربانی اور ہمارا ردِ عمل:۔

اس لئے قربانی صرف جان ہی کی قربانی نہیں ہوتی۔ بلکہ جان مال، وقت، خواہشات، توجہ الغرض ہر شے کی قربانی ہوتی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو کاروبار کو وقت دیتے ہیں۔ روزگار، مال و دولت اور دنیا کمانے کے وقت دیتے ہیں۔ دین نبوی خاتم النبیین ﷺ پر کافروں، منافقوں اور فاسقوں، بے ایمانوں، مکاروں، عیاروں، بے شرموں اور بے حیاؤں کے ہر سمت سے حملے ہیں۔ غیرت دین ختم ہو رہی ہے۔ اقدار دین مسمار کی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں کے اندر دین اور ایمان کی رمق ختم ہونے کو ہے۔

مسلمانوں کی پوری توجہ صرف اور صرف اس دنیا، یہاں کی تعلیم اور یہاں کی زندگی پر لگی ہوئی ہے۔ شیطان بہت تیزی سے اپنے حربے استعمال کر کے کامیاب ہو رہا ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بعثت پر جب شیاطین نے ابلیس کو یہ بتایا تھا کہ یہ لوگ (امت محمدی) بت پرستی نہیں کریں گے۔ تو ابلیس نے کہا دیکھو' ان میں دنیا کی محبت ہے "؟ جب اس کے چیلوں نے بتایا کہ 'ہاں ان میں دنیا کی محبت ہے " تو پھر اس نے کہا کہ ' ہمیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ کہ یہ بت پرستی نہیں کریں ہم انہیں دنیا میں پھنسا دیں گے "۔

یہ دنیا ذلیل اور حقیر ہے۔ لیکن یہ جس کے منہ لگ جائے وہ ایک رتی بھی اس میں سے نہیں چھوڑتا۔ جبکہ دوسری طرف یہ دین قربانی مانگتا ہے۔ جان کی قربانی تو آج کل ختم ہو گئی ہے۔ اسے تو صرف مال داروں سے مال کی قربانی مانگی جاتی ہے۔ حضور کریم خاتم النبیین ﷺ کی ساری زندگی دین کے لئے مشکلات اور مصیبتیں برداشت کرنے میں گزر گئی۔

ہم سے بھی حساب لیا جائے گا کہ ہم نے اپنی نبی کی سنت پر کتنا عمل کیا ہے؟

صوفیاء کرام کا نام آج تک اگر زندہ ہے تو اس کی وجہ ان کی ہی قربانی تھی کہ انہوں نے اپنی کچھ توجہ اللہ کی طرف سے ہٹا کر مخلوق کی رشد و ہدایت پر لگا دی۔ انہوں نے دنیا کو بقدر ضرورت ہاتھ میں رکھا۔ انہوں نے دنیا کو دل میں نہیں بسایا۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے آشنا تھے۔ کہ ' پانی کشتی کے چاروں طرف ہو تو کشتی کی بقا ہے لیکن اگر یہی پانی کشتی کے اندر آ جائے تو کشتی کی فنا ہے "۔ اس لئے مال ان کے ہاتھوں میں آتا اور جاتا رہا اور دل میں صرف اور صرف یاد الہیٰ اور جذبہ خدمت خلق رہا۔

یاد رکھیں! ولایت توجہ الی اللہ اور رسالت توجہ الی الخلق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

****

فقر کی تعریف اور مال کی مذمت

غنا کی نسبت فی الجملہ فقر ہی افضل ہے، یہاں پر ہم فقر کی فضیلت میں وہ بات بیان کریں گے جس کو حارث محاسبیؒ نے اپنے کسی رسالہ میں بجواب کسی توانگر عالم کے جس نے مال جمع کرنے کی حجیت صحابہ کرامؓ کی توانگری اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال کی کثرت بیان کی تھی اور اپنے آپ کو صحابہ کرامؓ سے مشابہت دی تھی۔

حارث محاسبیؒ ''علم معاملہ'' میں اُمت کے بہترین افراد میں سے ہیں۔ ''عیوب نفس'' اور ''آفات اعمال'' جتنے اُنہوں نے لکھے ہیں اتنے اور کسی نے نہیں لکھے، اُن کے کلام کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں "ہم کو یوں پہنچا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بُرے علما کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ہے کہ ''اے بُرے عالمو! تُم نماز پڑھتے ہو، روزہ رکھتے ہو، صدقہ دیتے ہو، مگر جس بات کا تم کو حکم دیا گیا وہ نہیں کرتے ہو اور جو خود نہیں کرتے اُس کو لوگوں کو سکھاتے ہو، یہ نہایت بُرا ہے جو تم کر رہے ہو، ظاہر میں تو منہ سے توبہ کرتے ہو اور باطن میں اپنے نفس کے مطابق عمل کرتے ہو، یہ بات تمہارے کام نہ آئے گی، کہ ظاہر کو تو پاک وصاف رکھو اور دل کو ناپاک، مَیں سچ کہتا ہوں کہ تم چھلنی کی طرح مت بننا کہ جس میں آٹا نکل جاتا ہے اور بھوسی رہ جاتی ہے۔ اِس طرح تم ہو کہ حکمت کی باتیں تو تمہارے منہ سے نکل جاتی ہیں اور دلوں میں کدورت رہ جاتی ہے۔ ایک خصلتِ الٰہی ہے کہ اگر بندہ اُسے اختیار کرے تو اپنے زمانے کا پیشوا بن جائے اور وہ ہے ''دنیا سے منہ پھیر لینا'' اے دنیا کے بندو جو شخص دنیا سے اپنی رغبت اور شہوت ختم نہیں کرے گا، وہ آخرت کس طرح پائے گا؟ بخدا تمہارے دل تمہارے اعمال کی وجہ سے روتے ہیں، دنیا کو تم نے اپنی زبانوں کے نیچے رکھا ہوا ہے اور اعمال کو پاؤں کے نیچے، دنیا کی بہتری آخرت کی بہتری سے تمہیں زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ تُم نے اپنی آخرت برباد کر دی۔ تُم سے زیادہ نقصان اُٹھانے والا اور کون ہو گا؟ تمہارا بُرا ہو کب تک اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ بتاؤ گے اور خود متحیروں کی طرح کھڑے رہو گے؟۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ تم دنیا والوں سے دنیا اِس لیے چھڑواتے ہو کہ یہ سب دنیا تمہاری ہو جائے، نہیں تو خود را فصیحت دیگر را نصیحت کیوں کرتے ہو؟ بس کرو، بس کرو، اس سے کچھ فائدہ نہیں، کہ گھر کی چھت پر چراغ رکھا جائے اور گھر کے اندر اندھیرا ہی رہے، اِس طرح اگر نور علم تمہارے منہ سے نکلے اور دل ویسے ہی اندھیرے میں بیکار پڑا رہے تو کیا فائدہ؟ اے دنیا کے بندو تم پرہیز گار بندے نہیں ہو، کیا عجب ہے کہ دنیا تُم کو اُکھاڑ کر اوندھے منہ ڈال دے''۔

حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ ہمارے بُرے عالموں کا حال ہے، آدمیوں میں شیطان اور باعث فتنہ یہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اُنہوں نے دنیا کی طمع اور اس کی جاہ و رفعت میں دنیا کی حرص میں آخرت کو چھوڑ دیا اور دین کو ذلیل کیا۔ یہ لوگ دنیا میں بھی عار و ننگ کا باعث ہیں اور آخرت میں تو قطعی طور پر خسارہ اُٹھانے والوں میں ہوں گے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور فضل سے معاف فرما دے''۔

اِس لیے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان دو اور شیطان کے فریب میں مت آؤ اور نہ ہی شیطان کے دوستوں کا دھوکہ کھاؤ، جو حجت باطل پر اڑے ہوئے اور دنیا حاصل کرنے میں غرق ہیں اور پھر یہ عذر اور حجت نکالتے ہیں کہ ''اصحابِ رسول خاتم النبیین ﷺ کے پاس بھی بہت سا مال تھا''۔ یہ لوگ صحابہ کرامؓ کا ذکر اِس لیے کرتے ہیں کہ لوگ ان کے مال جمع کرنے پر اعتراض نہ کریں۔ اور ان کو مال جمع کرنے میں معذور جانیں۔ حالانکہ یہ شیطان کا ایک وسوسہ ہے''۔ اے کمبخت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال کی حجت پکڑنی، تیرے لیے اچھی نہیں، شیطان تجھے ہلاک کرنے کے لیے تیرے منہ سے یہ حجت نکلواتا ہے۔ کیونکہ جب تُو کہتا ہے کہ صحابہؓ نے بھی تو مال و زینت، اسراف اور کثرت کے لیے جمع کیا تھا تو تُو اُن سرداروں کی غیبت کرتا ہے اور ان کے ذمہ بُری بات لگاتا ہے اور جب تُو نے یہ کہا کہ حلال مال جمع کرنا اُس کے چھوڑنے کی نسبت اچھا ہے۔ تو تُو نے نسبت خطا اور جہل کی، آپ خاتم النبیین ﷺ اور انبیاء کرام پر کی۔ کہ انہوں نے ناحق زہد اختیار کیا۔ اور یہ فضیلت اور رتبہ جو تُو نے مال کے جمع کرنے میں بیان کیا اُن کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور اُن کو نہ سوجھا کہ تیری طرح وہ بھی مال جمع کرتے اور تیرے اس قول سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ تیرے نزدیک رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے گویا اُمت کی خیر خواہی نہ کی اور لوگوں کو مال کے جمع کرنے سے منع فرمایا، پس گویا (خدانخواستہ) رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے اُمت کو دھوکہ دیا کہ بہتر بات نہ سکھائی''۔

بخُدا تیرا یہ قول سراسر بکواس ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ اُمت کے خیر خواہ، سب سے زیادہ چاہنے والے، مشفق اور روف رحیم ہیں۔ علاوہ اس کے کہ جب ہم یہ کہیں کہ مال کا جمع کرنا افضل ہے تو اِس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ تیرے نزدیک اللہ تعالیٰ نے بندوں پر کچھ توجہ نہ فرمائی کہ ہم کو مال کے جمع کرنے سے منع کر دیا۔ یا

(خُدا نخواستہ) اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ فضیلت مال کے جمع کرنے میں ہے، اِس لیے نادانستگی میں نہی کر دیا ور تجھ کو مال کے خیر و فضل سے واقفیت بخوبی تھی، اِس لیے تُو دولت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ کی نسبت تجھ کو زیادہ شعور مواقع خیر و فضیلت کے جاننے کے ہیں۔

''معاذ اللہ مِن ذالک، اللہ ایسے جہل سے پناہ دے۔ ذرا سوچ کہ صحابہ کرامؓ کے مال سے حجت پکڑنا ہے، تیرے لیے شیطان کا کتنا بڑا اجال ہے اور کتنا بڑا فریب ہے ا ورعبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال سے حجت پکڑنی تیرے لیے کیا مفید ہوگی، جب قیامت میں وہ خود چاہیں گے کہ دنیا میں اگر مجھ کو بقدر بسر اوقات ملتا تو خوب ہوتا''۔

آگے محاسبیؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وفات ہوئی تو بعض صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ہم کو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اوپر بہت خوف ہے کہ انہوں نے کیا کچھ نہ چھوڑا (یعنی ہر چیز چھوڑی ہے) حضرت کعبؓ نے فرمایا! ''سبحان اللہ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال سے کیا خوف؟ مال طیب کمایا، طیب طور پر خرچ کیا اور طیب کمائی چھوڑ گئے''۔ کعبؓ کا یہ کہنا حضرت ابوذر غفاریؓ سے کسی نے جا کہا، وہ پیچ و تاب کھا کر اُن کی تلاش میں نکلے، راستے میں ذبح کیے ہوئے اُونٹ کی رسّی اُٹھائی اور اُن کو ڈھونڈنے لگے۔ جب حضرت کعبؓ کو ان کی خبر پہنچی تو بھاگ کر حضرت عثمانؓ کے گھر چلے گئے، حضرت ابوذر غفاریؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانِ غنیؓ کے گھر چلے گئے ہیں، تو سراغ لگاتے ہوئے اُن کے پیچھے پہنچ گئے، اُنہیں دیکھ کر حضرت کعبؓ حضرت عثمانِ غنیؓ کے پیچھے (چھپ گئے) جا بیٹھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اُن کی طرف دیکھا اور پھر مخاطب ہوئے، ''او یہودی بچے یہ تیرا قول تھا کہ عبدالرحمٰنؓ نے جو مال چھوڑا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں''؟

''سُن آپ خاتم النبیین ﷺ ایک روز جبل اُحد کی طرف نکلے، مَیں آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تھا، مجھ کو پکار کر کہا، اے ابوذرؓ، میں نے جواب دیا لبیک یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ''بہت مال والے قیامت کے دن کم مایہ ہوں گے (خسارے میں ہوں گے) مگر جس شخص نے ایسا اور ایسا کیا، اپنے دائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ اور آگے اور پیچھے سے دیا اور البتہ ایسے کم ہیں'' پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے میرا نام پکارا، میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر خزانہ ہو اور اُس کو مَیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کروں۔ لیکن اگر مرنے کے دن اِس میں سے میرے پاس دو جَو کے برابر بھی رہے گا تو مجھے اچھا معلوم نہ ہوگا''۔ مَیں نے عرض کیا'' یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا دو ڈھیر جو بچ رہیں'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا نہیں، ''دو جَو'' جو بچ رہیں، پھر فرمایا ''مَیں کم کہہ رہا ہوں اور تُو بہت کہتا ہے''۔ (متفق علیہ)

''اب آپ خاتم النبیین ﷺ تو یہ فرماتے ہیں اور تُو یہودی بچے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال چھوڑنے میں مضائقہ نہیں بتلاتا۔ تُو بھی جھوٹا ہے اور جو یہ کہے وہ بھی جھوٹا ہے''۔ اِس بات کا حضرت ابوذرؓ کو کسی نے کوئی جواب نہ دیا، (اور سب خاموش رہے) یہاں تک کہ وہ یہ کہہ کر وہاں سے نکل گئے۔

اور نیز ہم کو یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اُونٹ یمن سے آئے مدینہ منورہ میں دھوم اور شور مچ گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کسی نے پوچھا کہ یہ کیسا غُل ہے؟ لوگوں نے عرض کیا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اُونٹ آئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، ''اللہ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ نے سچ کہا ہے''۔

یہ خبر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو پہنچی، اُنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اِس حدیث کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے جواب دیا، ''مَیں نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے سُنا ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ مَیں نے جنت میں دیکھا، مہاجرین اور مسلمانوں میں سے فقیر لوگ خوب دوڑتے ہوئے جنت کی طرف جا رہے ہیں اور تونگروں میں سے کسی کو فقرا کے ساتھ دوڑتے ہوئے جنت میں جاتے ہوئے نہ دیکھا (مگر) سوائے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے لیکن وہ فقرا کے ساتھ جنت میں جاتا تھا، مگر گھٹنوں کے بل (یعنی گھسٹتے ہوئے)'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ حدیث سُن کر یہ تمام اونٹ بمعہ بوجھ کے اور بمعہ خادم و غلام کے خیرات و آزاد کر دیئے، کہ شاید مَیں بھی فقرا کے ساتھ دوڑ کر جنت میں جا سکوں۔

''پھر اے کمبخت، اَب تُو اپنے مال کی حُجت بتا''؟ عبدالرحمٰن بن عوفؓ باوجود فضل و تقویٰ، اِحسان، خیراتِ اموال برائے خُدا اور محبتِ رسول خاتم النبیین ﷺ اور بشارتِ جنت، قیامت کے میدان میں اِس مال کی بدولت رُکے رہیں گے۔ جس کو بوجہ حلال کمایا کہ حاجت سوال نہ پڑے اور لوگوں کے ساتھ اِس سے برابر سلوک کرتے رہے اور اپنے بدن پر میانہ روی کے ساتھ خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت کچھ دیا۔ تاکہ جنت میں فقرا مہاجرین کے ساتھ داخل ہو سکیں۔ جب یہ اُن کا حال ہے، تو ہم جیسے لوگ جو دنیا کے شغل میں ڈوبے ہوئے ہیں، اِن کا کیا حال ہوگا؟ اور زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ تو ہمیشہ مال مشتبہ اور حرام پر گرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ اِس دولت کے لیے ہر وقت سینہ زوری کرتا رہتا ہے اور شہوات اور زینت اور مکروہات اور طرح طرح کے مباہات میں پھنسا رہتا ہے اور یہی اُلٹ پلٹ کرتا رہتا ہے

اور پھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی حجت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ''صحابہ کرامؓ نے بھی تو مال جمع کیا تھا، اِس لیے مَیں نے بھی کیا ہے''۔ گویا اپنے آپ کو پانچوں سواروں میں سلف کے ساتھ سمجھتا ہے اور یہ نہیں سمجھ پاتا کہ یہ شیطانی قیاس ہے اور شیطان نے اپنے دوستوں کو ایسی باتیں سوجھادی ہیں،

''یادرکھیں کہ اُس وقت تک انسان کو دنیا کی کوئی چیز نہیں دی جاتی، جب تک کہ سرمایہ آخرت میں سے کچھ نہ کچھ کم نہ کیا جائے''۔ پس جان رکھ کہ بعض صحابہ کرامؓ کے پاس جو مال تھا تو سوال نہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کی غرض سے تھا۔ انہوں نے وجہ حلال سے کمایا اور طیب مال ہی کھایا۔ اور متوسط درجہ میں خرچ کیا۔ دنیا میں کسی کا حق نہ مارا، مال سے بخل نہ کیا، آگے کے لیے اپنا سامان کر گئے، بلکہ زیادہ آگے روانہ کر دیا۔ بعض صحابہ کرامؓ نے تو سارے کا سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔ اکثر سختی کے وقت اللہ تعالیٰ کے کاموں کو ترجیح دی، اِس کے علاوہ بہترین صحابہؓ کا یہ دستور تھا کہ مسکنت دوست تھے اور خوب فقر سے ماموراور رزق کے باب میں اللہ تعالیٰ پر متوکل، تقدیرِ الٰہی پر خوش، بلا پر راضی، نعمت میں شاکر، ضرر میں صابر، راحت میں ثناخواں، اللہ کے واسطے تواضع کرنے والے، دنیا پر لات ماری، اِس کے مصائب پر صبر کیا اور اس کی تلخی کو زہر مار کر کے نعمت کو چھوڑ دیا''۔

''اب کہو کہ کیا تم ایسے ہی ہو؟ کہ جب دنیا اُن پر آتی تھی تو اُسے اللہ کا عذاب سمجھتے تھے، دنیا کے آنے کو وبال خیال کرتے تھے اور فقر آتا تھا تو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شعار نیک بندوں کا ہم کو ملا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت فرض ہے اور دنیا کو ترک کرنا سُنت''۔ اَب اپنا حال دیکھو کہ بالکل اُن کے برعکس ہے، بہت سے اپنے کپڑوں کو اُجلا رکھنے والے اپنے دین کو میلا رکھتے ہیں۔ تمہارا حال یہ ہے کہ تو انگری میں طغیانی کرتے ہو، خوش حالی کے وقت اکڑتے ہو، منعم حقیقی کے شُکر سے غافل، مصیبت کے وقت غصہ آتا ہے، مفلسی میں نا اُمید فقیری کو بُرا جانتے ہو، مسکنت سے تنگ اور ناداری کے خوف سے مال جمع کرتے ہو، فخر، تکبر اور اظہار زینت دنیاوی کے لیے دولت جمع کرتے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو مال تفاخر اور تکاثر کے لیے جمع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے حال میں جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر غضبناک ہوتا ہے، لیکن تم کو اُس کی کیا پرواہ؟ اَب دیکھ لو کہ دونوں فریقوں میں کتنا فرق ہے؟، ایک فریق صحابہ کرامؓ، خداوند کریم کے نزدیک علومرتبہ والے اور ایک فریق تم جیسوں کا، اسفل درجے والے (کم ترین)۔

چنانچہ بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ''اگر مَیں ہزار اشرفیاں حلال ذرائع سے کماؤں پھر اُن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹادوں اور اس کمانے اور خیرات کرنے سے میری جماعت کی نماز میں بھی کوئی فتور نہ آئے، پھر بھی مجھے یہ پسند نہیں ہے " کسی نے کہا" اِس میں کیا بُرائی ہے "؟ فرمایا" اِنسان حالت ناداری میں قیامت کے سوال سے بچا رہتا ہے۔ کیونکہ راہ فقر میں چلنا اور بات ہے اور ذخیرہ جمع کرنا اور بات۔ پس فقر اختیار کر یا دنیا جمع کر۔ قیامت میں اغنیا سے سوال ہوگا 'اے بندے کہاں سے تُونے مال پیدا کیا اور کہاں کہاں اِس کو خرچ کیا؟ پس دیکھ کہ متقی لوگ یہ تھے۔ اور موجودہ زمانے میں حلال کی کمائی ناپید ہے۔ اے کمبخت تیرے لیے صحابہ کرامؓ کی اقتدا موجود ہے، تجھے ان کی پیروی کرنی چاہیے" اور مجھ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" لوگوں میں ایمان والا سردار وہ ہے جن کو صبح کا ناشتہ ملے تو شام کا کھانا نہ ملے اور شام کا کھانا ملے تو صبح کا ناشتہ نہ ملے اور قرض لینا چاہیں تو قرض نہ ملے، کفایت کے کھانے کی مقدار پر قدرت رکھتے ہوں اور اس کے باوجود صبح وشام اپنے رب سے راضی ہوں"۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے میں حلال موجود تھا، وہ لوگ سب سے زیادہ متقی تھے۔ اِس زمانے میں حلال مفقود ہے۔ علاوہ ازیں ہم لوگوں میں صحابہ کرامؓ کا سا تقویٰ، زہد، ورع اور احتیاط کہاں؟ پھر اُن لوگوں کے سے دل اور اُن لوگوں کی سی سنتیں کہاں؟ بخدا ہم لوگوں پر تو مرض نفس کی معصیت چھا گئی ہے، ہم نفس کی خواہشات میں پھنس گئے ہیں اور عنقریب قیامت میں گزر ہوگا۔ بڑے سعید وہ ہیں جو اُس دن ہلکے پھلکے ہوں گے، جب تک کوئی شخص دنیا میں مشغول رہتا ہے وہ خُدا رسیدہ نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ دولت اور زیادہ مال والے ہوں گے کہ حلال وحرام سب ملا کر کھا گئے، اُن کو اُس روز بڑا رنج اور بڑی حسرت ہوگی، ہم نے بطور نصیحت سب کچھ سُنا دیا ہے قبول کرنا نہ کرنا لوگوں کا کام ہے۔ اچھی باتوں کو قبول کرنے والے کم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاصہ سے ہم سب کو اچھی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے"، اِس پورے بیان سے غنا پر فقر کی فضیلت اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہے۔ اب کچھ باتیں اور واقعات مال داری (غنا) کی مذمت میں۔ اَب مَیں تجھے تیرا حال اور صحابہؓ اور سلف کا حال کہہ کر سُناتا ہوں تا کہ تجھ کو اور نصیحت اور صحابہ کرامؓ کی فضیلت معلوم ہو جائے۔

مال داری (غنا) کی مذمت:

(1) وصال سے قبل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ سے فرمایا اے بیٹی مَیں نے جو تمہیں ایک باغ دیا تھا۔ اُس کے بارے میں متفکر ہوں، بہتر

ہے کہ تُم اُسے مالِ میراث میں جمع کرا دو، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا، بہت اچھا۔ چنانچہ اُس باغ کو لوٹا دیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا!" جب سے ہم مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہوئے ہیں۔ ہم نے مسلمانوں کے مال سے حبہ بھر بھی (ایک مٹھی بھر بھی) ناجائز نہیں کھایا ہے۔ اور ہمارے پاس مالِ غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں۔ مگر صرف یہ ایک حبشی غلام اور ایک اونٹ ہے جسے ہم اپنی گھریلو ضرورت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور ایک معمولی درجہ کا کپڑا جو جانوروں کے اوپر ڈالنے کے کام آتا ہے، مَیں جب فوت ہو جاؤں تو یہ سب سامان حضرت عمرؓ کے پاس بھیج کر سبکدوش ہو جانا"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہے کہ مَیں نے ایسا ہی کیا اور جب یہ سامان حضرت عمر فاروقؓ (خلیفہ ثانی) کے پاس پہنچا تو حضرت عمرؓ آبدیدہ ہو گئے، یہاں تک کہ آپؓ کے آنسو زمین پر گر رہے تھے، اور آپؓ کی زبان مبارک پر یہ جملہ تھا"اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے، ابوبکرؓ نے اپنے بعد آنے والے (خُلفا) کے لیے بہت مشکل پیدا کر دی ہے۔ پھر فرمایا" اے غلام! ان چیزوں کو اُٹھا لو، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (جو کہ اُس وقت قریب بیٹھے ہوئے تھے) کہنے لگے،"سبحان اللہ آپؓ ابوبکرؓ کے اہل وعیال سے (ان کی ضرورت کا سامان) یہ حبشی غلام اور یہ باربردار اونٹ اور یہ معمولی کپڑے کا ٹکڑا، جس کی قیمت پانچ درہم ہوگی۔ چھین رہے ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا" پھر تمہاری کیا رائے ہے"؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا، یہ چیزیں آپؓ اُن کے اہل وعیال ہی کو لوٹا دیں۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے فرمایا "قسم ہے اُس ذات کی جس نے محمد خاتم النبیین ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا، میری حکومت میں ایسا ہر گز نہیں ہوگا۔ اور یہ کبھی بھی ممکن نہیں کہ جن اشیاء کو حضرت ابوبکرؓ وفات کے وقت اپنے گھر سے نکال گئے ہیں، مَیں اَب اُن اشیاء کو اُن کے اہل وعیال کے پاس واپس بھیجوں اس سے میری موت زیادہ قریب ہے "۔

(2) اپنے وصال کے آخری لمحات میں خلیفہ ثانی حضرت عمرِ فاروقؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا"! میرے قرض کا حساب کرو"، حساب کیا گیا تو تقریباً چھیاسی ہزار درہم حساب میں نکلا، حضرت عمرِ فاروقؓ نے فرمایا کہ عمرؓ کی آل اولاد کا مال اگر اِس کو ادا کر سکے تو ان کے مال سے ادا کر دینا۔ ورنہ بنی عدی سے کمی میں مدد لینا (کم کرنے کی درخواست کرنا) اور اگر جدی قرابت داروں اور گھر والوں کا مال بھی کفایت نہ کرے تو پھر قریش سے مدد لے لینا"۔

(3) ابوامامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ ایک بار ثعلبہ بن حاطب نے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ مجھے مال دے" آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" اے ثعلبہ تھوڑا سا مال جس کا تُو شکر کر سکے، بنسبت بہت سے مال کے جس کا تُو شکر نہ کر سکے بہتر ہے"۔ اُس نے کہا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ بس آپ خاتم النبیین ﷺ دُعا فرمایئے -" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ثعلبہ کیا تُو میری پیروی نہیں کرتا؟ کہ تو بھی مِثلِ پیغمبر خدا ہو، اگر مَیں چاہوں کہ یہ پہاڑ سونے چاندی کے ہو جائیں اور پھر میرے ساتھ چلنے لگیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ "اُس نے جواب دیا کہ "قسم ہے اُس ذات کی جِس نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اگر آپ خاتم النبیین ﷺ کی دُعا سے اللہ تعالیٰ مجھے مال دے گا تو مَیں سب حق والوں کے حقوق بھی ادا کروں گا، اور یہ کروں گا، وہ کروں گا"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دُعا کی کہ "اے اللہ ثعلبہ کو مال عطا فرما دے"۔

پس اُس نے کچھ بکریاں خرید لیں، پھر وہ دیمک کی طرح بڑھنے لگیں، یہاں تک کہ مدینہ میں نہ رہ سکا، ریوڑ بڑا ہو گیا، مدینہ سے باہر جنگل میں چلا گیا۔ نمازوں سے صرف ظہر، عصر کے وقت جماعت میں حاضر ہوتا، باقی جماعتوں کو ترک کرنا مجبوری ہو گئی۔ پھر بکریوں کی تعداد اور زیادہ ہو گئی اور جنگل میں بھی گزارا کرنا ناممکن ہو گیا اور ذرا آگے پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ جماعت کی نمازیں ختم ہو گئیں اور صرف جمعہ کے جمعہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتا۔ بکریوں کی تعداد اور بڑھی یہاں تک کہ جمعہ بھی چھوٹ گیا، جمعہ کے روز راہ کے مسافروں سے ملتا اور مدینہ کی خبریں پوچھ لیا کرتا۔ اِدھر نبی کریم خاتم النبیین خاتم النبیین ﷺ نے لوگوں سے ثعلبہ کا حال معلوم کیا؟ لوگوں نے بکریوں کی کثرت، مدینہ کا چھوڑنا، جماعت کا ترک کرنا، پھر جمعہ کا چھوڑنا، سب کچھ بتا دیا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے تین بار یہ فرمایا" ہلاک ہوا ثعلبہ"۔

انہی دنوں یہ آیت نازل ہوئی (سورۃ توبہ، آیت نمبر-103)

ترجمہ:"اے نبی (خاتم النبیین ﷺ)، اِن کے مال سے (مسلمانوں) زکوٰۃ لے کر انہیں پاک کرو اور انہیں دُعا دو، آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی دُعا اس کے لیے آسودگی ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض فرمائی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک آدمی کو قوم جہینہ اور ایک آدمی کو بنی سلیم سے زکوٰۃ لینے کے لیے مقرر فرمایا، اور ایک وثیقہ زکوٰۃ لینے کے لیے لکھ دیا۔ کہ اس کے ذریعے سے وصول کریں۔ اور حکم دیا کہ باہر جا کر بھی مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کریں۔ اور ثعلبہ بن حاطب اور فلاں شخص بنی

سلیم والے کے پاس جا کر اُن سے زکوٰۃ وصول کریں۔ یہ دونوں صاحب مدینہ سے حسبِ ارشاد باہر نکلے اور ثعلبہ کے پاس آئے، آپ خاتم النبیین ﷺ کا نوشتہ دکھایا اور زکوٰۃ طلب کی، اُس نے آپ خاتم النبیین ﷺ کا نوشتہ پڑھا اور کہا کہ "یہ تو ڈنڈ ہے "تم اور جگہ سے فارغ ہو کر پھر آؤ"۔ وہ دونوں مرد سلیمی کے پاس جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔ اُس نے اِن کے آنے کی خبر سُن لی تھی فوراً اپنے مال سے عمدہ عمدہ اُونٹ چھانٹ کر اِن دونوں کے استقبال کے لیے آیا اور کہا کہ یہ زکوٰۃ ہے۔ جب اِن دونوں نے اونٹوں کو دیکھا تو کہا، "ہم اِن اونٹوں کو لے کر نہ جائیں گے، یہ تجھ پر واجب نہیں ہے کہ تُو سب سے عمدہ مال دے، ہم ان کو نہیں لیں گے"۔ اُس نے عرض کیا ، "آپ انہیں لے لیں یہ مَیں خود اپنی خوشی سے لایا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کے لیے لایا ہوں"۔ اُنہوں نے قبول کر لیا۔ غرض اِس کے بعد جب ہر جگہ سے فارغ ہو گئے تو واپسی پر پھر ثعلبہ بن حاطب کے پاس آئے، اُس نے ایک مرتبہ پھر نوشت دکھانے کے لیے کہا، دوبارہ پڑھا اور کہا "یہ تو ڈنڈ ہے بلکہ یہ تو ڈنڈ کا باپ ہے"۔ بس اَب تم لوگ جاؤ مَیں سوچ لوں تو کچھ کہوں، جب یہ دونوں آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان دونوں کے بولنے سے پہلے ہی فرمایا "ہلاکی ہے ثعلبہ کے لیے" اور دوسرے شخص سلیمی کے لیے دُعائے خیر کی۔ اس کے بعد دونوں نے جو کچھ ماجرا گزرا تھا آپ خاتم النبیین ﷺ سے بیان فرما دیا۔

اُسی وقت ثعلبہ کے بارے میں یہ آیت اُتری

ترجمہ: "اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ عہد کیا اللہ تعالیٰ سے کہ اگر اللہ ان کو دے گا تو وہ خیرات کریں گے، اور نیکی کریں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو بخل کیا اور پھر گئے اپنے عہد سے، ان کے دلوں میں روزِ محشر تک نفاق ڈال دیا گیا۔ اِس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جھوٹا وعدہ کیا"۔

اُس وقت آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں ثعلبہ کا ایک رشتہ دار بھی بیٹھا ہوا تھا، وہ بھاگتا ہوا ثعلبہ کے پاس گیا اور کہا کہ "تیری ماں مرے، اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں یہ آیت نازل کی ہے"۔ "بس اُسی وقت ثعلبہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ یہ مال زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا ہوں، میری پذیرائی فرمائیں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرما دیا ہے، مَیں قبول نہیں کر سکتا" اُس شخص نے اپنے سر پر مٹی ڈالنی شروع کر دی، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جیسا تُو نے کیا ویسا تُو نے پایا، جو کچھ مَیں نے تجھ سے کہا تھا، تُو نے نہ مانا، تُو نے میری اطاعت نہ کی"، جب ثعلبہ نے دیکھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ وہ مال ہرگز قبول نہ فرمائیں گے تو پھر واپس مدینہ سے باہر چلا گیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے بعد، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں ثعلبہ مال سمیت دوبارہ آپؓ کے پاس آیا، آپؓ نے مال قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر حضرت عمر فاروقؓ کے دَور میں آپؓ کے پاس زکوٰۃ لے کر آیا، اُنہوں نے بھی قبول نہ کیا، پھر آپؓ کی خلافت کے بعد وہ مر گیا۔

پس مال کی طغیانی اور بدبختی اِس روایت سے معلوم کرنی چاہیے، اِسی وجہ سے فقیری میں برکت اور مال داری میں نحوست بتائی گئی ہے۔

(4) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنے اور اپنے اہلِ بیت کے لیے فقیری ہی کو پسند فرمایا۔ عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ "آپ خاتم النبیین ﷺ مجھ کو ذی منزلت جانتے تھے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "عمران تم ہمارے نزدیک ذی مرتبہ اور ذی جاہ ہو، تیری مرضی ہو تو فاطمہؓ کی عیادت کے لیے میرے ساتھ چل" مَیں نے کہا بہت بہتر یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، آپ خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہوئے، مَیں ہمرکاب ہوا، یہاں تک کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فاطمہؓ کے دروازے پر دستک دی اور فرمایا اسلام وعلیکم، مَیں اندر آؤں؟ اُنہوں نے فرمایا، تشریف لے آیئے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "مَیں اور میرا ساتھی دونوں آئیں" اُنہوں نے پوچھا آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ اور کون ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "عمران بن حصین" اُنہوں نے جواب دیا "قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو نبی خاتم النبیین ﷺ بنا کر بھیجا ہے، میرے پاس ایک عبا کے سوا کوئی کپڑا نہیں ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اُسے اچھی طرح لپیٹ لو، اُنہوں نے عرض کیا کہ بدن کو تو مَیں نے چھپا لیا ہے، پر سَر کو کیسے چھپاؤں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے "اپنی پُرانی چادر اُن کو دی اور فرمایا، اُس کو اپنے سر پر باندھ لو"، اُس کے بعد فاطمہؓ نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے اندر داخل ہونے کے بعد فرمایا "اے لختِ جگر اسلام وعلیکم تُم کیسی ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ مجھے دَرد ہے اور اِس دَرد پر ایک دَرد یہ ہے کہ آج میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ بھوک نے مجھے نڈھال کر دیا ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ رو پڑے اور فرمایا! اے لختِ جگر تُو مت گھبرا، مَیں نے تین وقت سے کھانا نہیں کھایا، تیری نسبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا رتبہ زیادہ ہے، اگر مَیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا تو وہ مجھ کو کھلاتا، مگر مَیں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور

آخرت کو پسند کیا، پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت فاطمہؓ کے مونڈھوں پر مارتے ہوئے کہا، "تجھ کو بشارت ہو کہ تُو جنت کی عورتوں کی سردار ہے"
۔اُنہوں نے کہا کہ "پھر آسیہؑ فرعون کی بیوی، مریم عمران کی بیٹی اور خدیجہ خویلدؓ کی بیٹی کہاں گئیں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" وہ اپنے اپنے وقت کی عورتوں کی سردار تھیں اور تُم اپنے عہد کی عورتوں کی سردار ہو"، تُم سب ایسے مکانوں میں رہوگی جو زبرجد کے بنے ہوئے ہوں گے اور یاقوت سے جُڑے ہوئے ہوں گے اور ان میں کسی طرح کا شوروغُل نہ ہوگا"۔

اِس کے بعد ارشاد فرمایا "اپنے چچازاد کے ساتھ قناعت کر مَیں نے تیرا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے کہ دنیا میں بھی سردار اور آخرت میں بھی سردار ہوگا"۔ یہاں پر غور کا مقام یہ ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے کیوں فقر کی راہ کو اختیار کیا اور کیوں مال کو وبالِ جان کہہ کر چھوڑا؟۔ اِس لیے کہ مال میں طمع اور طمع میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

(5) روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آپ علیہ السلام کے ساتھ رہنے کے لیے حاضر ہوا، راہِ سفر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کو اپنے ساتھ لے لیا۔ایک ندی کے کنارے ناشتہ کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس تین روٹیاں تھیں، دونوں نے ایک ایک کھالی، ایک باقی رہ گئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نہر سے پانی پی کر واپس آگئے تو واپسی پر وہ تیسری روٹی نہ پائی، آپ علیہ السلام نے اُس شخص سے کہا "روٹی کہاں گئی"؟ اُس نے جواب دیا کہ "مجھے تو معلوم نہیں" آپ علیہ السلام نے اُسے اپنے ساتھ لیا اور چل دیئے، آپ علیہ السلام کو راستے میں ایک ہرنی ملی، اُس کے ساتھ اُس کے دو بچے تھے، آپ علیہ السلام نے ایک بچے کو بُلایا، وہ آپ علیہ السلام کے پاس آ گیا، آپ علیہ السلام نے اُس کو ذبح کیا، اُس کا گوشت کاٹا، اُسے بھونا اور اُس شخص کو ملا کر تناول فرمایا، پھر اُس ذبح کئے ہوئے بچے کو فرمایا "قُم باذن اللہ" وہ صحیح سالم ہوگیا اور کھڑا ہو کر جنگل کی طرف چلا گیا، اب آپ علیہ السلام نے پھر اپنے ہمراہی سے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے یہ معجزہ دکھایا "بتا روٹی کِس نے کھائی"؟ اُس نے کہا" مجھے تو معلوم نہیں"؟ پھر آپ علیہ السلام جنگل میں گئے، وہاں پہنچ کر مٹی کا ایک ڈھیر جمع فرمایا اور کہا "اللہ کے حکم سے سونا بن جا، ڈھیر سونا ہوگیا"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اِس کے تین حصے کئے پھر اُس شخص سے فرمایا "ایک میرا اور ایک تیرا اور ایک اُس کا جس نے وہ روٹی لی تھی" اب وہ شخص فوراً بول اُٹھا "روٹی تو مَیں نے کھالی تھی" حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس سے فرمایا "لے یہ سارا تُو ہی رکھ لے اور خود اکیلے اُٹھ کر چل دیئے۔وہ شخص بہت خوش ہوا، اُس نے آپ علیہ السلام کے چلے جانے کی ذرا پرواہ نہ کی، سارا مال سمیٹا اور چل دیا، کچھ ہی دُور گیا تھا کہ دو آدمی آئے اور پوچھا کہ "یہ کیا ہے"؟اور جب اُن کو معلوم ہوا کہ یہ سونا ہے تو اُس آدمی سے چھیننا چاہا،اُس نے کہا" مجھے مارتے کیوں ہو، ہم تینوں آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں"، وہ تینوں اس مال کو تقسیم کرنے بیٹھے۔

ایک شخص نے کہا" بھوک بہت لگی ہے، پہلے کچھ کھانا کھالیں، پھر مال تقسیم کریں گے"، ایک شخص نے شہر جا کر کھانا لانے پر رضامندی ظاہر کی اور دونوں وہاں پر بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگے، شہر والے آدمی کے دل میں خیال آیا کہ اگر اس کھانے میں مَیں زہر ملادوں تو سارا مال میرا ہوجائے گا، یہ سوچ کر اُس نے کھانے میں زہر ملادیا اور کھانا لے کر آ گیا۔اُدھر جنگل والے دونوں آدمیوں نے طے کیا کہ مال آدھا آدھا کر لیتے ہیں، وہ شخص جیسے ہی آئے گا، اُسے قابو میں کر کے قتل کر دیں گے۔شہر والا شخص جب زہر ملا ہوا کھانا لے کر جنگل میں پہنچا تو دونوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اُس شخص کو قتل کر دیا، پھر آرام سے کھانا کھانے بیٹھ گئے اور کھانا کھاتے ہی لقمہ اجل ہوگئے، مال یہاں پر ہی پڑا رہ گیا۔تو مال میں طغیانی اور بدبختی ظاہر ہوگی، مال میں طمع ہے، طمع میں ہلاکت ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پھر وہاں سے گزر ہوا تو فرمایا "لوگو دیکھ لو دنیا کا یہ حال ہے اور یہ دنیا کا مال ہے اس سے بچتے رہو"۔

(6) روایت ہے کہ حضرت ذوالقرنین کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ جن کے پاس دنیا کی چیزوں میں سے کچھ نہ تھا، جیسے لوگوں کی غذا، پوشاک وغیرہ ہوتی ہیں۔اُن کے رہنے سہنے کا طریقہ یہ تھا کہ اُنہوں نے قبریں کھود رکھیں تھیں، صبح کو اُن میں جھاڑو دیتے، اُنہیں صاف کرتے، اُن کے پاس نمازیں پڑھتے، اللہ تعالیٰ کی قُدرت سے ہر طرح کا ساگ اُن کے گردونواح میں اُگا ہوا تھا، بس اُسی ساگ کو کھا کر گزارا کر لیا کرتے تھے، وہ جانوروں کی طرح ساگ کو چرتے اور اپنی خوراک اُسی کو جانتے۔حضرت ذوالقرنین نے اُن کے پاس ایک ایلچی بھیجا کہ بادشاہ ذوالقرنین نے اُن کے سردار کو بُلایا ہے؟ اُن کے سردار نے جواب دیا کہ "مجھے اُن سے کوئی غرض نہیں ہے، جس کو غرض ہے وہ آجائے"۔حضرت ذوالقرنین نے فرمایا" اُس نے واقعی سچ کہا ہے"۔خود اُن کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ "مَیں نے تمہارے بلانے کو آدمی بھیجا تھا لیکن تُم نے انکار کیا، اب مَیں خود آیا ہوں" اُس نے عرض کیا کہ "اگر مجھ کو آپ سے کوئی مطلب ہوتا تو مَیں خود آپ کے پاس آتا"۔

آپ نے فرمایا! " مَیں جو تمہارا حال دیکھتا ہوں، ایسا حال مَیں نے کسی کا نہیں دیکھا۔ تمارے پاس سونا اور چاندی کچھ نہیں ہے، تُم نے دنیا کی چیز کیوں نہ پیدا کی، لوگوں کی طرح آسائش سے رہتے"؟ ۔اُس نے کہا کہ''ہم نے سونا اور چاندی، صرف اس لیے بُرا جانا کہ یہ جس کو ملتا ہے اُس کا نفس یہی چاہتا ہے کہ اُس سے افضل کوئی چیز ملے اور اس میں بڑھوتی ہوتی رہے''۔ آپ نے فرمایا کہ پھر "یہ قبریں کس لیے کھود رکھیں ہیں اور صبح صبح اُن کی صفائی کر کے اِن کے پاس نمازیں پڑھتے ہو"۔اُس نے جواب دیا کہ "اِس لیے کہ اگر دنیا کی طمع پیدا ہو تو قبر کو دیکھ کر رک جائے اور لمبی اُمیدیں دل سے اُتر جائیں۔ اِس خیال سے کہ قبر میں داخل ہونے میں زیادہ وقت نہیں رہا ہے"۔

آپ نے فرمایا! "یہ ساگ کِس لیے کھاتے ہو، چوپائیوں کو کیوں نہیں پالتے؟ کہ اُن کا دودھ اور گوشت استعمال کرو اور اُن کو سواری کے کام میں بھی لاؤ" اُنہوں نے کہا"ہم اپنے پیٹوں کو جانوروں کی قبریں بنانا پسند نہیں کرتے، زمین کے ساگ پات سے ہماری ضرورت پوری ہو جاتی ہے، آدمی کی مختصر سی زندگی کے لیے اَدنی چیز کافی ہے ویسے بھی گلے سے اُترتے ہی سب چیزیں ایک جیسی ہو جاتی ہیں"۔ پھر اُس نے ہاتھ بڑھا کر حضرت ذوالقرنین کے پیچھے سے ایک کھوپڑی اُٹھائی اور آپ سے پوچھا؟" آپ کو معلوم ہے کہ یہ کھوپڑی کِس کی ہے"؟۔ ذوالقرنین نے جواب دیا" نہیں"۔ اُس نے کہا" یہ زمین کا بادشاہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اِس کو حاکم بنایا تھا۔ اُس نے سرکشی کی اور ظلم و ستم کیا، پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو اِس پر مسلط کر دیا، اب ڈھیلے کی طرح پڑا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کے سارے عمل معلوم ہیں۔ قیامت کو یہ اپنے اعمالوں کا بدلہ پائے گا" پھر ایک اور کھوپڑی اُٹھا کر کہا کہ "جانتے ہو یہ کِس کی کھوپڑی ہے"؟ آپ نے فرمایا "نہیں مَیں نہیں جانتا"۔ اُس نے کہا کہ "یہ بھی ایک بادشاہ کا سر ہے۔ جو اُس کے بعد ہوا اور وہ لوگوں کے ساتھ تواضع، عاجزی اور عدل کا برتاؤ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کے عمل بھی گِن رکھے ہیں، یہ بھی اپنے عملوں کا اجر قیامت میں پائے گا" پھر ذوالقرنین کے سر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اے ذوالقرنین یہ کھوپڑی بھی اِن دو کھوپڑیوں کی طرح ہو جائے گی، تُو جو کچھ کیا کرے تامل سے کیا کر"۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر تُو میرے ساتھ چلے تو مَیں تجھ کو اپنا نائب سلطنت، اپنا وزیر، اپنا مُشیر بنا دوں اور نصف سلطنت عطا کروں؟ مَیں تجھ کو اپنا شریک سلطنت کرنا چاہتا ہوں" اُس نے عرض کیا "مَیں اور آپ نہ ایک جگہ رہ سکتے ہیں اور نہ ایک جگہ اکٹھے ہو سکتے ہیں" آپ نے پوچھا" کیوں"؟ اُس نے کہا کہ "اِس لیے کہ تمام آدمی آپ کے دُشمن ہیں اور میرے دوست ہیں" آپ نے پوچھا" کیسے"؟ اُس نے کہا "اِس لیے کہ آپ کے پاس مُلک ہے درہم و دینار ہیں، میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آدمی تو طمع و حرص کا بندہ ہوتا ہے۔ اِس لیے سب آپ کے دُشمن ہیں، مَیں محتاج اور مفلس ہوں، میرا دُشمن کوئی نہیں ہے اور کس وجہ سے ہوگا"؟

یہ سُن کر حضرت ذوالقرنین اُن کے پاس سے چلے آئے، اِس کے بعد ہمیشہ آپ اُس کی باتوں میں ڈوب جایا کرتے، آپ نے ہمیشہ اُن باتوں کو اپنے لیے نصیحت اور عبرت جانا۔

اِن تمام حکایات سے دنیا کے مال کی حقیقت اور "آفات تونگری" معلوم ہوئی اور معلوم ہوا کہ مال تریاق اُس صورت میں ہے کہ حلال ذرائع سے حاصل ہو، بسر اوقات کے لیے ہو، باقی مال خیرات کر دیا جائے اور اگر ایسا نہ کیا تو وہی مال زہر اور آفت ہوگا کیونکہ مال میں طغیانی ہے، طغیانی میں حرص ہے، حرص میں سرکشی ہے اور سرکشی میں ہلاکت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مال کی آفات کے چنگل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

****

مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین	خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُحسنِ اِنسانیت	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مُختصرِتذکرئہ انبیاءکرامؑ، صحابہ کرامؓ و آئمہ کرامؒ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)

www.jamaat-aysha.com